شاہانِ دہلی یا اسلافِ دیوبند

معروف بہ

ارواحِ ثلثہ

ہندوستان کی عظیم الشان وبلند پایہ شخصیتوں کے پاکیزہ اور نہایت مستند حالات، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خاندان مشایخ و وابستگان اور اکابرین جماعتِ علماء دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور کے صحیح واقعات وحکایات مع اضافہ حاشیہ حکایات

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز

تیسرا ایڈیشن

باہتمام

ناظم کتب خانہ اشاعت العلوم متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

یہ اور جملہ دینی کتب ادارہ اشاعت العلوم متصل مظاہر علوم سہارنپور سے طلب فرمائیں

قال اللہ تعالیٰ واتبع سبیل من اناب الی الآیۃ

چوں آیۂ کریمہ مذکورہ آمر است باتباع سبیل کسانیکہ منیب باشند الی اللہ الجلیل
وآں موقوف است بر معرفت آں سبیل از اقاویل شان وافاعیل

رسالہ ملقب بہ

ارواح ثلثہ

یعنی مجموعہ

امیر الروایات

کہ متضمن از ملفوظات حضرت ... اشرف علی صاحب دام فیوضہم

روایات الطیب

کہ متضمن از افادات مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم

اشرف التنبیہ

منضبط کردہ جناب مولانا مو...لی صاحب دام ظلہ الجلیل

مع

اضافات جدیدہ

از مرتب

کاشف بود از طرق جماعت خاص از قبیل علیہم رحمۃ اللہ الوکیل بناء علیہ سال مذکورہ
باہتمام احقر ظہور الحسن کسولوی عفرلہ بغرض طالبان تکمیل بطرز جمیل

از کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور شائع گردید

ملنے کا پتہ:- ناظم کتب خانہ اشاعت العلوم متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

شاہانِ دہلی یا اسلافِ دیوبند

ملقب بہ

ارواحِ ثلٰثہ کی طباعت سوم

الحمد للہ کہ بعد نظر ثانی بہترین کتابت وطباعت عمدہ کاغذ پر ہدیہ ناظرین ہے۔ کتاب کی چند خصوصیات سے شائقین کو آشنا کر دینا باعثِ بصیرت ہوگا۔

(۱) اس کتاب میں قریب زمانہ کے ان علمائے کرام اور اہل اللہ کی حکایات بطور روایت باللفظ بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے جو خاندان شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے نسبی یا علمی و باطنی انتساب رکھتے ہیں اور جن کو اسلاف دیوبند کہنا چاہئے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام شاہان دہلی یا اسلافِ دیوبند اسم بامسمّیٰ ہے۔

(۲) اس کتاب کا مطالعہ نفع کے لحاظ سے ان بزرگوں کی صحبت کا قائم مقام ہے جنکی یہ حکایتیں ہیں

(۳) حکایات کے ضمن میں علمی نکات، حسن معاشرت، خلوص، سادگی، تدین، تبلیغی کارناموں پر غیر محسوس طریقہ پر روشنی پڑتی ہے۔

(۴) بالخصوص اہل علم وبصیرت کے لئے "حاشیہ حکایت" کے عنوان سے تقریباً ہر حکایت کے بعد متن ہی میں حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہٗ کے حواشی ملاحظہ سے گذرینگے۔ جن میں مختصر الفاظ میں کہیں کسی اشکال کے جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہیں کسی دقیق ادب کی رعایت کی طرف۔ کہیں کسی مسئلہ کی دلیل۔ کہیں کوئی تصوف کا مسئلہ۔ کہیں کسی اجمال کی تفصیل وغیرہ وغیرہ جو افادیت کے لحاظ سے ایک مستقل شان رکھتا ہے اسی لئے اسکو زیر متن حاشیہ کے بجائے ہر حکایت کے بعد لکھا گیا ہے تاکہ سرسری سمجھ کر اسکے استفادہ سے محرومی نہ ہونے پائے۔

(۵) کتاب کے آخر میں مجذوب صاحب کا غیر مطبوعہ منظوم کلام مستقل شائع ہو جانے کی وجہ سے اس مرتبہ شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔

معذرت

کتاب کی ترتیب کے وقت چونکہ صرف رسالہ امیر الروایات، اشرف التنبیہ، روایات الطیب من جملہ بزرگوں کی حکایات تھیں ان میں سے ہر ہر بزرگ کی حکایات کو ایک جگہ جمع کرنا مقصود تھا۔ پھر انھیں بزرگوں کی حکایات کو تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل سے بھی لیکر شامل کر دیا گیا ہے۔ تمام اسلاف دیوبند کی حکایات کا کوئی ذخیرہ میسر نہ تھا اسلئے اس کی ہمت نہیں کی گئی تھی اسلئے بہت حضرات کی حکایات اس میں نہیں آسکیں۔ اگرچہ تمنا یہی ہے کہ کل یا زیادہ سے زیادہ حضرات کی حکایات جمع ہو کر اس کا ضمیمہ بن جائیں والسلام

۹ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین ارواح ثلٰثہ

تمہید رسالہ ارواح ثلثہ

مجموعہ امیر الروایات و روایات الطیب و اشرف التنبیہ وغیرہ

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ وہ زمانہ تھا کہ ہر شخص انتہا درجہ کی جہالت وضلالت کا شکار تھا۔ خواہش پرستی اور ہوا بازی ہر شخص کا شعار تھا۔ وہ اپنی اولاد کو زندہ درگور کردینے کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔ حق اور ناحق کی طرفداری اور عصبیت اُن کا شب وروز کا شیوہ تھا۔ قتل وفساد سے مطلقاً باک نہ کرتے تھے۔ حق پوشی اور ناحق کوشی رات دن کا شغل تھا۔ بداطواریاں اور بداخلاقیاں یہاں تک ترقی کر گئی تھیں کہ ان کو انسان کہنا مشکل تھا۔ باوجود اس جہالت وگمراہی کے اس کیمیاوی اثر کو دیکھئے کہ جس شخص نے ہدایت پاکر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھکر آقائے دو جہان فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ انور کو دیکھ لیا، نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے ہی آپ کی آواز سُن لی، وہ ایسا کندن بنگیا کہ نہ اب ابو حنیفہؒ وشافعیؒ اسکے رتبہ کو پہونچ سکتے ہیں نہ جنیدؒ وشبلیؒ رح نہ کوئی اور ہی بڑے سے بڑا تابعی۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف اگر باشد ندانم چوں کند

پس اُن حضرات کے مراتب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جنہوں نے اپنی عُمر کا بڑا حصہ حضور کی زیر تربیت گذارا ہو اور اپنی نشست وبرخاست، طعام وکلام، سفر وحضر کی ہر حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واتباع کے مدتوں زیر اثر رکھا ہو۔

وہ کیا بات تھی جس نے ادنیٰ درجے کے صحابی کو بڑے سے بڑے تابعی کا سرتاج بنادیا۔

غور کرنے سے اور نصوص کی دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت فیض اثر تھی۔

پس معلوم ہوا کہ صحبت ایسی قوی التاثیر اور سریع الاثر شے ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ کیوں نہ ہو صحبت تو وہ چیز ہے کہ روحانیت سے گذر کر مادیات تک میں اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گلے خوشبوئے درحمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیری	کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرات صوفیہ نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اور مستفیدین و طالبین کی اصلاح کیلئے صحبتِ نیک کو نہایت ضروری قرار دیا ہے اور مختلف عنوان سے اسکی اہمیت کو مؤکد فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا ہے ؎

	صحبتِ نیکاں اگر یک ساعتست	بہتر از صد سالہ زہد و طاعتست
اور ؎	ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا	گو نشیند در حضور اولیا
اور ؎	یک زمانے صحبتے با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
اور ؎	گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی	چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی
اور ؎	صحبتِ صالح ترا صالح کند	صحبتِ طالح ترا طالح کند

اسی بنا پر حضرات صوفیائے کرام کے یہاں صحبت کو طریق کا جزو اعظم قرار دیا گیا ہے اور مشائخ اپنی تصانیف اور ملفوظات و مکتوبات میں اسکی جا بجا تاکید فرماتے رہے ہیں چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

مقام امن و مئے بے غش و رفیق شفیق　　گرت مدام میسر شود زہے توفیق

اکبر الٰہ آبادی ان ہی بزرگوں کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی ناداری اور کم مائگی یا مشاغل کی وجہ سے اسیر قادر نہیں ہو کہ بال بچوں اور روزگار کو چھوڑ کر دور دراز کے سفر کی مشقت اور کرایہ و زاد راہ کے اخراجات کو برداشت کر سکے بلکہ بہت لوگ اپنی بیکسی ناداری یا دُور اُفتادگی یا دوسروں کی ملازمت و تابعداری کی وجہ سے ایسے ناچار و مجبور ہیں کہ گھر اور ملازمت وغیرہ چھوڑ کر تھوڑا وقت بھی بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت کیلئے نہیں نکال سکتے۔ یا وہ مدت نفع تام کیلئے ناکافی ہوتی ہے۔ اسلئے بزرگانِ ملّت نے ایسے لوگوں کیلئے بطور مکافات بزرگوں کی حکایات و ملفوظات اور ایسے حضرات جو صحبتِ نیک سے محروم ہیں اُن کے لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ ہی صحبت نیک کا قائم مقام ہے اور مواعظ کا مطالعہ تجویز فرمایا ہے۔ حضرت عارف شیرازی کا یہ شعر اسی حالت پر محمول ہے ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است　　صراحی مئے ناب و سفینۂ غزل است

چنانچہ زمانہ سلف سے یہ معمول جاری ہے کہ بزرگوں کی حکایات و ملفوظات اور حالات کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب قصص الانبیا، روضۃ الریاحین تذکرۃ الاولیا، حکایات الصالحین، سب اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ہمیشہ حضرات مشائخ طالبین کو اُن کے مطالعہ کی ترغیب و تاکید فرماتے رہے ہیں چونکہ یہ طبعی امر ہے کہ جن بزرگوں سے انسان کو خاندانی انتساب اور محبت ہوتی ہے اُن کی حکایات و حالات سے خاص اُنس اور اُن کے اعمال و اقوال کے اتباع کی جانب خاص کشش ہوتی ہے۔

لیکن ابتک کوئی ایسی کتاب شائع نہ ہوئی تھی جس میں ہمارے قریب زمانہ کے

؎ یعنی کتب دینیہ کا مطالعہ ۱۲

خاندان ولی اللّٰہی[۵] بزرگوں کی حکایات کا ذخیرہ موجود ہو۔ اسلئے ضرورت تھی کہ بزرگانِ قریب کے حالات میں بھی کوئی کتاب مرتب کی جائے۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں حضرت امیر شاہ خانصاحب رح کو جنہوں نے باوجود علم رسمی تحقیق نہ کرنیکے بزرگوں کے فیض صحبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی اُن کے علمی و عملی مرتبہ پر رشک کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے ان کو عمر و ذہن اور حافظہ بھی اسقدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح سے لیکر موجودہ زمانہ کے بزرگوں کے حالات و واقعات کو روایاتِ حدیث کی طرح بسندہ و بلفظہ نقل فرماتے ہیں۔ اور پھر حضرت حکیم الامۃ مرشدی و مولائی جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم کو حق تعالیٰ ہر دو جہان میں مراتب علی عطا فرمائیں کہ آپنے حضرت خاں صاحب رح موصوف سے بزرگوں کی حکایات کو بذریعہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی ضبط کرانیکا اہتمام فرمایا۔ جنکی کوشش اور اہتمام سے یہ تمام حکایات کتابی صورت میں جمع ہوگئیں۔ اور کتاب کا نام راوی کے نام کی مناسبت سے "امیر الروایات" تجویز ہوا۔ اسی سلسلہ میں ہم مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دام فیوضہم کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے بھی حضرت امیر شاہ خاں صاحب سے سُنکر بزرگوں کے حالات کا ایک مجموعہ "روایات الطیب" کے نام سے جمع کرکے شائع کیا۔ ایسے ہی جناب مولوی محمد نبیہ صاحب دام ظلہ "ٹانڈوی دام فیوضہم کی سعی قابلِ صد منت ہے کہ آپنے حضرت حکیم الامۃ تھانوی دام فیوضہم کے ملفوظات سے بزرگانِ سلسلہ "ولی اللّٰہی" کی حکایات کو جمع کرکے بصورت رسالہ "اشرف التنبیہ" کے نام سے

---

۵ خاندان "ولی اللّٰہی" بزرگوں سے وہ حضرات مراد ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح دہلوی اور اُن کے خاندان سے عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں اور جن کے خدام کو آجکل جماعت دیوبند سے تعبیر کیا جاتا ہے ۱۲

شائع کیا۔ پس ان سب حضرات کی سعی اور کوشش سے یہ تین رسالے بزرگان سلسلہ ولی اللہی کے حالات میں جمع ہو گئے۔

(۱) امیر الروایات (۲) روایات الطیب (۳) اشرف التنبیہ۔ چونکہ بزرگوں کے بعض حالات و اقوال محتاج تفصیل ہوتے ہیں لہذا پہلے دو رسالوں کے بعض بعض مقامات پر حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم نے بغرض بیان مراد و تفصیل حواشی بھی تحریر فرمائے جنکو ہر حکایت کے بعد متن ہی میں لکھد یا گیا ہے۔ پہلے رسالہ کے حاشیہ کا نام "شریف الدرایات" اور دوسرے رسالہ کے حاشیہ کا نام "سقایات الصیب" رکھا گیا۔

طبع ثانی کے وقت مولانا محمد نبیہ صاحب موصوف اور مولوی جلیل احمد صاحب علیگڈھی دامت الطافہما نے رسالہ اشرف التنبیہ کے آخر میں دو اضافے بھی فرمائے اور اس مرتبہ احقر نے بھی بعض بعض بزرگوں کی حکایات کا معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے اضافہ کیا۔ اور پھر چونکہ یہ "مجموعۂ حکایات" علاوہ اضافات موصوفہ کے تین رسالوں میں منتشر تھا۔ اور ہر رسالہ میں بھی ہر ایک بزرگ کی حکایات منتشر طور پر تھیں۔ اسلئے ناظرین کیلئے باعث انتشار تھیں۔

لہذا احقر نے چاہا کہ تینوں رسالوں اور اضافات سے ہر ہر بزرگ کی حکایات کو انتخاب کر کے جدا جدا جمع کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو ہر ہر بزرگ کے حالات یکجائی طور پر مل سکیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ رسالہ اسی صورت سے تیار ہو کر ہدیہ ناظرین ہے اور حسب تجویز حضرت حکیم الامت مد فیوضہم اس رسالہ کو "ارواح ثلثہ" سے ملقب کیا جاتا ہے اور ناظرین کی

عہ چونکہ اس کتاب کے ماخذ مختلف ہو گئے اسلئے بعض حکایات میں تکرار بھی ہو گیا لیکن چونکہ یہ تکرار قند مکرر کا لطف رکھتا ہے لہذا بعینہ باقی رکھا گیا اور دو مکرر حکایتوں میں اجمال و تفصیل یا تغیر عنوان کا فرق ہونا معنون واحد ہونے کی وجہ سے مضر نہیں ہے اور اگر کہیں معنون میں بھی فرق محسوس ہو تو چونکہ ماخذ کا حوالہ ہر جگہ موجود ہے لہذا جس کا ماخذ ناظرین کے نزدیک اوثق ہو اسکو ترجیح دے سکتے ہیں ۱۲ ظہور الحسن کسولوی عفرلہ۔

آسانی کیلئے ہر جگہ رسالہ موصوف میں ماخذ کا حوالہ بھی لکھدیا گیا۔ تاکہ ضرورت کے وقت حوالہ دیکھنے میں آسانی ہو۔ حق تعالیٰ اسکو ناظرین اور احقر کیلئے سبب خیر بنائیں اور ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفیض اور اُن کے اقوال و اعمال و احوال کا متبع اور اپنی محبت کی چاشنی سے ہم سب کو بہرہ اندوز فرمائیں۔

احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اخیر میں ضیافت طبع کے واسطے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب دام فیوضہم ٭ اور دوسرے اہلِ دل حضرات کے کلام سے شوق انگیز اشعار کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ تاکہ ناظرین کے لئے مزید لطف کا باعث ہو۔

پس اول مزید بصیرت کیلئے تینوں رسالوں کی سابق تمہیدات کو بترتیب سابق نقل کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد روایات و حکایات شروع ہونگی اور آخر میں اہلِ دل کے اشعار ہونگے۔ فقط والسلام۔ ادنیٰ غلام آستانہ اشرفی، احقر ظہور الحسن غفرلہ ذنبہ الجلی والخفی۔

تمہید شریف الدرایات یعنی حواشی امیر الروایات فی جیب الحکایات

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر بخدمت شایقین و محبین تذکرہ بزرگان سلسلہ ولی اللہیہ عرض رسا ہے کہ اپنی سب جماعت کو معلوم ہے کہ جناب امیر شاہ خاں صاحب متوطن خورجہ مقیم منڈیہو ضلع علیگڈھ مرحوم و مغفور کو خدا تعالیٰ نے اس موضوع کے متعلق چند نعمتوں کا جامع بنایا تھا۔

(۱) اپنے سلسلہ کے متعدد اکابر کی خدمت و صحبت (۲) ان سب حضرات کی نظر میں مقبولیت و محبوبیت (۳) اُن حضرات کے اقوال و افعال سے استفادہ کا اہتمام (۴) اُن فوائد کی تبلیغ کا شوق و رغبت (۵) قوتِ حافظہ و احتیاط فی الروایۃ والتزام سند۔

چنانچہ اُن مرحوم و مغفور کا کوئی جلسہ اس تذکرہ سے کم خالی ہوتا ہوگا احقر کو ان روایات کا نافع

٭ لیکن اب چونکہ خواجہ صاحب مرحوم کا کلام مستقل بنام کشکول مجذوب شائع ہو چکا ہے اسلئے اب اسکی ضرورت نہیں رہی ۱۲

ہوتا دیکھکر بار بار قلب میں تقاضا ہوا کہ اگر یہ جمع ہو جاویں تو اہلِ دین کو عموماً اور اپنے سلسلہ والوں کو خصوصاً بہت نفع ہو مگر اس کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ اتفاق سے میرے خاص مخلص دوست مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو مدرسہ میندھو کی مدرسی کے ذریعہ سے خانصاحب مرحوم کے ساتھ یکجائی کا موقع ملا اس موقع کو احقر نے غنیمت سمجھکر مولینا موصوف سے اسکے جمع کی درخواست کی اور خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اسکو منظور کیا۔ گو بوجہ زیادہ وقت نہ مل سکنے کے زیادہ ذخیرہ جمع نہیں ہو سکا۔ مگر جتنا بھی ہو سکا بقول حضرت رومی رح ؎

آب جیحوں را اگر نتواں کشید ہم ز قدرِ تشنگی نتواں برید

اُسی کو مغتنم سمجھا گیا۔ پھر خانصاحب مرحوم کی وفات ہو جانے سے اور اسکے اضافہ کی اُمید قطع ہو جانے سے اس رسالہ کو ختم سمجھکر یہ جی چاہا کہ اگر اسکی اشاعت کی کوئی صورت ہو جاوے تو اسکے ضروری مقامات پر کچھ حواشی لکھ دئے جاویں۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اب اس کا وقت بھی آ گیا سو وہ رسالہ مع حواشی حاضر ہے۔ میں نے رسالہ کا نام برعایت اسماء راوی و مروی عنہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات اور حواشی کا نام برعایت اپنے نام کے مادہ کے اور اُن دونوں ناموں کے وزن کے شریف الدرایات رکھدیا۔ اللہ تعالیٰ اسکو نافع فرمائے۔ والسلام۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ وسط ۱۳۲۳ھ

تمہید رسالہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات بصورتِ خط از مولوی حبیب احمد صاحب مؤلف رسالہ بنام احقر اشرف علی

مجدّد الملّت والدّین فاضت انہار فیوضہم۔ جناب خانصاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سامی کا خیال تھا کہ جناب خانصاحب کو جو اپنے بزرگوں کے واقعات و ملفوظات وغیرہ

یاد ہیں وہ اگر جمع ہو جائیں تو اچھا ہے۔ بنا بریں احقر نے ارادہ کیا ہے کہ جو جو باتیں جناب قبلہ خاں صاحب سے سُنوں ان کو متفرق طور پر قلم بند کر کے خدمتِ سامی میں ارسال کرتا رہوں مجتمع ہو جانے کے بعد پھر ترتیب مناسب سے ان کو مرتب کر لیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

حاشیہ مسمیٰ بہ شریف الدرایات۔ (نوٹ) سہولت کیلئے یہ صورت اختیار کیگئی کہ بدون اسکے کہ ترتیب میں کوئی تصرف کیا جاوے ہر حکایت کے بعد اسکے نمبر کا حوالہ دیکر حاشیہ ضمن ہی میں لکھا جاویگا اور اسکے شروع میں لفظ حاشیہ (جس سے مراد یہی حاشیہ شریف الدرایات ہوگا) اور اسکے ختم پر لفظ شت جو رمز ہے حاشیہ کے نام کا لکھا جاویگا۔ وباللہ التوفیق۔

روایاتُ الطیب مع سقایات الصیب الملقب بہ الکلم الطیب مع سجم الصیب[ع]

تمہید حاشیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ رسالہ اشرف التنبیہ کی (جس میں اپنے اکابر قریب کے حالات مذکور ہیں) اشاعت کے زمانہ میں اسکے متعلق میری ایک مجلس میں کچھ ضروری مشورہ ہو رہا تھا جس میں مولوی محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند اور مولوی محمد نبیہ صاحب تاجر ٹانڈہ بھی موجود تھے۔ سلسلہ گفتگو میں حاجی صاحب اوّل الذکر کے کلام سے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات کچھ ان کے پاس بھی جمع ہیں۔ اس پر میں نے اور مولوی صاحب آخر الذکر نے خصوصاً اور دیگر شرکا مجلس نے عموماً اُن کے بھیجدینے کی ان سے درخواست کی۔ چنانچہ وہ درخواست منظوری اور عمل دونوں کے ساتھ مقرون ہوئی چونکہ وہ مجموعہ اپنے طرز میں امیر الروایات کے مشابہ تھا جی چاہا کہ اسی کے طرز پر اس کا ضروری تحشیہ بھی اور اسی کے طرز پر متن اور حاشیہ کا تسمیہ بھی ہو اور ویسی

ع جب متن روایات کا مسودہ آیا اسپر یہ عنوان لکھا تھا اور جب اسکی تمہید آئی اسپر الکلم الطیب لکھا تھا میں نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی ۱۲ منہ ع فی القاموس سجم الماء البین ۱۲ منہ

ہی ترتیب ہو اور حاشیہ کا ویسا ہی رمز ہو۔ چنانچہ متن کا نام روایات الطیب تجویز ہوا۔ (اور یہ وہی عنوان ہے) جو ماتن نے لوح پر فارسی ترکیب میں لکھا تھا۔ مضاف الیہ پر الف لام داخل کر کے عربی ترکیب بنادی گئی۔ اور حاشیہ کا نام سقایات الطیب تجویز ہوا اول روایت مع عدد لکھی جاویگی۔ پھر لفظ حاشیہ بڑھا کر اس روایت کا حاشیہ مع عدد روایت متن ہی میں اور اسکے ختم پر خلط سے بچنے کے لئے اسکا رمز لفظ سب لکھا جاویگا۔ فقط

اشرف علی - ۱۲ - ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ہجری

تمہید متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد احقر العباد ننگ خلائق محمد طیب دیوبندی عرض رسا ہے کہ تقریباً ۱۳۴۲ھ میں جناب حاجی امیر شاہ خانصاحب خورجوی نے (جو احقر کے جدامجد حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ کے خاص لوگوں میں تھے) احقر سے فرمایا کہ مجھے فضلائے خاندان ولی اللہی کے بہت سے واقعات ایسے محفوظ ہیں کہ غالباً دوسروں سے نہ مل سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اُن کو قلمبند کرلے ورنہ یہ ذخیرہ صاف میرے ساتھ قبر میں چلا جائیگا۔ احقر نے لبیک کہکر ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مگر کچھ ہی واقعات تحریر میں جمع کئے گئے تھے۔ کہ اچانک خانصاحب کو دیوبند سے واپس ہونا پڑگیا۔ اور یہ غالباً اُن کا آخری سفر تھا اسلئے باقیماندہ واقعات رہ گئے۔ مگر جتنے بھی واقعات انھوں نے بیان فرمائے اُن سے ایک خاص ذوق اس نوع کے حالات کے ساتھ علاوہ خاندانی مناسبت کے پیدا ہوگیا تھا۔ اور جب کبھی حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند مثل حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ و حضرت والد ماجد مولینا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں ان مقدسین ولی اللّٰہی کا ذکر چھڑتا تھا تو میں اسی مذکورہ ذوق کیساتھ

اس کو قلمبند کرلیتا تھا۔ اور اس طرح تقریباً سوا سو حکایتوں کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا جس سے
ان اکابر کی مختلف شئونِ حیات پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ ذخیرہ رکھا ہوا تھا اور کبھی کبھی ادھر دھیان جاتا تھا کہ اس ذخیرہ کو شائع کرکے اسکا افادہ
عام کیا جائے کہ اس قریبی مدت میں اسی موضوع پر امیر الروایات فی حبیب الحکایات شائع
ہوئی۔ اور اسمیں خاں صاحب مرحوم کی وہ روایات فرمودہ واقعات جو احقر نے لکھے تھے بنقل
جناب مولینا حبیب احمد صاحب کیرانوی دام مجدہٗ اکثر آگئے تھے اسلئے اشاعت کا خیال سُست
پڑ گیا لیکن اسکے بعد اسی موضوع میں رسالہ اشرف التنبیہ شائع ہوا جسمیں حضرت قبلہ سیّدی و
سندی حکیم الامۃ مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی روایت سے ان اکابر کے
کچھ اور حالات و ملفوظات شائع ہوئے۔ اسکو دیکھکر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ جو کچھ غیر مطبوع
ذخیرہ میرے پاس ہو اسکو اسی سلسلہ میں شائع کرادینا مناسب ہے تاکہ اس کا وجود ہوجائے
احقر نے یہ خیال حضرت ممدوح مدظلہ کے سامنے عرض کیا جسکو حضرت نے بہت خوشی سے قبول
فرمایا۔ وللہ الحمد۔ پس ذیل کا مجموعہ جو ۷۹ حکایات پر مشتمل ہے وہی مجموعہ ہے جو امیر الروایات
و اشرف التنبیہ کے علاوہ ہے جس کا کچھ حصہ احقر کو خانصاحب مرحوم سے پہنچا اور کچھ والد ماجد
حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور کچھ حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب رح
سے اور کچھ حضرت مرشدی و مولائی حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
ہر حکایت کے شروع پر مروی عنہ کا اسم گرامی درج کردیا ہے۔ اب اگر اسکے بعد کوئی ملفوظ
یا واقعہ یاد آیا تو اُمید ہے کہ اسی سلسلہ کے کسی جزو میں پھر پیش کرسکوں۔ حق تعالیٰ اس ذخیرہ
کو میرے لئے اور تمام اخوان کیلئے دُنیا اور آخرت میں نافع فرمائے اور اسے قبول فرمائے آمین

محمد طیب غفرلہ (از دار العلوم دیوبند)
۲۵۔ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ چہار شنبہ

تمہید ملفوظات یعنی حصہ اوّل جدید[1] ملفوظات ملقب بہ اشرف التنبیہ فی کمالات بعض ورثۃ الشفیع النبیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ عجالہ ہذا کی وجہ تالیف میں عرض ہے کہ رسالہ امیر الروایات کے زمانہ اشاعت میں (جو اپنے اکابر قریبہ کے مقامات ومقالات میں مدوّن کیگئی ہی) بعض[2] احباب نے تحریک کی کہ ان حضرات کی اس قسم کی اور حکایات بھی جو یاد آجاویں اگر منضبط ہوجاویں تو موجب نفع ہیں مگر اسوقت تک اس تحریک پر عمل نہ ہوسکا جس کا زیادہ سبب یہ تھا کہ مجھ کو تحریر کا وقت نہ ملتا تھا اور تقریر کو کوئی ضبط کرنیوالا میسر نہ ہوا۔ مگر خیال اسکا برابر رہا چنانچہ میرے رسالہ تحسین دار العلوم کے (جو کہ القاسم محرم ۱۳۴۷ھ میں چھپا ہے) ایک حاشیہ میں اس خیال کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے بقولی اشارۃ الی احتمال ضبط ما یتفق احیانا من سرد بعض من حکایات ھولاء الاکابر فی غیرھم الخ اتفاق سے اس زمانہ میں کہ ۱۳۴۸ھ کا آغاز ہے بعض[3] احباب نے اسکی پھر تحریک کی اور خوش قسمتی سے بعض[4] احباب اس کیلئے بھی آمادہ ہوگئے وہ لکھ کر مجھ کو دکھلا دیتے تھے اور میں اس میں مناسب ترمیم کردیتا تھا جس سے وہ صورت حاصل ہوئی جو آپکے سامنے ہی گویا اسکو امیر الروایات کا تتمہ کہنا چاہئے۔ اتنا فرق ہی کہ اس میں متون کے ساتھ اکثر اسانید بھی ہیں اور مجھ کو رجال یاد نہیں رہے لیکن کسی حکم شرعی کا مدار نہ ہونے کے سبب یہ مضر بھی نہیں۔ فالان اقول وبہ اصول واجول۔

کتبہ اشرف علی

---

[1] یہی اس کا لقب ہے اسکی پوری حالت اسکے خطبہ سے معلوم ہوگی ۱۲ [2] المراد بہ المولوی محمد زکریا الکاندھلوی سلمہ ۱۲ [3] المراد بہ المولوی محمد شفیع الدیوبندی سلمہ ۱۲ [4] المراد بہ المولوی محمد نبیہ التاندوی سلمہ ۱۲

(١) سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت (١) خان صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ مولانا فخر الدین صاحبؒ مرزا مظہر جان جاناں صاحبؒ کی دعوت کی تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا۔ دوپہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکہ تینوں کے ہاتھ پر رکھدیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا۔ اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا۔ اسوقت ناوقت ہوگیا ہے۔ کھانے کا انتظام نہیں ہوسکتا اسلئے کھانے کے دام دیئے گئے۔ مولانا فخر الدین صاحبؒ نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے۔ کیونکہ اگر ہم صبح سے اسوقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکہ کے مستحق ہوتے اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکہ دیدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خاموشی کے ساتھ لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ مگر مرزا صاحب ناخوش ہوئے اور یہ کہا کہ تونے ان حضرات کا وقت ضائع کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب اسوقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اپنی نسبت کچھ نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا مگر تونے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روک دیا خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اسکے بعد تینوں حضرات اٹھکر چلے آئے۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحبؒ نے فرمایا کہ یہ قصہ مجھ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی بیان فرمایا اور مولانا نانوتویؒ نے بھی اور مولانا گنگوہیؒ نے بھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو اس قصہ کو بیان فرما کر یہ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحبؒ کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے حسثیت ٹپکتی ہے۔ اور مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ ان کے نفس نے اصلا حرکت نہ کی۔ اور حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحبؒ کی بات بہت بڑھی ہوئی ہے عدل کا اقتضا یہی ہے کہ جو کچھ مرزا صاحبؒ نے فرمایا۔

ف۔ اس سے اپنے حضرات کا اختلاف مذاق اور اس سے اختلاف آراء صاف ظاہر ہے۔

حاشیہ حکایت (۱) قولہ حضرت گنگوہی الخ اقول۔ احقر کا میلان حضرت گنگوہیؒ کی رائے کی طرف ہے (ش ت)

حکایت (۲) خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی سراج احمد خورجوی اور مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری سے سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں شیخین کی فضیلت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا اور تقریر استدلال اسطرح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے صحابہ پر اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں کو ملا دیا اور تم اسکی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ میں آپس میں عداوت نہ تھی اور وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ برکت تھی آپ کے وجود اور آپکی تعلیم کی۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ صحابہ میں یہ صفتِ اخوت پورے طور پر کس وقت تک رہی سو پورے طور پر یہ صفت دو خلافتوں تک رہی اور اگر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ برس بھی شمار کئے جائیں تو کئے جاسکتے ہیں۔ اور اسکے بعد صحابہ میں آپس میں مخالفتیں اور جھگڑے قصے پیدا ہوگئے سو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اول کی ڈھائی خلافتیں اخیر کی ڈیڑھ خلافت سے افضل ہیں اور اس زمانہ کے خلیفوں کی برکت اور تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور تعلیم کا بہ نسبت اخیر کے خلیفوں کی برکت و تعلیم کے زیادہ حصہ لئے ہوئے تھی اور اس سے پہلے خلیفوں کی افضلیت بعد کے خلیفوں پر ظاہر ہے اور ثابت ہو کہ پہلے دو خلیفوں کی تعلیم اخیر کے دو خلیفوں سے زیادہ علی منہاج النبوۃ تھی۔

حاشیہ حکایت (۲) قولہ فی آخر القصۃ اخیر کے دو خلیفوں سے زیادہ۔ اقول۔ یہ تفاوت

ناقص کامل کا نہیں کامل اکمل کا ہے۔ (شت)

حکایت (۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے شاہزادہ جنات کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اسکے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ پیش ہونا اور قاضی کا حدیث من قتل فی غیر زیہ فدمہ هدر کی بنا پر مجرم کو رہا کرنا یہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انھوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سُنی ہیں جنکو شاہ صاحب نے جمع کرکے اسکا نام مسند جن رکھا ہے اور مولانا عبدالقیوم صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند دیکھا بھی ہے۔

اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو بروایت شاہ عبدالغنی صاحب شاہ اہل اللہ صاحب کیطرف منسوب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے۔ واللہ اعلم

حاشیہ حکایت (۳۳) قولہ مولانا اپنی رائے پر قائم رہے۔ اقول مولانا کا قول اسلئے راجح ہے کہ اسکی سند معلوم ہے۔ چنانچہ احقر کے رسالہ زیادات میں مذکور ہے اور دوسرے قول کی سند معلوم نہیں پس ترجیح ظاہر ہے۔ (شت) (منقول از میرالروایات)

حکایت (۳۴) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے تو اُنکے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور ادراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اسکے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے، اسکا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار وتسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں جب انھوں نے دعا مانگی تو اُن کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے وہ ڈر گئیں۔ اور گھبرا کر شاہ صاحب سے

فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے پس اسی لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے۔ اور مشہور ولی اللہ ہوا۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۵) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد تھا۔ اسیوقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسی تیری اولاد ویسی ہی میری) پھر آپ کو اطمینان ہو گیا۔ مولٰینا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اضافہ مولوی محمد نبیہ صاحب در اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۶) ایکبار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بمقتضائے بشریت بچونکی صغر سنی کا تردد تھا اسیوقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ۔ تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔ آپکو اطمینان ہو گیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پہنچے جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اب اُن کی اولاد میں بجز عبد السلام غیر تعلیمیافتہ اور کوئی بھی نہیں۔

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۲) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سُنا حضرت دیوان اللہ سے سُنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے اور اُن کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اس کے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو اُن بزرگ کے لاتیں مارتے اور بُرا بھلا کہتے اور اُن کے نیچے سے مصلی نکالکر پھینک کر لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اُٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھکر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے۔ مگر دریافت کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اُسوقت ان کے ساتھ یونہی ہا تھا پائی ہُوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے۔ ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے۔ مگر صرف ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایکروز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اسکی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ میں نے جو اسکی طرف توجہ کی تو میں اسکے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اسکو اپنے سے

بہت اونچا دیکھا۔ اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا۔ اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑ دی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپکی جگہ۔ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمھیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اسکو میں نے نہ مانا۔ اسپر انھوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور میں کورا رہ گیا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو۔ اسپر اُس نے کہا کہ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو ابتک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ؎

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے مُنہ سے کیا بھلی قربان تیرے پھر مجھے کہدے اسی طرح

(یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا) میں نے ناچار اسکو منظور کیا اور اس مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۶) قولہ ہمارے چاہنے والوں میں تھے۔ **اقول** انکی محبت نفسانی نہ تھی ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہو جاتے۔ قولہ کیفیت سلب کر لی۔ **اقول**۔ اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سُنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قوی ادراکیہ وعملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اُس میں غباوت پیدا ہو جاتی ہے باقی کمالِ قرب کو کوئی زائل نہیں کر سکتا۔ اھ۔ احقر کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں۔ گو لذت کی کمی سے قلق ہوتا ہے البتہ بواسطہ اسلئے گاہے مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تقلیل فی الاعمال کی طرف اسی لئے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیاتِ نفسانیہ کا غلبہ مخل ہو ضروریات واجبہ

دنیویہ یا دینیہ میں وہاں یہ تصرف طاعت ہے اور جہاں محض مصلحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے
جیسا اس قصہ میں ہوا۔ (شت)

حکایت (۸) خان صاحب نے فرمایا کہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ شاہی خاندان سے
تھے اور عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے ان کے والد کا نام مرزا جانی تھا اور مرزا صاحب کا نام
جانِ جاناں عالمگیر نے رکھا تھا۔ انکی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ دہلی میں نجف خاں رافضی کا
تسلط تھا اور رافضی اسوقت زور شور پہ تھے۔ اتفاق سے دو رافضی مرزا صاحب کیخدمت میں
آئے اور کہا کہ آپ شیخین کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا میرا کیا مُنہ ہے کہ میں انکی
نسبت کچھ کہہ سکوں انکی نسبت تو خدا فرماتا ہے والسابقون الاولون الخ۔ اسپر انہوں نے
کہا کہ وہ نزولِ آیت کے وقت بیشک ایسے ہی تھے اسلئے خدا نے ایسا فرمادیا اور بعد کو
انکی حالت بدل گئی اور اس معاملہ میں خدا کو بدا ہوا ہے۔ اسپر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایسے
احمق خدا کو میں نہیں مانتا جسکو یہ بھی خبر نہ ہو کہ شیخین نعوذ باللہ مرتد ہو جاوینگے اور وہ
ان کو خوشنودی کا بھی پروانہ دیدے اور ان سے جنت کا بھی وعدہ کرلے ایسا خدا رافضیوں کا
خدا ہے۔ اسپر انھوں نے بندوق ماردی جو مرزا صاحب کے سینہ میں لگی۔ بندوق
ایسے انداز سے لگی کہ مرزا صاحب کا فوراً انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ سخت زخمی ہوگئے۔ شاہ عالم
کو جب علم ہوا تو عیادت کیلئے آئے اور پوچھا کہ مرزا صاحب کیسا مزاج ہے۔ آپنے فرمایا کہ بندوق
لگی ہے سو اسکی تو چنداں تکلیف نہیں کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا۔ ہاں بندوق چونکہ
قریب سے لگی ہے اسلئے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اسکی بو سے دماغ سخت پریشان ہے
یعقوب خاں خورجوی اور ابوبکر خورجوی بیان فرماتے تھے کہ مرزا صاحب نے اس حادثہ سے
چار پانچ ہی روز پہلے یہ غزل لکھی تھی ؎

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے | کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

اور یہ شعر آپکی تربت پر علیحدہ کندہ بھی ہے۔

حاشیہ حکایت (۸) قولہ۔ احمق الخ اقول یہ بطور الزام کے فرمایا کہ تمہارے قول پر اس صورت کا قائل ہونا لازم آتا ہے۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۹) ایکروز ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی اور حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے چاہا۔ کہ تینوں حضرات اتفاق سے ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہیئے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے؟ یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل کو آپکی میرے یہاں دعوت ہے قبول فرماویں اور نو بجے دن کے غریب خانہ پر خود تشریف لاویں میرے بُلانے کے منتظر نہ رہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا۔ اسکے بعد وہ شخص مولانا فخر الدین صاحبؒ کیخدمت میں پہنچا اور عرض کیا۔ کہ ساڑھے نو بجے میرے بُلائے بغیر مکان پر تشریف لاویں اور ماحضر تناول فرماویں۔ یہاں سے اُٹھکر یہ شخص مولانا مرزا جانِ جاناں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب حاضرِ خدمت نہ ہوسکوں گا پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لے آویں۔ تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقتِ مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گئے۔ اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اس شخص نے ان کو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا۔ ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے ان کو دوسرے مکان میں بٹھایا۔ پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے اُن کو تیسرے مکان میں بٹھایا۔ غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے کہ ایک کو دوسرے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی۔ جب تینوں حضرات بیٹھ لئے تو یہ شخص پانی لیکر

آیا ہاتھ دُھلائے اور یہ کہکر چلا گیا کہ ابھی کھانا لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور اس شخص نے خبر نہ لی۔ آکر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے۔ جب ظہر کا وقت آگیا اور اُس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اول شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہوگئی تھی اسلئے کھانے کا انتظام نہ ہوسکا دو پیسہ نذر کئے اور کہا ان کو قبول فرمائیے۔ شاہ صاحب نے خوشی سے دو پیسے لے لئے اور فرمایا کیا مضائقہ ہے بھائی گھروں میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یہ فرما کر چلدیئے۔ پھر یہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کئے۔ مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آجاتے ہیں اور کھڑے ہوکر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کے ساتھ رومال پھیلا دیا دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھکر روانہ ہوئے۔ دونوں کو رخصت کرکے یہ شخص حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کرکے دو پیسے نذر کئے۔ مرزا صاحب نے پیسے تو اُٹھا کر جیب میں ڈال لئے اور پیشانی پر بل ڈالکر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیو" یہ فرما کر تشریف لیگئے۔ اس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا انھوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فن درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انھوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کے ساتھ تعظیم سے کھڑے ہوکر قبول فرمائی اور ان سے کم درجہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے کہ کھڑے تو نہیں ہوئے مگر بخوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب ہیں کہ نذر کی قبولیت کے ساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا۔ یہ قصہ نقل فرما کر حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اُس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود اسقدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر و تحمل فرمایا۔ اور

"کچھ مضائقہ نہیں" جواب عطا فرمایا۔

حکایت (۱۰) مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطافتِ طبع اور نفاست و نازک مزاجی کے بہتیرے قصے حضرت[1] ارشاد فرمایا کرتے تھے ایک دن فرمانے لگے کہ مرزا صاحب کی ایک شخص نے دعوت کی اور چونکہ وہ آپکی نازک مزاجی سے واقف تھا اسلئے گھر کو خوب صاف کیا، جھاڑو دی، کلی کرائی۔ جب سب طرح اس کو ستھرا اور خوبصورت بنا لیا تو مرزا صاحب کو بلایا مرزا صاحب تشریف لائے اور ایک طرف بیٹھ گئے جب کھانا سامنے آیا اور مرزا صاحب نے نظر اٹھائی تو سر ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا "میاں وہ روڑا زمین سے کیسا اٹھا ہوا ہے جب تک یہ صاف نہ ہوگا مجھ سے کھانا نہ کھایا جائے گا" چنانچہ اسی وقت روڑا نکال کر زمین کو ہموار کیا۔ جب مرزا صاحب نے نوالہ توڑا۔

حکایت (۱۱) بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھ کر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح و التجا کے بعد اجازتِ حضوری ملنے پر زیارت کیلئے حاضر ہوا موسم تھا گرمی کا بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا۔ حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لیکر پانی پیو۔ بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھدیا۔ مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا جناب آپ بادشاہت کیا کرتے ہونگے ابھی تک خدمتگاری تو آئی ہی نہیں دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے۔ اسکے بعد مرزا صاحب نے ترشی کے ساتھ فرمایا آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو۔

حکایت (۱۲) ایک رات مرزا صاحب کو سردی کی وجہ سے نیند کم آئی ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کرنے لگی اجازت ہو تو رزائی بنادوں۔ ؟

---

[1] یعنی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔ بعد نماز عشا دبڑھیا رزائی لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ کہ حضرت رزائی حاضر ہے آپ اسوقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے۔ فرمایا مائی میں تو اب لیٹ رہا اٹھنا مشکل ہو تو ہی آکر میرے اوپر ڈالدے۔ بڑھیا نے رزائی حضرت کو اُڑھادی اور چلی گئی۔ صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے اپنے خادم سے فرمایا غلام علی مجھے تو تمام رات نیند نہیں آئی دیکھو تو سہی رزائی میں کوئی جوں تو نہیں ہے؟ شاہ غلام علیصاحب نے خوب غور سے دیکھا نئی رزائی تھی جوں کا کہاں پتہ۔ ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے جب پرکار سے خط کھینچکر درست کیے گئے تو مرزا صاحب کو آرام ملا۔

حکایت (۱۴۳) ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ غلام علی حضرت مرزا صاحب کے خاص خادم تھے جب پنکھا کرنے کھڑے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا سہج سہج پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے میاں تمھارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے؟ اور جب ذرا تیز جھلتے تو فرماتے تو تو مجھ کو اُڑادیگا۔ آخر ایکروز شاہ غلام علیصاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت یوں بن پڑے نہ ووں بن پڑے۔ حضرت مرزا صاحب کو غصہ آگیا اور جھڑک کر فرمایا "ہمارا پنکھا چھوڑ دو" پھر شاہ غلام علی صاحب روئے اور خطا معاف کراکر پنکھا جھلنے کی درخواست کی۔ حضرت نے اجازت دیدی۔

حکایت (۱۴۴) ایکبار قاضی صاحب بلباس فاخرہ حاضر ہوئے ایک شیخزادہ ہمراہ تھے شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ شیخ جی نے پانی پیکر گلاس ڈھکدیا مرزا صاحب نے سر پکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کرکے رکھا۔ اتفاق سے شیخ صاحب کا پاجامہ ایک طرف ڈھلا ہوا اور نیفہ کی چڑیا اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی جو نظر پڑی تو پریشان ہوگئے اور قاضی صاحب سے فرمایا آپکی ان شیخ صاحب کے ساتھ کیونکر نبھتی ہوگی۔

جنھیں پاجامہ پہننے کا بھی سلیقہ نہیں دونوں مُہرین ایک ہی پائینچہ میں ڈال لئے۔
حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانے کا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن مرزا صاحب جو حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "غلام علی تجھ کو ابتک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے جلدی اُٹھا۔

حکایت (۱۵) ایک مرتبہ کسی اور شخص نے بہت اہتمام سے لوز تیار کرکے نذر گزرانے آپنے رکھ لئے کچھ جواب نہ دیا دوسرے دن اُس شخص نے دریافت کیا حضرت لوز پسند بھی آئے آپ خاموش ہوگئے پھر پوچھا پھر کچھ نہ فرمایا تیسری مرتبہ اُس شخص نے پھر یہی سوال کیا اُسوقت مرزا صاحب سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا لوز تھے یا جوتے کا تلہ ہاتھ کی تین یا چار انگلیاں اُٹھا کر فرمایا اتنے اتنے بڑے بھی لوز کہیں ہوتے ہونگے ایسے انوکھے لوز تو آپ تیار کرکے للئے اُسپر طرّہ یہ کہ داد بھی چاہتے ہیں میاں لوز بادام کو کہتے ہیں بادام ہی کی برابر ہونا چاہئے کہ آدمی کھانے کے بعد ایک دو مُنہ میں ڈال لے۔

حکایت (۱۶) پھر ایک مرتبہ کوئی شخص لوز تیار کرکے للئے تو آپ کو پسند آئے اگلی دن شاہ غلام علی صاحب کو بُلا کر چند لوز عطا فرمائے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ مرزا صاحب نے غایت کلفت کے ساتھ ہائے کی اور فرمایا "میاں کاغذ لاؤ اور انہیں لو" شاہ صاحب جلدی سے کاغذ لائے مرزا صاحب نے اسمیں لوز رکھدیئے انھوں نے کاغذ کی پوڑیہ باندھ لی پھر دوبارہ مرزا صاحب منقبض ہوئے اور سر ہاتھ سے تھام کر فرمایا غلام علی تو مجھے مار کر چھوڑیگا بندش کا بھی سلیقہ نہیں یہ لوز اس طرح بندھتے ہونگے؟ اسکے بعد خود لیکر سلیقہ کے ساتھ ان کو لپیٹا اور ہر چہار گوشہ صاف سُتھرے سیدھے سیدھے موڑ کر اُن کے حوالہ کئے اگلے دن دریافت فرمایا کہو غلام علی لوز کھائے انھوں نے کہا۔

جی حضرت کھائے بڑے مزے کے تھے۔ آپ نے فرمایا کتنے کھائے؟ شاہ صاحب بولے حضرت سب کھالئے۔ اتنا سنکر مرزا صاحب بے کیف ہوگئے اور تعجب سے فرمایا ایں سب کھالئے آدمی ہو یا ڈنگر؟

حکایت (۱۷) حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست ونزاکت طبع میں تھا۔ ایک عورت تھی نہایت بدمزاج کج خُلق مُنہ پھٹ۔ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اسکی بدزبانی وایذادہی پر صبر کروگے تو تم کو نوازا جائے گا۔ حضرت نے فوراً پیام بھیجدیا اور اُس سے نکاح کرلیا۔ وہ عورت اس درجہ تند خو بدخصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الاماں۔ حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لیجاتے اور وہ سخت سخت سُنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سُنتے رہتے زبان سے اُف نہ نکالتے اندر گھُلتے۔ آخر واپس تشریف لے آتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہوکر میرا اسلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے۔ بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا سلام پہنچا کر مزاج پُرسی کرتا۔ وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سُناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی تھی کہ سُننے والے شرما جاتے تھے۔ مگر مرزا صاحب کی خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گُستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرمادیں سُن لینا۔ ایک روز کوئی ولایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا ہرچند اسکو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بیچارہ ضبط نہ کرسکا۔ جب دروازہ پر پہنچکر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پُرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا۔ پیر بنا بیٹھا ہے آسے یوں کروں اور ووں کروں۔ ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک۔ پیر کو گالیاں نہ سُن سکا۔ اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اُڑادوں گا۔ اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہوگئی۔ اب لگی ہونے تو تو میں میں۔ غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی

تو گھبرا اُٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بُلا بھیجا اسکو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سُنکر واپس آگیا۔ حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اِس عورت کا نہایت مشکور و احسانمند ہوں اِس کے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدائد اور سختیوں کی برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپکا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا۔

حکایت (۱۸) مرزا صاحب کی نزاکتِ طبع کا یہ حال تھا کہ ایک شخص زیادہ کھانیوالا تھا اسکو لوگ اکّول کہتے تھے۔ مرزا صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوتا تو اسکی صورت دیکھ کر زیادہ کھانے کے تصور سے سر میں درد ہو جاتا اور کتنی کتنی دیر تک سر تھامے بیٹھے رہتے۔ فرش کے نیچے کوئی سنگریزہ ہوتا اور بچھونا اُبھرا رہتا اس پر اگر نظر پڑ جاتی تو بے چین اور متاذی ہو جاتے تھے

حکایت (۱۹) ایک شخص نے مرزا صاحب کے کھانے کو لوز تیار کر کے بھیجے اس بیچارے نے اپنی دانست میں اچھے ہی بھیجے تھے۔ مگر مرزا صاحب نے دیکھا تو فرمایا کیسے لوز ہیں جیسے گھوڑے کے نعل ہوں۔ اسکے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ مرزا صاحب کسی کی خدمت اور کسی کا تحفہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس سے طالبین کی اصلاح منظور تھی یہی سبب ہے کہ شاہ غلام علی صاحب کی بہت اصلاح ہوئی تھی۔

فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز و انکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنالیں شاہ صاحب گھبرا اُٹھے اور فرمایا" بابا یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا تم فرزند علی ہو اور میں غلام علی ہوں۔

(منقول از تذکرۃ الرشید حصہ دوم)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی حکایات

(۲۰) خاں صاحبؒ نے فرمایا مجھ سے قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی اور مولوی اعظم علی صاحب مراد آبادی نے بیان فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحق صاحبؒ کا لقب ہے) فرماتے تھے ان العبد لیعمل بعمل اھل النار ثم یسبق علیہ القدر فیعمل بعمل اھل الجنۃ و یدخل الجنۃ کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ واقعہ اس کا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) کے دربار میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے جو کہ لڑکپن کے زمانہ سے اُن کے دوست تھے ہم اُن کو نانا کہا کرتے تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنویں پر نہاتے اور سورج پر جل چڑھاتے۔ یہ بات ہمکو گراں تھی مگر ادب کی وجہ سے ہم کچھ نہ کہہ سکتے۔ اب نانا صاحب کا انتقال ہو گیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں آیا اور اُن پنڈت کا وہی معمول رہا۔ مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنویں پر سورج کی طرف مُنہ کئے اور ہاتھ میں لُٹیا لئے سورج پر جل چڑھانے کے لئے کھڑا تھا مگر چڑھایا نہ تھا۔ اتفاق سے میں پہنچ گیا۔ میں نے اُسوقت کے قاعدے سے اُسے سلام کیا۔ اُس نے مجھے دُعا دی اور کہا بیٹا یہاں آؤ۔ میں گیا تو اُس نے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ہماری تمھارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی اُن کے انتقال کے وقت تک برابر قائم رہی اور آنا جانا اُٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ رہا۔ مگر نہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور نہ مجھے کبھی اسکا خیال ہوا۔ لیکن آج آپ ہی آپ میرا دل بیچین ہے اور بیساختہ جی چاہتا کہ میں مُسلمان ہو جاؤں۔ کیونکہ میں ہمیشہ سے سورج کی پرستش کرتا ہوں لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں چلتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آرام کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں

جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے۔ مگر سورج ہے کہ رات دن مارا مارا پھرتا ہے
نہ وہ ایک دم کیلئے ٹھہر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معینہ چال کے خلاف چل سکتا ہے۔ پس
معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہرگز قابل پرستش
نہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ دینِ اسلام دینِ حق ہے بس بیٹا تم مجھے مسلمان کرلو۔ گو میں اسلام
کی باتیں جانتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمھارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے
اسلام کے گواہ رہو۔ میں نے کہا آپ کو ختنہ کرانی پڑیگی۔ اس نے کہا جو کچھ تم کہوگے
میں سب کچھ کروں گا۔ الحاصل میں نے اُسے مسلمان کیا اور اُس کی ختنہ کرائیں۔ اس نے
یہ بھی کہا کہ میرے بیٹا بیٹی نہیں ہاں پوتے نواسے ہیں۔ مگر جب میں مسلمان ہوجاؤنگا وہ
سب میرے مخالف ہوجائینگے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کے لئے
جگہ دیدو۔ کھانے پینے کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے
تو مال بھی اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیدیجئے میں آپکی اپنے نانا کی طرح خدمت کرونگا الغرض
میں نے ان کو رہنے کو جگہ دی اور اُن کی خدمت کرتا رہا وہ چالیس روز زندہ رہے اور
اسکے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

حاشیہ حکایت (۲۰) **قولہ** ادب کی وجہ سے **اقول** یعنی حضرت شاہ شاہ صاحب کے
ادب کی وجہ سے **قولہ** مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ **اقول**۔ یہ بھی اسی ادب حیات کا
غلبہ تھا جس کا اثر بعد وفات بھی رہا اور اس کا ادراک اہل وجدان کو ہوتا ہے اور چونکہ
اس فعل میں حضرت میاں صاحب کا کوئی دخل نہیں نہ نسبتاً نہ رضاءً اسلئے کوئی اعتراض
بھی نہیں ہوسکتا۔ رہا یہ کہ نہی عن المنکر تو فرماسکتے تھے سو یہ نہی توقع قبول کے وقت واجب
ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ رہا استحباب سو عجب نہیں حضرت بڑے شاہ صاحب کے سکوت کو
کسی حکمت پر اجمالاً محمول فرمالینا یہ مانع ہوا ہو اتیان مستحب سے اور تعیین اس حکمت کی واقع

کے اخیر جزو سے کہ اُس پنڈت کا مسلمان ہو جانا ہے ہو سکتی ہے یعنی حضرت شاہ صاحب کو مکشوف ہو گیا ہو کہ اگر اس کے ساتھ سختی نہ کی جاوے تو ممکن ہو کہ اس نرمی سے اُس کے قلب میں اسلام کی الفت پیدا ہو جاوے چنانچہ آخر وہ اس دولت سے مشرف ہوا قولہ اُسے سلام کیا۔ **اقول** کافر کو سلام ضرورت یا معتد بہا مصلحت سے یا کسی حال محمود کے غلبہ سے جائز ہے اور احتمال ثالث پر وہ غلبۂ حال ادب تھا حضرت شاہ صاحب کا **قولہ** ۔ نہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ مُسلمان ہو جاؤ۔ **اقول** ۔ مکشوف ہوا ہوگا کہ اسکے اسلام کا فلاں وقت معیّن ہے اسلئے اس سے پہلے توقع قبول نہ تھی اور عدم توقع کے وقت امر بالمعروف کا ضروری نہ ہونا بھی مذکور ہوا ہے۔ **قولہ** ۔ ختنہ کرانا پڑیگی۔ **اقول** ۔ یہ بطور شرط اسلام کے نہیں فرمایا۔ بلکہ حکم اسلام کے طور پر فرمایا یعنی اگر کوئی اس عمل پر آمادہ نہ ہو اسلام کی تو اسکو بھی تلقین کردی جاوے گی لیکن اسلام کا یہ حکم پھر بھی بتلایا جاویگا۔ اور بالغ کے بدن کو ختنہ کی ضرورت سے دیکھنا اس میں گو اختلاف ہے مگر بہت فقہاء نے اسکے جواز کو راجح بھی کہا ہے (**شت**)

حکایت (۲۱) خان صاحب نے فرمایا کہ لوگ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تساہل کہتے ہیں مگر یہ لوگ اُن مشکلات سے واقف نہیں ہیں جو شاہ صاحب کے سامنے تھیں۔ شاہ صاحب کا زمانہ ایک نہایت سخت فتنہ کا زمانہ تھا جس میں اظہار حق نہایت دشوار تھا اسلئے شاہ صاحب ترویج دین نہایت حزم و تدبیر کے ساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے احتراز فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے جتنے بزرگوں کو دیکھا ہے وہ سب جتنے شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقد تھے اسقدر نہ مولوی سمٰعیل صاحب کے معتقد تھے اور نہ کسی اور کے حالانکہ ان حضرات نے نہایت آزادی اور جانفروشی کے ساتھ دین کو رائج کیا ہے۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ شاہ صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا

وہ دین سے بالکل آشنا نہ تھے ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت دشوار تھا اور شاہ صاحب نے ان کو راہ پر لگایا۔ یہ دلیل ہے اُن کے کمال عقل اور حکیم کامل ہونے کی اور جن لوگوں سے مولوی اسمٰعیل صاحب وغیرہ کو واسطہ پڑا ہے یہ وہ لوگ تھے جو یا تو راہ راست پر آچکے تھے یا کم از کم دین سے بہت زیادہ بُعد نہ رہا تھا۔ اب میں اُس زمانہ کے حالات دکھلاتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ زمانہ کس قدر سخت فتنہ کا تھا اور اس میں اظہار حق کتنا مشکل تھا اُس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کر دیے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تھا اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے۔ اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پُھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے۔ اور شاہ عبد العزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ اِن دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔ اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا۔ اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بےچین رہتے تھے۔ اور دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ پر اور شاہزادوں، شاہزادیوں پر اور عوام پر تھا۔ اور اس وجہ سے انکی جرأت اور گستاخی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ علماء کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ او مسجد کے مینڈھے کچھ دِلوا ہم رنڈی رکھینگے

شراب پئیں گے، بھنگ پئیں گے۔ علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ شاہ عبدالقادر صاحب
بھی دیتے تھے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ میاں نصیحت لو کھانا کھالینا۔ لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے
کبھی کسی کو نہیں دیا اور ہمیشہ لطائف الحیل سے پیچھا چھڑا یا۔ چنانچہ اسپر ایک قصہ سناتا
ہوں یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب، مولانا گنگوہی صاحب اور دوسرے
بہت سے اشخاص سے سُنا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں
آیا اور علماء کے پاس گیا وہ جس عالم کے پاس جاتا اُس سے یہ کہتا کہ مجھ سے قطب صاحب نے
فرمایا ہے کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور ان کو ایک ٹکہ دو اور کلاوہ اُن کے سر پر باندھ آؤ۔
لہٰذا میں تعمیل حکم کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ کہکر وہ ٹکہ پیش کرتا اور وہ کلاوہ باندھ دیتا
اور کچھ نذرانہ لیکر چلتا ہوتا۔ یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا اور آکر اُن سے بھی یہی کہا
مگر شاہ صاحب نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ کہدو اسوقت مجھے وضو نہیں ہے
اُس نے وہ کلاوہ اور ٹکہ رکھدیا اور منتظر ہوا کہ شاہ صاحب کچھ دینگے۔ مگر شاہ صاحب نے
کچھ نہ دیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں دیتے تو اُس نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ تبرک ملجاو
شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے آپنے تعمیل حکم کردی جب
قطب صاحب مجھے حکم دینگے میں بھی خدمت میں پیش کردونگا۔ وہ مجبوراً رخصت ہوگیا
اب ایک اور قصہ سُنئے اُس زمانہ میں ایک صاحب مولوی نصیرالدین صاحب تھے۔ جو
مدنی الاصل قوم کے سیّد اور شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ یہ صاحب خانم کے بازار میں
رہتے تھے اور نہایت خوش بیان اور ذہین عالم تھے۔ ایک مرتبہ یہ صاحب اور شاہ صاحب
چاندنی چوک گئے۔ شاہ صاحب چونکہ نابینا تھے اسلئے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھے
ہوئے تھے وہاں پہنچکر شاہ صاحب کو معلوم ہوا ایک شور مچ رہا ہے۔ انھوں نے مولوی
نصیرالدین صاحب سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ کیا شور ہے وہ گئے اور شاہ صاحب سے واپس آکر

کہدیا کہ حضرت کوئی بات نہیں یونہی بیہودہ شور ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہ علم شی بہ از جہل شی تم جاکر اس شور کا اصل منشا معلوم کرو۔ جب شاہ صاحب نے اصرار فرمایا تو انھوں نے مجبوراً عرض کیا کہ حضرت ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے عضو تناسل کو تانے ہوئے اور اس میں ڈورا باندھے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ الف ہے اللہ کا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اور اسکی کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہو او بے وحدت خود منڈے کیا بکتا ہے (خود منڈے، بے پیرے، خودرو) الف خالی ہوتا ہے اور اسکے نیچے دو نقطے ہیں۔ چنانچہ مولوی نصیر الدین صاحب نے ایسا ہی کیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اس فقیر کے پیچھے تالی بج گئی اور وہ نہایت خفیف ہو کر چلدیا بغرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے۔ ایک اور قصہ سنو، اس زمانہ میں بددین صوفیوں کا ایک فرقہ امام شاہی تھا جو چار ابرد کا صفایا کرتا تھا، اور بیہودہ باتیں کیا کرتا تھا۔ اس فرقہ کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا، یہ فرقہ شکارپور سے نکلا تھا۔ چونکہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھی اس لئے اسکے سلسلہ والے اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے اور کسی کا نام گلاب شاہ تھا کسی کا چنبیلی شاہ، کسی کا بہار شاہ وغیرہ وغیرہ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہوئی تو فوجیوں کی بہت قدر تھی، اور رسالداروں وغیرہ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور اختیارات بھی وسیع ہوتے تھے۔ اُس زمانہ میں ایک شخص نسیم خاں نامی شاہجہانپور کے رہنے والے تھے جو بہت خوبصورت اور تنومند تھے اور شاعر بھی تھے چنانچہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے اُن کے حالات اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں یہ نسیم خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور رخصت لیکر شاہجہانپور کو جا رہے تھے۔ راستہ میں شکارپور میں قیام کیا۔ جس سرائے میں یہ مقیم تھے اُسکے سامنے ایک باغ تھا جس میں امام شاہ مدفون تھا۔ اتفاق سے نسیم خاں ٹہلنے کو نکلے اور اُس باغ میں پہنچ گئے، اس باغ میں ایک مکان

تھا جس میں امام شاہ کا سجادہ نشین رہتا تھا اور اس مکان کو اس زمانہ کے محاورہ کے
مطابق منڈف (یعنی کُٹی) کہا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں جو سجادہ نشین اس مکان میں رہتا تھا
اس کا نام گلزار شاہ تھا نسیم خاں ٹہلتے ٹہلتے جب اُس مکان کے قریب پہنچے تو گلزار
کو ان کے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور اُس نے اندر سے آواز دی، کون؟ چونکہ انکا
نسیم خاں تھا اور اس زمانہ میں یہ عادت تھی کہ اپنا پورا نام نہ لیتے تھے اسلئے انھوں نے
جواب دیا کہ، نسیم! گلزار شاہ نے اندر سے کہا کہ، نسیم ہے تو گلزار سے نہ جائے گی۔
سُنتے ہی نسیم خاں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ گلزار شاہ کے مرید ہوگئے اور چار ابرو کا صفایا کر کے
فقیری اختیار کر لی۔ اور اپنے ہمراہیوں کو بُلا کر اُن سے کہدیا کہ یہ جسقدر ساز و سامان ہے
اس کا تم کو اختیار ہے چاہے تم میرے گھر دیدینا اور چاہے تم خود رکھ لینا۔ مجھے نہ اب
گھر بار سے کوئی تعلق ہے اور نہ تم سے کچھ سروکار ہے، تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ
میں تو یہاں رہونگا اور بیوی کو طلاق لکھ کر اور اس پر گواہیاں کرا کر اُن کے حوالہ کر دی، اور
کہدیا کہ یہ طلاق نامہ میری بیوی کے پاس پہنچا دینا۔ الغرض اُن کے ہمراہی روانہ ہوگئے
اور وہ گلزار شاہ کے پاس رہ پڑے۔ گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ ایک عجیب تصرف تھا
اسلئے عوام پر اس کا بہت اثر ہوا اور امام شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہوگئی۔ تھوڑے دنوں
کے بعد گلزار شاہ کا انتقال ہو گیا اور انکی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین ہوگئے اور انکی طرف بہت
کچھ رجوعات ہوئی۔ کچھ زمانہ کے بعد انھوں نے سیر کی غرض سے دِلّی کا سفر کیا اور دِلّی پہنچ
شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہنچے، مخلوقات کی رجوعات سے نسیم خاں کا دماغ آسمان
پر پہنچ چکا تھا اسلئے انھوں نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ
پاس گئے اور جا کر اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک
رہو گے نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو اس شریعت کو۔ شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فر

ئے شاہ صاحب تشریف لائے اور اپنے پاس بٹھالیا اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں
تے رہے، اسکے بعد باتوں ہی باتوں میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب آپ نے
آن بھی پڑھا ہے، انھوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد پوچھا کہ کچھ فارسی بھی پڑھی ہے، انھوں نے
ا جی ہاں۔ پھر پوچھا کہ کچھ عربی بھی پڑھی ہے، انھوں نے کہا کہ جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے
سکے بعد پوچھا کہ کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے، اس نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا
ن سپہگری بھی سیکھے ہیں، اس نے کہا کہ جی ہاں پھکیتی بکیتی اور تیر اندازی وغیرہ
ب سیکھے ہیں۔ پھر پوچھا کہ آپ پہلے کیا کام کرتے تھے، اس نے کہا کہ فوج میں سالدار
۔ پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں اور عربی کتنے زمانہ میں
فنون سپہگری کتنے عرصہ میں سیکھے، اور ملازمت کتنے زمانہ کی۔ اُس نے ان تمام باتوں
بھی جواب دیا پھر پوچھا کہ اس سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے اُس نے اسکا بھی جواب دیا
ب شاہ صاحب نے ان تمام باتوں کا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا کہ، نقیر سنبھل کر بیٹھ اور
ن، تو نو مہینے تو ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اور اُس سے باختیار خود نہ نکل سکا اور اتنے
دن تو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اس سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تک تو انگلی
پڑنے کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو مونڈھوں کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو قرآن کی
میں رہا اُستاد نے تھپڑ بھی لگائے ہونگے، قمچیاں بھی لگائی ہونگی مگر تو اُس قید سے
کل سکا اور اتنے دن تو فارسی کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو عربی کی قید میں رہا، اور
تنے دن تو کُشتی کی قید میں رہا، اور اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا، اتنے دن بکیتی کی قید میں
اتنے دن سواری کی قید میں رہا، اتنے دن تیر اندازی کی قید میں رہا، اتنے دن انگریزوں
قید میں رہا، اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ
کتا ہے، الحاصل اِس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو تو چار ابرو کی

صفائی کی قید میں ہے اور ہم شریعت کی قید میں ہیں۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری قید کچی چاندی ہے تم اس کی قیمت مانگو گے تو اسکو تپایا جائیگا اور بغیر تپائے کوئی نہ لیگا، اور ہماری قید پر سکہ شاہی لگا ہوا ہے جہاں چاہیں گے بھنالیں گے۔ وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ اس قسم کے اور قصے بہت ہیں جن سے اُس زمانہ کی حالت معلوم ہوتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس زمانہ میں کسقدر ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے

حاشیہ حکایت (۲۱) قولہ۔ متساہل کہتے ہیں۔ اقول۔ اس حکایت میں تو کوئی بات موہم تساہل مذکور نہیں بعضے قصے جو اس طرز کے مشہور ہیں اسکی تحقیق یہ ہے اس کا استعمال دفع مضرت دنیویہ کیلئے ہو یا مخاطب کے جلب مصلحت دینیہ کیلئے ہو تو محمود اور اگر اپنے جلب منفعت دنیویہ مالیہ یا جاہیہ کیلئے ہو تو مذموم ہے خوب سمجھ لو اس میں اکثر دھوکہ ہو جاتا ہی گاہے بزرگوں پر بدگمانی کا گاہے اپنے پر تقلید بزرگان کی نیک کمائی کا (دشت)

حکایت (۲۲) خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس قصہ کو بہت لوگوں سے سُنا ہے لیکن کسی نے خواب دیکھنے والے کا نام نہیں لیا مگر جب میں نے مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے اسکو بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ خواب مولوی فضل امام صاحب کا تھا۔ مولوی فضل امام صاحب نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف لائے ہیں اور مکان کے فلاں کمرہ میں بیٹھے ہیں اس کی تعبیر میں شاہ عبد العزیز نے فرمایا کہ تم فوراً جا کر اپنا تمام سامان اُس کمرہ سے نکال لو اور اسکو بالکل خالی کردو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، اسکے بعد وہ کمرہ فوراً گر گیا (جس سے تعبیر کا صحیح ہونا معلوم ہو گیا) مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کیونکر ہوئی کیونکہ ہزاروں لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ آپنے فرمایا کہ اسوقت بے اختیار یہ آیت ذہن

میں آگئی تھی ان الملوك اذا دخلوا قریۃ افسدوھا۔

حاشیہ حکایت (۲۲) قولہ۔ تو انھوں نے کہا۔ اقول۔ میں نے کسی ثقہ سے یہی نام سُنا ہے مگر راوی یاد نہیں رہے۔ قولہ۔ اس کی تعبیر ہیں۔ اقول۔ میں نے ان راوی سے یہ بھی سُنا ہے کہ انھوں نے مولوی فضل حق صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تعبیر پوچھنے بھیجا تھا۔ قولہ۔ یہ آیت ذہن میں آئی۔ اقول۔ عجب نہیں کہ شاہانہ لباس میں زیارت ہونا بیان کیا ہو اُس پر یہ آیت ذہن میں آئی، اور عام طور سے جزئیات ہوتی ہے تو لباس انبیاء ہیں اور ہر تعبیر کا اطراد ضروری نہیں۔ اس میں خصوصیاتِ مقام کو دخل ہوتا ہے (اشرف)

حکایت (۲۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ میرے پھوپھا کا انتقال ایکسو پانچ برس کی عمر میں ہُوا ہے اور بتیس ۳۲ برس کی عمر میں اُنھوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک کشتی بالکل پاخانہ سے بھری ہے اور اس کشتی کے کنارے پر میں کھڑا ہوں اور اپنے پاؤں کی حرکت سے اس کشتی کو کنارے کی طرف لیجا رہا ہوں مگر اپنے جسم اور کپڑوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس پاخانہ سے بچاتا ہوں اور بہت کچھ بچ گیا ہوں، مگر کسی قدر پاخانہ پاؤں میں لگ گیا ہے۔ جب کشتی کنارہ پر آگئی تو میں اس میں سے کود گیا۔ اس خواب کو انھوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بیان کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم بہت جلد کسی اچھی ریاست میں نوکر ہو جاؤ گے اور اس کا پورا انتظام تمھارے متعلق ہوگا۔ چنانچہ اسی سال پھوپھا صاحب مالا گڈھ کی ریاست میں نواب ولی داد خاں کے یہاں ملازم ہو گئے اور تابغدر ملازم رہے اور نہایت دیانت کے ساتھ کام کیا۔ یہ واقعہ خود میرے پھوپھا نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۳) غالباً یہ تعبیر اس پر مبنی ہے کہ دنیا کی صورتِ مثالیہ یہ ہے

اور اس سے دنیائے مباحہ کا حرام ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ پاخانہ سے ہر قسم کا انتفاع تو حرام نہیں ہے مثلاً کھیت ہی میں ڈالنا اس کا جائز ہے۔ اسی طرح دنیائے مباحہ سے انتفاع کے بھی قیود ہیں اور اصل اور مثال میں تناسب کافی ہو جو کہ بنا ہوتی ہو تعبیر کی (ثت)

حکایت (۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ پھوپھا صاحب نے مذکورہ بالا اپنا خواب بیان کرکے فرمایا کہ ایک شخص اکثر یہ خواب دیکھتا تھا کہ میرے گھر میں چھپکلیاں لڑتی ہیں۔ اس خواب کو اس نے شاہ صاحب سے بیان کیا، شاہ صاحب نے اس خواب کو سنکر فرمایا کہ تیری بیوی موئے زہار قینچی سے کترتی ہے۔ اس نے آکر اپنی بیوی سے دریافت کیا بیوی نے تصدیق کی۔

حاشیہ حکایت (۲۴) قولہ قینچی سے۔ **اقول۔** مناسبت ظاہر ہو اور اس میں اس فعل کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں (ثت)

حکایت (۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب کے صاحبزادے مولوی یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلّط ہوا تو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ میں آگئی ہے ان کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ یہ روایت میں نے مولوی یوسف سے بلا واسطہ بھی سنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں صاحب مراد آبادی بھی سُنی ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۵) قولہ ان کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہو۔ **اقول** اس پیشینگوئی کا مبنیٰ کرامت و فراست دونوں ہو سکتے ہیں انفراداً یا اجتماعاً (ثت)

حکایت (۲۶) خان صاحب نے فرمایا کہ چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب ان کی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہو کہ ان کا کیسۂ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ اھ۔ یہ مکان سے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اسیر

فرش نہ ہوتا تھا۔ بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے۔ سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے۔ میرے اُستاد میاںجی محمدیؒ صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سودا خریدنے گئے۔ چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے اسلئے اول انھوں نے سودے رومال میں باندھے، جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کرتے میں رکھے، جب اس میں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اُسے ٹوپی میں لیلیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت دال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی خالی کرکے اوڑھ لیجئے۔ تو آپنے فرمایا کہ نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیئے۔ دوسرے سخی مولٰنا شاہ اسحٰق صاحب تھے، جب یہ اجمیر پہنچے اور مجاور اُن کے پیچھے لگے تو آپنے فرمایا اس وقت تم ہمارے پاس نہ آؤ، ہم پہلے زیارت کرلیں، جب زیارت کرکے اپنی قیامگاہ پر پہنچیں اسوقت ہمارے پاس آنا۔ مجاوروں نے ایسا ہی کیا اور آپکے قیامگاہ پر پہنچے اسوقت آپنے مجاوروں کو بلا لئے ہوئے اور انہیں بھر بھر کے لپ روپیے دئیے۔ یہ دیکھکر مجاوروں نے کہا کہ ان کو کون وہابی کہتا ہے ایسا تو ابتک کوئی بھی نہیں آیا، صرف فلاں بیگم آئی تھی سو اُس نے بھی اتنا نہیں دیا تھا۔ یہ تو اُن کا اپنے ذاتی روپیے کے ساتھ برتاؤ تھا، اور اگر کوئی درخواست کرتا کہ حضرت فلاں شخص سے میری سفارش کردیجئے تو آپ بے تکلف سفارش کرتے تھے، چنانچہ فرخ آباد والے نواب کو ایک سال میں ایک ہزار سفارشی خط لکھے اور اس نے ہر خط کی تعمیل کی، آخر مجبور ہو کر عرض کیا کہ حضرت کے سفارشی والا نامے اس سال ایک ہزار پہنچے ہیں۔ اسپر آپنے فرمایا کہ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی مگر میں سفارش کئے بغیر رہ نہیں سکتا تم میری تحریروں پر عمل نہ کیا کرو۔ مولانا گنگوہیؒ نے یہ قصہ بیان فرماکر فرمایا کہ اپنی اپنی طبیعت ہے چنانچہ مولوی محمد یعقوب صاحب کی طبیعت اسکے خلاف تھی اور وہ کبھی کسی کو سفارشی خط نہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس میں

دو تکلیفیں ہوتی ہیں اگر سفارش نہ کی جاوے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے جو خواہانِ سفارش ہے، اور سفارش کیجاوے تو اسکو تکلیف ہوتی ہے جس سے سفارش کیجاتی ہے لیکن چونکہ طالب سفارش کی تکلیف کا منشا خود اس کی طلب ہے، اور جس سے سفارش کیجاتی ہو اسکی تکلیف محض بلاوجہ اسلئے میں طالب سفارش کی تکلیف کو اسکی تکلیف پر ترجیح دیتا ہوں جس سے سفارش کیجاوے۔ اور یہ بیان فرما کر مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا کہ میرا مذاق بھی وہی ہے جو مولانا محمد یعقوب صاحب کا تھا اور میں بھی سفارش نہیں کرتا۔ تیسرے سخی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید تھے مگر ان میں بہ نسبت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے کچھ انتظامی شان تھی۔ چوتھے سخی مولانا اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد عمر صاحب تھے یہ پورے کھوج کھوؤ اور گھر کھوؤ تھے، ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو ٹوپی دیدیتے۔ اسکے بعد کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لیجاؤ، پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لیلو۔ حتیٰ کہ پاجامہ بھی دیدیتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۲۶) قولہ۔ میں بھی سفارش نہیں کرتا۔ اقول۔ احقر بھی اسی مذاق کا متبع ہے یعنی بشاشت سے سفارش نہیں کرتا۔ کیونکہ جو سفارش مسنون ہو وہ اسوقت نہیں رہی۔ جبر و کراہت رہ گئی جو کہ ناجائز ہے (تت)

حکایت (۲۷) خان صاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ لکھنؤ میں پہنچا ہے تو لکھنؤ کے نواب نے جو اسوقت برسرِ حکومت تھا مجتہدینِ شیعہ سے درخواست کی کہ اس کا جواب لکھا جاوے۔ مجتہدین میں سے دلدار علی خاں نے جواب کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن تحفہ کی زبان چونکہ بے نظیر تھی اسلئے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ ان کی عبارت میں ادا کر دیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جاوے مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی

فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کی تائید میں اس نے بیان کیا کہ دِلّی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صرف کر کے اُسے ایک خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دِلّی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لیگئی اور درخواست کی کہ اس کا جواب لکھدیا جاوے، مگر اُس کے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا، مجبور ہو کر وہ اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت میں لیگئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری، اب میں مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں حضور اس کا جواب لکھدیں۔ شاہ صاحب نے خط سُنتے ہی فی البدیہ اسکا جواب لکھوا دیا وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اسکا جواب لکھوں مگر ابتک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کس طرح دیسکتا ہوں۔ جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ و کعبہ نے خود ہی جواب لکھا۔ اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ بتلائیے کیسا جواب ہے۔ مرزا قتیل نے اسکو دیکھ کر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ کو تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا، شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ و کعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض کا منشا یہ تھا کہ قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اس کے بعد قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمائیے، قتیل نے کہا کہ حضور! کہاں جائس کا جولاہہ اور کہاں دِلّی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدہ۔ (یہ قتیل نے اسلئے کہا کہ قبلہ و کعبہ جائس کے تھے اور جائس کے جولاہے مشہور ہیں)

حاشیہ حکایت (۲۷) قولہ۔ فی البدیہ اس کا جواب لکھوا دیا۔ اقول۔ اگر کسی کو

وسوسہ ہو کہ ظاہرا فسق ہی کا علاقہ تھا تو اُس کی تقویت و اعانت کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قاتلہ اور قتیل دونوں اس قابل نہ رہے ہوں صرف اظہار لیاقت ہی کے لئے مکاتیت ہوئی ہو تو معین پر بدگمانی کا کچھ حق نہیں ہے

بگذار از ظن خطائے بدگماں — اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ را بخواں (مثنوی)

حکایت (۲۸) خان صاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تھا۔ شاہ عبد العزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اُس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپ کی واقعی تھی اگر اُس میں بال برابر بھی تفاوت ہے تو اُس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مثلاً اگر آپ کے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کے زمانہ میں کوئی شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو صحابہ اُس سے حُلیہ دریافت کرتے اور بغیر اسکے تصدیق نہ کرتے۔ اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئی ہیں، لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اس کا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبد العزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سُنتے رہتے تھے اور اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں نہیں کر لیتے، تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس

میاؤں کا جواب نہیں، اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ یہ فرما کر خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنے کی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس سے سنی ہے) خاں صاحب نے فرمایا کہ میاںجی صاحب بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کا اس مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپکو اس زمانہ کے اتقیاء کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حاشیہ حکایت (۲۸) قولہ۔ صحابہ اُس سے حلیہ۔ اقول۔ اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خاص اُن صحابہ کا یہی مسلک ہوگا۔ سب سے ایسا سوال منقول نہیں یا اُس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا ہو کہ تمثل بعید نہ ہوتا ہو تو اُس سے ضعیف الاستعداد کے لئے تمثل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا۔ (ششت)

حکایت (۲۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایکمرتبہ تشریف لیجاتے، آپ کے متعلقین بھی آپکے ساتھ جاتے اور وہاں جاکر فاتحہ پڑھتے، فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے، مگر شاہ اسحٰق صاحب بھی آپکے ہمراہ جاتے، لیکن جسوقت فاتحہ پڑھ لیتے تھے تو شاہ صاحب شاہ اسحٰق صاحب سے فرماتے کہ میاں اسحٰق بیٹھو گے یا جاؤ گے۔ اس پر شاہ اسحٰق صاحب فرماتے کہ حضور جاؤں گا۔ اور یہ کہکر واپس تشریف لے آتے، یہ کبھی جلسہ میں شریک نہیں ہوئے۔ اور نہ شاہ صاحب نے اُن کے عدم شرکت پر اُن سے کبھی کچھ تعرض فرمایا۔

حاشیہ حکایت (۲۹) قولہ۔ یہ کبھی جلسہ میں الخ اقول۔ اختلاف مسلک اُسی اختلاف نظر

سے تھا جو حکایتِ سابقہ کے حاشیہ میں مذکور ہوا اور شاگرد و اُستاد دونوں کا کس درجہ انصاف و حُسنِ ظن ثابت ہوتا ہے۔ (شت)

حکایت (۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میاںجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ایکمرتبہ کھانا کھانے کے لئے زنانہ مکان میں تشریف لیگئے تھے اور کچھ لوگ آپکے انتظار میں مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاق سے عبدالوہاب نجدی کا ذکر چھڑ گیا۔ ان میں سے دو آدمیوں میں اسکے متعلق مناظرہ ہونے لگا، ایک نے عبدالوہاب کی مذمت اور تفسیق و تکفیر شروع کی، دوسرے نے اسکی تعریف و تحسین، اور خوب گفتگو ہوئی ان میں سے ایک مذمت کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بددین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم مردودوں اور بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا، اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان سے تشریف لے آئے شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اُس شخص نے جو عبدالوہاب کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہوں کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا تھا اور اُس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بددینو کے دین کو رواج دینا چاہا۔ شاہ صاحب نے اسکے مُنہ سے یہ الفاظ سُنتے ہی مُنہ پر انگلی رکھی اور فرمایا ہا ہا اور دیر تک ایسا ہی کیا (مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہایت بُری ہے ہرگز ایسا نہ کہو) اسکے بعد بیٹھ کر فرمایا کہ عبدالوہاب بھی نہایت سچّا اور پکّا مسلمان اور متبع سنت تھا مگر بدعقل اور ابن تیمیہ و ابن القیم بھی نہایت سچّے اور پکّے مسلمان تھے۔ مگر بشر تھے اُن سے غلطی ممکن ہے، اور اس غلطی کی بناء پر ان کو بُرا بھلا کہنا ہرگز نہیں چاہیئے اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعالِ طواف تھی اور اس حالت میں آپکی اونٹنی نے نہ جُگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمتِ مسجد بھی محفوظ رہی

اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا۔ عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور اُس نے اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا، جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی، سو، گو یہ اسکی غلطی تھی، مگر اسکا منشاء اتباعِ سنت تھا اسلئے اسکو بُرا کہنا نہ چاہیے۔

حاشیہ حکایت (۳۰) قولہ۔ اس کا منشاء اتباع سنت تھا الخ۔ اقول۔ یہی فرق ہے اہلِ صورت و اہل معانی میں کہ وہ افعال کو دیکھتے ہیں اور یہ افعال کے مناشی کو اسلئے کبھی ایسے امر پر مواخذہ کرتے ہیں جو ظاہراً موجب مواخذہ نہیں ہوتا اور کبھی ایسے امر پر تسامح کرتے ہیں جو ظاہراً قابلِ تسامح نہیں ہوتا۔ (ششت)

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۱) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس ایک جہاز راں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ کو ہر فن میں دخل ہے جہاز رانی میں بھی آپکو کچھ آتا ہے، شاہ صاحب نے جو بعض پُرزوں کے حالات بیان کئے ہیں تو وہ اسکو بھی یاد نہ تھے۔ اسکو حیرت ہو گئی، پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا تھا۔

حکایت (۳۲) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو قوال آئے انکی کسی راگنی میں اختلاف تھا، اور شاہ صاحب کو حکم بنایا، دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا۔ شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ، اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے۔ ان کو بڑا تعجب ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستہ میں ایک ڈوم نے بالاخانہ کرایہ لے رکھا تھا ہم آتے جاتے سُنا کرتے تھے اُسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ کسولوی

حکایت (۳۳) ایکبار شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپکے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا کوئی بھی نہیں۔ پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا، اسکی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں۔ جب اس خواب کی خبر مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی، تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اس کے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المؤمنین کے موافق نہ ہو؟ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے، اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ، اور کوئی مذہب آپکے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہر ایک مذہب مذاہبِ صحابہ کا مجموعہ ہے، کوئی مسئلہ حضرت صدیق رضؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علی رضؓ کے اور کوئی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۴) مولانا شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کی حکایات

حکایت (۳۴) خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اسوقت لکھوانا چاہتا ہوں میں نے صدہا آدمیوں سے سُنی ہے اور اسکے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو بھی اسکے آخر میں لکھواؤں گا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو شاہ عبد القادر صاحب اول روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا

چاند ہونے والا ہوتا تو اول روز دو سیپارے پڑھتے۔ چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا، اسلئے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں، اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہو گا، یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے، اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔ اس میں مولوی محمود حسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلی میں اسقدر مشہور ہو گئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اسپر مبنی ہو گئے تھے مثلاً اگر شاہ عبدالقادر صاحب پہلے روز دو سیپارے سناتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس ۲۹ کا ہو گا، اور درزی دھوبی وغیرہ ۲۹ انتیس رمضان تک کپڑوں کی تیاری کے لئے کوشش کرتے تھے، اور انتیس کو حتی الامکان کام پورا کر دیتے تھے، اور اگر اول روز ایک سیپارہ سناتے تو سمجھ لیتے کہ چاند تیس کا ہو گا اور تیس تاریخ تک تیاری کا اہتمام کرتے۔

حاشیہ حکایت (۳۴) قولہ۔ حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں گے۔ اقول۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کشف کا واقعیت سے کبھی متخلف نہ ہونا بھی کاملین کے نزدیک شرع کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ (شت)

حکایت (۳۵) خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سُنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سُنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے بھی سُنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ عبدالقادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ لوا کر لاتے اُس روز سبق نہ پڑھاتے۔

حاشیہ حکایت (۳۵) قولہ۔ جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ الخ اقول دو کمال کے

دلالت ہوئی، ایک کمال کشف کیونکہ خدمتگار کو اُستاد کے سامنے تک تھوڑا ہی آنے دیتے تھے۔ دوسرا کمال تربیت کہ ذو میرے کبر کا کیسا لطیف علاج فرماتے تھے جو قولی سے انفع ہے (شت)

حکایت (۲۶۶) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے اُستاد مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی بیان فرماتے تھے میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا لیکن جب سے میں نے سُنا شاہ عبدالقادر صاحب کو اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے اُسوقت سے میں اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا، کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے (خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے ان دوسرے بزرگ کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے وہ نام یاد نہیں رہا) مولوی فیض الحسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس زور شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو، یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں۔

حاشیہ حکایت (۲۶۶) قولہ داخل نہ ہوتے۔ اقول۔ مطلب یہ ہے کہ اس داخل ہونے کا استمرار نہ ہوتا یعنی اگر غلطی سے داخل ہو جاتے تو داخل رہتے نہیں۔ (شت)

حکایت (۲۶۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سُنی ہے مگر خاص یہ بات میں نے مولانا نانوتوی سے سُنی ہے وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں، ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحٰق صاحب مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے۔ چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈالدو اور ایک مسجد کے اندر، اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو انکو وہیں بٹھلادو۔

بوریے حسب الحکم بچھادیے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وہیں بٹھلا دیا گیا۔ جب انکے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر اپنے بوریے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو توجی نہیں چاہتا، یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو، انھوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ تبلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں۔ مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا، اور گفتگو کریں، انھوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اسپر گفتگو ہوئی، اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب یہ تبلاؤ کہ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ کمزور ہے۔ اسپر انھوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی، بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھکر ان کو چھوڑ دیا ہے مگر انھوں نے ہمیں ابتک نہیں چھوڑا وہ ابتک ہماری قدمبوسی کئے جاتے ہیں۔ یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہو کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی، مگر مولوی احمد علی خیر آبادی اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حاشیہ حکایت (۳۷) قولہ۔ ایک بوریا مسجد سے باہر الخ اقول. کتنا دقیق

تقویٰ ہے کہ دونوں بوریئے معقولات ہی کی گفتگو کے لئے بچھائے گئے تھے مگر مدعیانِ معقول کی نیت تقویتِ معقول کی تھی، ان کا فعل طاعت نہ تھا اسکے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں رکھا گیا، اور حضرت شاہ صاحب کی نیت تزئیف معقول کی تھی یہ فعل طاعت تھا اس کے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز رکھا گیا (شت)

حکایت (۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کردی تھی، اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے آپکو بہت محبت تھی اور آپنے اُن کو متبنٰی بھی بنایا تھا اس لئے آپنے بیٹی اور بھائیوں کی اجازت سے کچھ حصّہ اُن کے نام بھی کردیا تھا اور خود بالکل متوکل ہوکر بیٹھ گئے تھے، اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز سے انکو محبت تھی، اسلئے شاہ صاحب دونوں وقت نہایت اہتمام کے ساتھ اُن کے لئے کھانا بھجوایا کرتے تھے، اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنادیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز ایک بھنگ فروش عورت آئی، اور اُس نے آکر نہایت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت میں مجبور ہوگئی ہوں اور میری دوکان نہیں چلتی۔ آپنے اسکو ایک تعویذ لکھدیا اور فرمایا کہ اسکو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا اور فرمایا کہ جب تیری دوکان چل جائے تو مجھے یہ تعویذ واپس دے جانا۔ چونکہ آپکی خدمت میں بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحاق صاحب، مولوی عبدالحی صاحب وغیرہم بیٹھتے تھے اس لئے ان کو شاہ صاحب کے اس فعل سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ۔ مگر اسکو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔ چند روز کے بعد وہ عورت دو بھنگیاں مٹھائی کی لائی۔ آپنے خلاف معمول (کہ یہ ہدیہ نہ لیتے تھے) بھنگیاں قبول فرمالیں۔ ابتو ان حضرات کا خلجان اور ترقی کرگیا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپنے وہ تعویذ ان لوگونکو دیا

...ر فرمایا کہ اسے پڑھ لو اسمیں کیا لکھا ہے، انھوں نے پڑھا تو اسمیں لکھا تھا کہ دہلی کے بھنگ
...نے والو تمھارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے تم اور جگہ نہ پیا کرو اسی کی دوکان پر پی لیا کرو۔
...ر اسی روز آپنے حکم دیا کہ چار بوریئے مسجد سے باہر بچھادیئے جائیں اور ایک مسجد کے
...ر بچھا دیا جاوے۔ خدام نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ تھوڑی دیر میں چار جوگی آئے اور
...ہ صاحب نے انکو چاروں بوریوں پر بٹھایا، اور خود مسجد کے اندر ڈالے ہوئے بوریے پر
...ہ گئے اور تھوڑی دیر باتیں کرکے ان کو رخصت کر دیا، اور چاروں چھبڑے مٹھائیوں کے
...کے ساتھ کر دیئے اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا ان کو سُناتے ہوئے فرمایا مالِ حرام بود
...حرام رفت۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی عبد القیوم صاحب سے سُنا ہے۔
...بیہ حکایت (۲۸) قولہ۔ متبنٰی بھی بنا دیا تھا۔ اقول اور متبنٰی لی جو نفی آئی ہے وہ وہ ہے
...یں احکام ابناء کے جاری کئے جاویں مثل میراث وغیرہ۔ **قولہ** اجازت ہے۔ **اقول**
...جازت لینا تبرع تھا ورنہ بوقت مصلحت مالک کو اسکی اجازت ہے **قولہ** متوکل ہوکر
...گئے تھے۔ **اقول** ترک اسبابِ ظنیہ اقویاء کو جائز ہے اور کسی مصلحت سے اسکو ترجیح
...ھی خلافِ طریق نہیں۔ **قولہ** ہدیہ نہ لیتے تھے۔ **اقول** حاجت نہ ہونے کے وقت بمصلحت
...طور سے عذر کر دینا کہ مہدی کی دل شکنی نہ ہو خلافِ طریق نہیں، اور عدم حاجت بڑے
...صا کی کفالت کے سبب تھی اور مصلحت کا علم خود صاحب معاملہ کو ہونا کافی ہے۔
...ہ۔ ایک تعویذ لکھدیا۔ **اقول** اس تعویذ کی حقیقت تو آگے مذکور ہے جس سے معلوم ہوگا کہ
...ی تعویذ ہی نہ تھا جس کے اثر سے بکری ہوتی ہو تو اعانت علی المصیت کا شبہ تو متوجہ ہو ہی
...سکتا باقی یہ شبہ کہ اسکو نہی عن المنکر کیوں نہیں کیا اس طرح مدفوع ہے کہ توقع قبول
...ہوگی رہا یہ کہ اگر نہی نہیں فرمائی تو کم از کم تقریر تو نہ فرماتے جس سے شبہ موافقت و
...کیر کا ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انکشاف قدرے مغلوب ہو گئے ہوں،

اور مغلوب معذور ہوتا ہے اور یہی انکشاف بدرجہ غلبہ سبب ہوا ہو قبول ہدیہ کا باقی قبول
کے بعد اس کا مصرف اہل حاجت ہونا یہ تو قواعد شرعیہ ہی کا مقتضا ہے باقی اس مصرف
کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے مال کے خبث کی۔ **قولہ** چار بوریے مسجد سے باہر۔ الخ
اقول۔ یہ ضروری نہیں کہ بوریے مسجد کے ہوں کیونکہ ان کا استعمال غیر مصالح مسجد میں
ناجائز ہے خود شاہ صاحب کے ہونگے۔ (شت)

حکایت (۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ
شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے
خواہ سنی ہو یا شیعہ۔ ایک رئیس تھا شیعی اس کے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس
عادت کا تذکرہ ہوا جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سُنی تھے۔ اسپر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی
خدمت میں چلتا ہوں اگر انھوں نے میری تعظیم دیدی تو میں سُنی ہو جاؤں گا اور اس سے
میرے سید ہونے کی بھی تصدیق ہو جائیگی۔ اور یہ کہکر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں
روانہ ہو گیا اور جو لوگ اسوقت اسکے یہاں موجود تھے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لئے، اس
رئیس نے سب سے کہدیا کہ سب لوگ میرے ساتھ چلیں، کوئی شخص مجھ سے آگے نہ جاوے
جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حسب عادت شاہ صاحب نے اسکی تعظیم دی
اُس نے کہا کہ حضرت آپنے میری تعظیم کیوں دی، آپنے فرمایا کہ تمھارے سید ہونیکی وجہ
اُس نے کہا کہ میں تو شیعی ہوں، آپنے فرمایا کیا مضائقہ ہے، اسپر اُس نے کہا کہ آپ شیعہ
بھی تعظیم دیتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے تو اسکی تعظیم دیتا ہوں اس
نے کہا اس کی کیا وجہ آپنے فرمایا، اگر قرآن شریف کاتب کی غلطی سے لکھا جاوے
اسکو قرآن کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ غلط ہے۔ اسپر وہ سُنی ہو گیا اور جتنے اُس
ساتھ شیعہ تھے وہ بھی سُنی ہو گئے، اور جب اسکی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی جو

سُنی ہوگئے، اور اس رئیس نے بہت دھوم کے ساتھ مٹھائی بانٹی۔

حاشیہ حکایت (۳۹) **قولہ** سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے **اقول** توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی کسی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے۔ (ش ت)

حکایت (۴۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا کہ اور قصہ سناتا ہوں۔ اکبری مسجد جس میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اسکے دونوں طرف بازار تھا، اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں، ان میں سے ایک سہ دری میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔ بازار کے آنے جانے والے آپکو سلام کیا کرتے تھے، سو اگر سُنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو اُلٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے، یہ بیان کرکے مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا میں کیا کہدوں المومن ینظر بنور اللّٰہ۔

حاشیہ حکایت (۴۰) **قولہ** سیدھے ہاتھ سے الی قولہ اُلٹے ہاتھ سے **اقول** اس تفاوت کی بنا کرامت ہونا تو ظاہر ہے باقی کرامت میں جو دوام نہ ہونا مقرر ہے سو مراد دوام اختیاری کی نفی ہے اور ہاتھ سے سلام کے منہی عنہ ہونیکا اگر شبہ ہو تو وہ غیر ضرورت میں ہے اور یہاں ضرورت ہوگی مثلاً سلام کرنیوالا دور ہوتا ہوگا کہ جواب سنانے میں تکلف ہوتا ہوگا ایسی حالت میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ بالید ثابت ہے اور یا یہی کا محمل اکتفا بالاشارہ ہے۔ ... (اور یہ جواب بھی ارجاع بابی ماقبلہ و سابق ہو ... ش ت)

حکایت (۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب مولوی محمود بخش مولوی غلام علی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانہ میں کسی شخص پر جن آیا اسکے قرابت دار اسکو شاہ عبد العزیز صاحب، شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے پاس لیگئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اتفاق سے شاہ

عبدالقادر صاحب اسوقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے، جب شاہ صاحب تشریف لائے تو انکی طرف بھی رجوع کیا، شاہ صاحب نے جھاڑ دیا وہ اُسی روز اچھا ہوگیا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا، میاں عبدالقادر تم نے کونسا عمل کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد پڑھ دی تھی۔ اس پر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص ترکیب سے، انھوں نے فرمایا، کہ ترکیب کوئی نہیں فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی۔ اھ (میں نے خاں صاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا انھوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا، راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے)

حاشیہ حکایت (۱۴۱) قولہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا۔ **اقول** احقر کے ذہن میں جو بے تکلف مطلب آیا اسکو بسبیل احتمال عرض کرتا ہوں کہ کاملین میں ایک درجہ ہے ابوالوقت کہ وہ جس وقت جس تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کرلیں کذا سمعت مرشدی رح پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اسوقت اپنے پر جبّار کی تجلّی کو وارد کیا ہو اور اسکی مظہریت کی حیثیت سے اسکو توجہ سے دفعہ فرما دیا ہو۔ (**تمت**) (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۱۴۲) فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آپ نے بعد وعظ اُس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کے لئے کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا، کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے۔ اُس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا، البتہ میرے اندر ہے۔ مگر اس طریق سے آجتک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا، اب میں تائب ہوتا ہوں انشاءاللہ

آئندہ ایسا نہ کرونگا۔ ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اسکو نصیحت کرتے ہیں تشدد نہیں کرتے اور بعض ہیں جو اس کا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے شدت نہیں ہے حدت کے باب میں تو حدیث میں آیا ہے لیس احد اولی من صاحب القرآن من القرآن فی جوفہ (کذا فی المقاصد السنۃ) جس کی حقیقت غیرت ہے۔ لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں کرتے، حدت اور ہے، شدت اور ہے، حدت لوازم ایمان سے ہے مومن بہت غیر متلو ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے، اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ کمبخت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے اسلئے دیندار کو علانیہ دین پر تحمل نہیں ہوتا۔

(۴۳) فرمایا مولوی فضل حق صاحب شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے، شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپکا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لیجاتے گو پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہوجاتا تھا۔ اسی روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لیجاتے حضرت کو کشف ہوجاتا اور اس روز سبق پڑھاتے (جامع کہتا ہے) ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل تا نباشید از گمان بد خجل

(منقول از اشرف التنبیہ)

(۵) مولنا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۴۴) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے، اثناء وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو۔ آپنے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میاں تم نے غلط سنا ہے

میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ، پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔

حاشیہ حکایت (۴۴) قولہ۔ نہایت متانت سے جواب دیا۔ **اقول** اس سے طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا شہیدؒ کی تیزی وغیرہ سب دین کیلئے تھی، ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھ کر اور کون موقع ہو سکتا ہے۔ (تتمت)

حکایت (۴۵) خانصاحب نے فرمایا حکیم ضیاء الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے اُستاد میانجی محمدی صاحب سے اُن کے بہت سے حالات سُنے ہیں، مولوی صاحب موصوف مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا قصہ حضرت گنگوہی سے سُنا ہے کہ جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہنچا تو مولوی محمد حسن صاحب اُن سے سہارنپور آ کر ملے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس کا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دوکان پر کھانا نہ کھائیں میں انکو اپنے ساتھ کھلاؤں گا۔ مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے جب کھانے کا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہیدؒ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہیدؒ نے زور سے ناک سنکی، مولوی صاحب کھانے سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے، مولینا شہید نے اُن کے اُٹھ جانے کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب اس کا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانا نہ کھا سکیں، خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھانے بیٹھے، تو مولانا نے پھر زور سے سنکا مگر مولوی محمد حسن اسوقت نہ اُٹھے، جب وہ اُٹھے تو مولانا نے رینٹ کو اُن کے سامنے انگلیوں سے ملا اسپر اُن سے نہ رہا گیا اور یہ کہکر کہ مولانا کیا کرتے ہو۔ فوراً اٹھ کے چلے گئے

مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کی کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا تو پھر کھانا کھانے بیٹھے۔ مولانا شہید نے پھر زور سے سِنکا اور ہاتھ سے ریتیٹ کو ملتے ہوئے اُن کے کھانے کی طرف کو دے گئے، انھوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اچھا اگر آپ اس میں ملا بھی دینگے تب بھی کھاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ بس اب علاج ہو گیا۔ خدام سے کہا کہ پانی لاؤ، اور پانی منگا کر ہاتھ دھو ڈالے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اسلئے کیا تھا کہ تم جہاد کو جا رہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔

حاشیہ حکایت (۵۴) قولہ نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔ **اقول** ہو کما قال العارف الشیرازی ؎

نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

حکمائے اُمت اخلاق و ملکات کی اصلاح اس طرح کرتے ہیں (ش)

حکایت (۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ اُن کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی، اور انھوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں اُٹھئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم دیجئے، مولانا اس پر بھی نہ اُٹھے۔ اسپر لوگوں کو اور اشتعال آیا۔ اور انھوں نے اور سختی سے کہا۔ اسپر مولانا نے فرمایا کہ اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اسوقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اُٹھ سکتا۔ اس جواب کو سُنکر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے اسلئے فسادیوں نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہ گیا۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی

کا تھا اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جا کر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں۔ اس قصّہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں، شاہ عالمؒ کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا، اسمیں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اس کے اطراف اور قطب صاحب اور اسکے اطراف تک محدود تھے لیکن اکبر شاہ کے وقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں۔ جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں، تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور اُن سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی، مولانا نے پورا واقعہ بیان فرما دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور اُن کی تعظیم ہمارے ذمّے نہیں ہے، اکبر بادشاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ انکو مصنوعی کہتے ہیں مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں، مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اکبر شاہ نے تعجب سے کہا، کہ یہ کیسے، مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپکی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی انکی زیارت کیلئے نہیں تشریف لے گئے یہ سُنکر اکبر شاہ چپ رہ گیا۔ اسکے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے، اور آپنے اُن کو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا۔ اور اسکے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی۔ لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ اُن میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، علیٰ ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اسلئے اس کا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے اور

کلام اللہ و کلامِ رسول کے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، مگر با وجود ان تمام نا قابلِ انکار باتوں کے کلامِ خدا و کلامِ رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے اُن کی کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم انکے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولینا شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولانا تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں میں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اسکے پاس ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا تھا جسکی ڈاڑھی مُنڈی ہوئی تھی، مجھے اُس شاہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب یاد نہیں رہا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ شاہزادہ تو چکنا گھڑا ہو کہ پچاس برس شاہ عبد العزیز کا وعظ سُنا مگر اب تک ڈاڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں رہا، اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہزادے نے ڈاڑھی رکھوالی اور بادشاہ نے کڑے اُتار دیئے۔

حاشیہ حکایت (۶۴) **قولہ** اس کا اثر یہ ہوا الخ **اقول** یہ بھی بڑی اہلیت ہے ان سلاطین کی۔ نیز اثر ہی حضرت مولانا کے خلوص وللہیّت کا بھی (ش ت)

حکایت (۶۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے سُنا ہو کہ ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپکے کچھ ساتھی جن میں مَیں بھی تھا شکار کے لئے چلے، قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گسائیں رہتا تھا جو کہ مرتاض تھا اور اسکے چیلے اسکے پاس رہتے تھے، اس کی کُٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے ایک مور کا

شکار کر لیا۔ اسپر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچگیا، اور گوشائیں سمیت سب کے سب مولانا
اور اُن کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے ہوئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کیلئے تیار ہو کر اُدھر کو
چلے۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا
تم ذرا نرمی کرو انشاء اللہ ہم ضرور اسکو کھلا کر چلیں گے۔ اور یہ کہکر مولانا مسکراتے ہوئے گشائیں
کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا میری بات سن لیجئے اسکے
بعد جو آپکے جی میں آئے کیجئے، ہم آپکے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں، غرض اس
قسم کی نرم گفتگو سے اسکو نرم کیا، اسکے بعد آپنے مناسب طور سے اُسے اسلام کی دعوت
دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی۔ اسکے بعد وہ گوشائیں اور
اُسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا
کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر
اسکو کھلایا خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اس
وقت مولانا کے ساتھ تھا۔

حاشیہ حکایت (۴۷) قولہ وہ گوشائیں اور اسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام
ہوئے۔ اقول اسپر شعر یاد آگیا ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد (شت)

حکایت (۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب تھے جو دلی کی
جامع مسجد کے پیچھے کی دو دکانوں میں سے ایک دوکان میں رہتا تھا، اور وہ اس زمانہ کے لوگ اُس
کے نہایت معتقد تھے، اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی اُن سیڑھیوں پر آ بیٹھتا تھا جو
دریبہ کی جانب ہیں اور اسکی شکل اسقدر ہیبتناک تھی کہ اکثر لوگ اسکے خوف سے اس طرف
کا راستہ چلنا چھوڑ دیتے تھے اور وہ اپنی کوٹھڑی میں بھی اور سیڑھیوں پر بھی شیر کی طرح

عزّایا کرتا تھا۔ رات کے وقت تو اس کی کوٹھری میں کوئی بھی گیا ہی نہیں، اگر کسی کو کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تھا۔ وہ مجذوب لڑکوں کو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا، مولانا اسمٰعیل شہید نے ایک روز اُس کی دوکان میں جانے کا ارادہ کیا، احباب نے منع کیا مگر انھوں نے کسی کی نہ سُنی اور دوکان میں پہونچ گئے۔ مجذوب مولانا کو دیکھ کر اسقدر زور سے عزّایا کہ کبھی اسقدر نہ عزّایا تھا، مخالفین تو بہت خوش ہوئے کہ آج اِن پر مجذوب کی مار پڑے گی، اور یا تو مرجائیں گے یا دیوانہ ہوجائینگے، یا اور کوئی بلا نازل ہوگی، مگر کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجذوب تھوڑی دیر تو عزّایا لیکن اسکے بعد اس کا عزّانا موقوف ہوگیا اور دونوں کی باتوں کی آواز آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو گھنٹہ کے بعد مولانا اسکو نکال لائے اور باہر لاکر نماز پڑھوادی۔ اسکے بعد سے اس کی یہ حالت ہوئی کہ برابر نماز پڑھنے لگا اور عزّانا وغیرہ سب موقوف ہوگیا مگر کسی قدر دیوانگی باقی رہی۔

حاشیہ حکایت (۴۸) قولہ مار پڑے گی۔ **اقول** یعنی اسکے تصرف باطنی سے کوئی سخت گزند پہنچے گا۔ **فائدہ**۔ مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں ناقص کو کبھی دُنیوی ضرر کبھی دینی ضرر پہونچ جانا محتمل ہے (شت)

حکایت (۴۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص بڑے لوگوں میں سے جن کا نام تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ ان کو منشی صاحب کہتے تھے، انھوں نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید سے اپنے یہاں مردانہ میں وعظ کہلایا اور وعظ مولانا کی یہ حالت تھی کہ جو تڑاق پڑاق انکے وعظ میں ہوتی تھی اُس وعظ میں نہ تھی بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ مولوی رستم خاں بریلوی جو مولانا کے خازن اور نہایت جان نثار تھے ان سے اُن منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز اُبھرتی کیوں نہیں اس کا کیا سبب ہے، چونکہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے اسلئے انھوں نے جواب میں

فرمایا کہ اس ضعفِ لہجہ کا سبب یہ ہو کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے اور انھوں نے تین وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ منشی صاحب یہ سُن کر اُٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولٰنا اب وعظ کو موقوف فرما دیجئے مجھے اور بھی ضروری کام ہیں۔ وعظ موقوف ہو گیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان میں لے گئے۔ وہاں اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ مولانا یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا منشی جی تم سے کسی نے کہدیا ہو مگر میں کھانا نہ کھاؤنگا، اُنھوں نے پوچھا حضرت کیوں، آپنے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہو اور میں اُنسے الگ نہیں کھانا کھا سکتا، انھوں نے ساتھیونکو بھی بُلالیا اور سبکو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔

حاشیہ حکایت (۴۹) قولہ میں اُن سے الگ کھانا نہیں کھا سکتا۔ اقول یہ ادائے حقوق مرافقت ان حضرات کے ادنیٰ کمالات سے ہو۔ (تت)

حکایت (۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے میاںجی محمدی صاحب اور حکیم خادم علی صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی اور میاںجی رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے سُنا ہے، یہ حضرات فرماتے تھے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب کے وعظوں کا زور شور ہوا تو اُس زمانہ میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا (فدا حسین مذکور سر سید کی نانی کا بھائی تھا، اور نہایت بددین صوفی تھا اور اسقدر با اثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک لائق شاگرد مولوی عبداللہ کو اور شاہ غلام علی صاحب کے ایک خاص مُرید کو بھی تباہ کر چکا تھا۔ مولانا نے فدا حسین مذکور کے فتنہ کو دُور کرنے کی کوشش کی اور اسکے مُریدوں کے پاس پہنچکر اور اُن کو پکڑ پکڑ کر اور فدا حسین کے جلسوں میں جا جا کر امر بالمعروف کرنا شروع کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے کئی مُرید تائب ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس پر فدا حسین کے مریدوں کو بہت صدمہ ہوا اور وہ سب اکٹھے ہو کر فدا حسین کے پاس آئے، اور فدا حسین سے یہ کہا

آپ مولنا پر تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فدا حسین نے اپنے سارے مجمع کو بٹھا کر ان سے یہ بات کہی کہ خبردار مولنا سے کبھی نہ الجھنا دیکھو اگر بادشاہ یہ حکم دے کہ میرے قلمرو میں رات کے دس بجے کوئی شخص تنہا یا بلا روشنی کے نہ نکلے اور پولیس کو حکم کردے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو اُسے گرفتار کرلو۔ تو پولیس والے اس حکم کی تعمیل میں ہر ایسے شخص کو گرفتار کر کے حوالات کر دینگے جو خلاف حکم شاہی رات کے وقت تنہا یا بلا روشنی کے جا رہا ہو خواہ وہ بادشاہ کا دوست ہو یا کوئی اور۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ نمک حرام اور شاہی مجرم ہیں۔ اب اگر وہ شخص بادشاہ کا مقرب ہونے کے زعم میں اُن پولیس والوں کی مزاحمت کرے تو اسکی یہ مزاحمت بادشاہ سے مقابلہ سمجھی جائے گی۔ پس ایسی حالت میں اس کا فرض ہے کہ وہ پولیس والوں کی اطاعت کرے اور اُن سے مزاحمت نہ کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوگا بادشاہ اُسے خود رہا کر دیگا۔ تو جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ مولانا حق تعالیٰ کے مامور ہیں اُن سے مزاحمت کرنا حق تعالیٰ سے مزاحمت کرنا ہے اسلئے تم اُنکی مزاحمت نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے آشنائی پیدا کرلو۔ جب تم اس کے سامنے پیش ہوگے وہ خود تم کو رہا کر دیگا پس تم خبردار مولانا سے کبھی نہ الجھنا۔

حاشیہ حکایت (۵۰) **قولہ** تم ان کی مزاحمت نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے آشنائی پیدا کرلو۔ **اقول**۔ اس شخص کی تقریر مرکب ہے ایک اقرار ایک دعویٰ سے اقرار یہ کہ مولنا سے مزاحمت جائز نہیں یہ اقرار مقر پر حجت ہے اور دعویٰ یہ کہ ہم موجودہ حالت میں خدا تعالیٰ کے دوست ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل غیر مسموع ہے (دہشت)

حکایت (۵۱) خاں صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب نے اور حکیم خادم علی صاحب نے اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے اور اُن کے علاوہ اور بہت سے

لوگوں نے بیان کیا کہ فداحسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جس میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ جب میں اس مسجد کے نیچے آتا ہوں تو جو کچھ میرے قلب میں ہوتا ہے سب سلب ہو جاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہو جاتا ہوں پھر آجاتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۵۱) **قولہ** جو کچھ میرے قلب میں ہے سب سلب ہو جاتا ہے۔
اقول جاء الحق وزھق الباطل، کا یہ ایک ظہور ہے (ش ت)

حکایت (۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبد القیوم صاحب داماد جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد ضلع بلند شہر میں جو شاہ صاحب کے خاندان کے گاؤں تھے۔ اُن کی تحصیل کے لئے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بیمار ہو گئے اسلئے اس مرتبہ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بیٹے کو بھیجنا چاہا۔ اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کو دیہات کے حالات معلوم تھے کیونکہ وہی تحصیل کے لئے جایا کرتے تھے اس لئے اُن سے دیہات کے حالات پوچھے تاکہ تحصیل میں آسانی ہو۔ مولینا نے تمام واقعات وحالات بتلا دیئے اور یہ بھی بتلا دیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتا ہوں (اور بھٹیاری کا پورا پتہ بتلا دیا) اور اسکو اسقدر دیا کرتا ہوں تم بھی وہیں ٹھہرنا اور اس سے یہ کہدینا کہ میں اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہوں مولوی موسیٰ یہ ہدایت لیکر روانہ ہو گئے اور بھٹیاری کے یہاں پہنچے۔ اس نے ان کی بھی اسی طرح خاطر کی جس طرح وہ مولانا کی کیا کرتی تھی۔ رات کے وقت اس نے مولوی موسیٰ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی۔ مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم یہ سامان کیوں کرتی ہو نہ لوٹوں کی ضرورت ہے اور نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی

جب صبح ہوگی مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیں گے۔ بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور
کہا کہ میں تو تمھاری صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولوی اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو (کیونکہ
یہ شاہ صاحب کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمھارے اس کہنے سے یقین ہوگیا۔
مولوی اسمٰعیل بھی صبح کی نماز مسجد ہی میں پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر سوکر اُٹھ بیٹھتے اور
وضو کرکے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں
اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں ان کا بڑا بھائی ہوں میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو ان سے عابد
بھی زیادہ ہوگے مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔ مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری سے یہ باتیں سنکر

حاشیہ حکایت (۵۲) قولہ اس کہنے سے یقین ہوگیا۔ **اقول** یعنی یہ کہ تم ان
کے بھائی نہیں ہو۔ **قولہ** تم بڑے ہو تو ان سے عابد بھی زیادہ ہوگے۔ **اقول** یعنی
اصل یہی ہے کہ عمر کی زیادتی کے ساتھ کمالات دین میں بھی ساتھ ساتھ ترقی ہوتی رہے۔ (ش ت)

حکایت (۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سُنی مگر
حکیم عبدالسلام صاحب فرماتے تھے کہ میرے عقیقہ میں سید صاحبؒ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ اور
مولوی عبدالحی صاحب بھی شریک تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ
اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرماتا ہے اور جو کام کئی روز میں نہیں ہوسکتا۔ وہ
اسکو چند گھنٹوں میں کرلیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کرلیتے
ہیں اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت
حاصل ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک
قرآن شریف ختم کرلیتے ہیں۔ اس بنا پر لوگ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہمکو
بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرادیجئے۔ چنانچہ گومتی کے پُل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں
آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کردیا۔ یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے

بیان فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب بیشک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بیحد کرتے تھے مگر ان سے اسکی تصدیق کا موقع نہیں ملا۔ مگر مولوی محمود پھلتی نے اس قصہ کو سنکر اسکی تصدیق کی۔

حاشیہ حکایت (۵۳) **قولہ** میرے عقیقہ میں سیّد صاحبؒ الخ **اقول** خاص عقیقہ کا وقت مراد ہونا لازم نہیں دعوت کا وقت مراد ہونا ممکن ہے **قولہ** قرآن شریف ختم کردیا **اقول** اس کرامت کا اختیاری ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ اسوقت ماذون ہوں۔ (شفت)

حکایت (۵۴) خان صاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں یہ میں نے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے اور غالباً ان بیان کرنے والوں کی تعداد سو سے کم نہوگی اس لئے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا۔ صرف چند آدمیوں کے لکھواتا ہوں۔ حکیم خادم علی صاحب، مولوی سراج احمد صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، مولانا گنگوہی صاحب مولانا نانوتوی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری، مولوی عبدالقیوم صاحب، میانجی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سُنا ہے۔ مگر جو مجھے بسند متصل یہ قصہ پہنچا ہے تو اس میں اور دوسرے لوگوں کی روایت میں اخیر میں ذرا سا فرق ہے۔ اب میں قصہ سُناتا ہوں (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی منیر خاں صاحب رئیس خانپور اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی ولایت پر خود اُنکی صورت شاہد تھی اور اس کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ یہ صاحب مولوی محمد یعقوب (مولوی محمد اسحٰق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے۔ جب مولانا اسحٰق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت کی ہے تو یہ سانڈنی پر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ردیف ہو کر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے، یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب سے اُن کے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے انھوں نے ان کے حالات بیان فرمائے او

فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے۔ مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ اُن سے ملکر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمّت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے وعظوں کی وجہ سے دِلّی کے شہدے اور بدمعاش آپکے یہاں تک دشمن ہوگئے تھے کہ اُن کے قتل کی فکر میں تھے اسلئے ہم لوگ اُن کی بہت حفاظت کیا کرتے تھے۔

(اصل قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے) ایکمرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازے میں کو چلدیئے جو قلعہ کی جانب ہے میں نے لپک کر اُن کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ میں اسوقت تمھیں تنہا نہ جانے دوں گا۔ اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چلدیئے میں بھی ذرا فاصلہ سے اُنکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اُس کا نام موتی تھا۔ مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں۔ وہ لونڈی یہ سُنکر چلی گئی اور جاکر کہدیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ رنڈی نے کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ جاکر دیدے۔ وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سُن لے۔ اُس نے جاکر کہدیا۔ رنڈی نے کہا کہ اچھا بُلالے، وہ بلا کرلے گئی۔ مولانا جاکر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپنے سورۂ والتین ثم رددناہ اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جاکر مولانا کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مولانا نے اسقدر بلیغ اور موثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا۔ اُس رنڈی کے یہاں بہت سی

اور رنڈیاں بھی تھیں۔ اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے اُن پر اس کا یہ اثر ہوا کہ
سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچگیا اور انھوں نے ڈھولک ستار وغیرہ
توڑنے شروع کئے اور موتی اور اُس کے علاوہ اور کئی رنڈیاں تائب ہوگئیں۔ اس کے
بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اُٹھکر چلدیئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا۔ یہانتک تو باستثار
مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے۔ یہاں سے خاص حاجی
منیر خاں کی روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ جب
مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے ہیں تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمھارے
دادا ایسے تھے اور تمھارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے سلامی
بادشاہ رہے ہیں۔ مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے
اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے
ہوگئے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپنے یہ کیا فرمایا آپ اسکو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ
بھی نہیں ہیں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے جس روز دلی کے شہدے
میرا منہ کالا کرنیکے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا
ہوں گا قال اللہ کذا و قال رسول اللہ کذا۔ یہ سُنکر میری یہ حالت ہوئی۔ کہ میں
کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہوگئی اور اس کے بعد کبھی
مجھے اُن سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حاشیہ حکایت (۵۳) قولہ فی آخر القصہ۔ میں تو اُس روز سمجھونگا الخ
اقول اللہ اکبر مدعیانِ فنا آئیں اور دیکھیں فنا اسکو کہتے ہیں ایک عاشق نے اسی منظر سے
عارف شیرازی کے اس شعر کی تفسیر کی ہے ؎

من حالِ دل اے زاہد با خلق نخواہم گفت ✽ کایں نغمہ اگر گویم با چنگ و رباب اولی (مثنت)

حکایت (۵۵) خان صاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا۔ علی نقی خاں اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اسکا میر منشی۔ علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کے لئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا۔ اس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے۔ اسلئے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ فرما دیجئے۔ مولانا عبدالحی صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جبتک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جاوے اسوقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے۔ اسلئے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا۔ اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا۔ مولانا پھر بھی خاموش رہے۔ اس پر سبحان علی خاں بولا کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں۔ ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے۔ اسلئے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔ یہ سنکر مولانا عبدالحی صاحب نے زور سے ہوں کر کے (کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اول ہوں کرتے) فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان اور یہ فرما کر سلسلۂ تقریر شروع فرمایا اور اول ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیاء تھے اور ابلیس بے حیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیا ہونا اور ان کی قوم کا بے حیا رہونا ثابت فرمایا۔ پھر دوسرے انبیاء کا باحیاء ہونا اور اُن کے مخالفین کا بے حیاء ہونا

ثابت فرمایا اور اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیا ہونا اور ان کے
مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا۔ اسکے بعد صحابہ کا باحیا ہونا اور انکے مخالفین کا
بے حیا ہونا ثابت فرمایا۔ اسکے بعد فرق اسلامیہ میں اہل سنت کا باحیا ہونا اور ان کے
مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت کیا اور خاتمۂ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا
کہ الحمد للہ سنت انبیاء اور اُن کے متبعین کے مطابق عبد الحی باحیا ہے۔ اور روافض
بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بے حیا۔ اور اسپر تقریر
کو ختم فرمادیا۔ یہ مضمون تو ختم ہوا اثناء تقریر میں سبحان علی خاں مولوی عبد الحی صاحب
سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے وہ سوالات
وجوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر مجھے یاد ہیں وہ لکھواتا ہوں۔ مولانا
عبد الحی صاحب کی تقریر میں حضرت عمرؓ کی فتوحات کا اور اُن منافع کا بھی ذکر آگیا
جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہنچے۔ اس پر سبحان علی خاں نے باآواز بلند حدیث
پڑھی ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر اسپر مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھے
اور مولوی عبد الحی صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا جواب میرے ذمہ ہے
اور سبحان علی خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سبحان علی خاں تم اسکو تسلیم کرتے ہو کہ
حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی۔ اس نے اقرار کیا کہ ہاں۔ آپنے پھر یہی سوال
کیا اُس نے پھر وہی جواب دیا۔ جب سب کے سامنے کئی بار اُس سے اقرار کرالیا تب فرمایا
کہ یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمرؓ فاجر تھے یا نہ تھے لیکن اسوقت آپنے اتنا تسلیم کرلیا
کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی اب اتنا ذرا اور بتادو کہ اصول تشیع کے مطابق
دین کو نفع پہنچایا یا اصولِ سنت کے مطابق۔ اسکے جواب میں سبحان علی خاں بالکل خاموش
ہوگیا۔ جب وہ جواب نہ دیسکا تو خود مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ

اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا اسلئے ضرور یہی کہا جاویگا کہ اصولِ اہلِ سنت کے مطابق نفع پہنچا۔ پس ثابت ہوا کہ دینِ حق مذہب اہل سنت ہی۔ ایک موقع پر مولوی عبدالحی صاحب نے حضرت علیؓ کے متعلق کچھ بیان فرمایا۔ اسی موقع پر سبحان علی خاں نے حدیث لحمک لحمی و دمک دمی پڑھی۔ اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مولینا ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا بھی جواب میں دونگا اور اسکے بعد سبحان علی خاں سے فرمایا کہ سبحان علی خاں سنو! اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر۔ اسکے جواب میں سبحان علیخاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے صحیح نہ ہوا۔ سبحان علی خاں سے کچھ جواب بن آیا اور خاموش ہو گیا۔ ایک موقع پر سبحان علی خاں نے مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپکے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے۔ بلکہ اُن کے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ اسکے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اُن کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا پس یہ تعمیل ہے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کہ نسخ حکم نبوی۔ اسکے جواب میں بھی سبحانعلی خاں خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن آیا۔ غرضکہ اسی طرح اور بھی کئی سوال و جواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سبحان علی خاں ہر مرتبہ ساکت ہوا۔ آخر میں ایک موقع پر پھر اُس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا تھا کہ مولانا، کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سبحان علی خاں سے کہا کہ بس کرو بہت گالیاں شنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

حاشیہ حکایت (۵۵) قولہ فی اول القصہ کھانے کے لئے سب کو اقول شیعی کی دعوت قبول کرنے پر شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مصلحت دینیہ کا موقع مستثنیٰ ہے باقی کسی چیز کے ملا دینے کی ممانعت سو ایسی حرکت کمینہ طبع لوگ کر سکتے ہیں شرفاء اور عالی رتبہ لوگ نہیں کر سکتے بخصوص جب اس جماعت والے بھی شریک ہوں (ششت)

حکایت (۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے استاد میانجی محمدی صاحب، حکیم خادم علی صاحب، حکیم عبد السلام صاحب ملیح آبادی، قاضی عبد الرزاق جبوری اور مولوی عبد القیوم صاحب سے سنا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے لکھنؤ میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے۔ چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اسلئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ مولانا ممبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا۔ مولوی عبد القیوم صاحب مولوی عبد الحی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اس وعظ میں دو نو عمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا اور دوسرے کا نام محمد مرتضیٰ مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب شیعہ کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب نہ اسکے پاس فوج ہے نہ ہتیار پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو یہ اسقدر جرأت دکھلا رہا ہے۔ تو وہ کونسی بات ہے جو اس کو اس بیباکی اور سرفروشی پر آمادہ کر رہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں ہمارے ائمہ ہمارے

مذہب کی روایات کے مطابق اسقدر قوی اور شجاع تھے کہ اُن کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی۔ اور اسکے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اسقدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیونکہ یا تو اُن کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا اُن کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہبِ خوارج جو اِن کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہبِ اہلِ سنت وجماعت، جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت با ایمان تھے اور ان کی شان لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہلِ سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں اُن کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ اُن کا افترا ہے اور جب مذہبِ تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہلِ سنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہلِ سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ اسکو سنکر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا ممبر پر سے اُتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے۔ اس لڑکے نے ممبر پر جا کر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ صاحبو آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جراٴت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا نہ ارکانِ دولت کا اور نہ عام رعایا کا۔ محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ اُن کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اسقدر جرأت دکھلا رہے تھے اسکا سبب

کیا ہے اور وہ کونسی قوت ہے جس نے ان کو اسقدر جانباز اور جری بنا دیا ہے میرے نزدیک وہ قوت صرف قوتِ ایمانی ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتی کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے۔ اگر اسکا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی اوّل تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت سے کم نہ ہونگے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسمٰعیل کی سی جرأت نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہبِ تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا۔ اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہبِ اہلِ سنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا وہ پکے سُنّی تھے جیسے اہلِ سنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سُنی ہوتا ہوں۔ اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا۔ آخر وہ منبر پر سے اُترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ اب آپ وعظ فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا۔ اسلئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے۔ جب یہ سُنی ہو گئے تو انھوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا۔ اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہانتک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۵۶) قولہ فی آخر القصہ اسلئے اب مجھے کہنے

کی ضرورت نہیں رہی۔ **اقول** یہ ہے اخلاص فی النیۃ والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا۔ جب دوسرے شخص کے واسطے سے حاصل ہو گیا گو وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا ورنہ طالبان جاہ اس سُبکی کو کب گوارا کر سکتے ہیں یہی حقیقت ہے حضرت علی خواص رحؒ کے اس ارشاد کی کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت تلقین کرتا ہو اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنے والا آجاوے تو یہ طالبوں کو اُس کی طرف متوجہ کر دے اھ یہ وہی کر سکتا ہے جسکو تصدر و تقدم و ترفع مقصود نہ ہو۔ (**ثت**)

حکایت (۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اسلئے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے بلکہ الگ ٹھہرا کرتے تھے اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے۔ جب سیّد صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سیّد صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے۔ اور مفتی الہٰی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے۔ ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا زنگت کالی تھی۔ ابتدا میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انھوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا تھا۔ اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے رئیس تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں ایک جلی دوسرے خفی مولوی وجیہ الدین صاحب نے

اسکو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس پر اُن سے اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آ گئے۔ اسپر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انھوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اُس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے۔ یہ مولوی وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج کیلئے آٹا پیسا کرتے تھے۔ آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ کبھی آٹا اُن کے مُنہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔ اُن کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچّہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اسلئے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاق سے ہوا ناموافق ہوگئی اور جہاز میں پانی کم ہوگیا اسلئے جہاز والوں نے اعلان کردیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملیگا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا۔ اسکے بعد جب پانی بالکل ختم ہوگیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اسلئے ہم پانی نہیں دیسکتے۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں علاوہ سیّد صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ اب ان لوگوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہمپر یہ بلا آئی ہے لہذا اسکو روکنا چاہئیے اور دعائیں کرنی چاہئیں۔ اسکی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے لوگونکو ہوئی مولوی وجیہ الدین معہ چند دیگر اشخاص کے اُن لوگوں کے پاس پہنچے اور اُن کو مولانا شہید کی عظمت وشان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمھاری اس گستاخی اور

بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ تم کو چاہئے کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے معافی چاہو اور اُن سے دُعا کی درخواست کرو۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں۔ اسپر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مسقطی حلوا کھلاؤں گا۔ اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اسپر آپنے دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر دُعا کی جس کا اثر اُسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبا ؤ چوڑاؤ میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا مولانا نے اسکو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے۔ لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لئے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔ اور اسکے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کیلئے دعا کی درخواست کی۔ پھر آپنے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ مگر میری دُعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی۔ اسپر کسی اور ہی نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اسپر آپنے سب لوگوں کے ساتھ ملکر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حاشیہ حکایت (۵۷) قولہ مذاق کرتے تھے اقول لا یسخر قوم من قوم کے خلاف کا شبہ نہ کیا جائے اس کا محمل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہو اسکو حقیر سمجھے چنانچہ اس کی علت میں عسی ان یکونوا خیرا منہم ارشاد فرمانا اس کی قطعی دلیل ہے اور مٹھائی کی شرط یہ بھی اسی مزاح کا ایک شعبہ ہو۔ (ش ت)

حکایت (۵۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب و مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لیکر خانہ کعبہ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہونگی تو ہم تلوار سے سر اڑا دینگے اسپر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور ان کے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ کو بند کرا کر چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سنا ہے اسکے بعد فرمایا کہ ایکمرتبہ ملاجیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے اسوقت بھی مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاجیون نے اسکو روکا تھا۔ مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہوگیا جسکو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حاشیہ حکایت (۵۸) قولہ ہم تلوار سے سر اڑا دینگے۔ **اقول** یہ تہدید تھی مراد نہ تھی۔ (اشرف)

حکایت (۵۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصراللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب، مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فریدالدین صاحب مرادآبادی، مومن خاں، عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے

ہیں۔ اور بعض جگہ تشدّد بھی ہوگیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھدیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا۔ لیکن اسوقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اسلئے میں اس کام سے معذور ہوگیا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اُٹھائیگا نہیں۔ اسلئے میں نے یہ کتاب لکھدی ہے گو اس سے شورش ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہوجائینگے یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کردیا جاوے۔ اسپر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے۔ اسپر مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اسپر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اسی طرح اسکی اشاعت ہوگئی اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب مساجد میں۔ چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۵۹) قولہ تشدد بھی ہوگیا ہے اقول اس تشدّد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا ہے۔ قولہ ورنہ اسے چاک کردیا جاوے۔ اقول ایسے بزرگ پر تشدّد یا اصرار یا استبداد کا شبہ اگر ظلم نہیں تو کیا ہے۔ (للشت)

حکایت (۶۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویت الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈہائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ حکایت (۶۰) قولہ بہت ہی نفع ہوا۔ **اقول** اسپر مولٰنا رومی کا ارشاد یاد آگیا۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود ✣ ایں از اخلاصاتِ ابراہیمؑ بود (شت)

حکایت (۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب لدھن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے انھوں نے ایکمرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا۔ وعظ کے بعد اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تقویۃ الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویۃ الایمان شائع ہو کر الدھن میں آئی ہے تو لوگوں میں اسکا چرچا ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہو گئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں۔ اسوقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سُنتے تھے انھوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایکمرتبہ فرمایا کہ لڑکو میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لئے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو۔ ہمیں تو بتلاؤ کیا بات ہو۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے اسپر یہ بحث مباحثے ہوتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سُناؤ۔ ہم نے تقویت الایمان اول سے لیکر آخر تک سُنائی۔ اسکو سُن کر آپنے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کر لو اسوقت میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپنے فرمایا کہ میں ابتک دُنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے انکی باتیں بالکل میرے جی کو نہ لگتی تھیں

میں سمجھتا تھا کہ دنیا اسوقت گمراہی میں مبتلا ہے اور میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا
نویں میں بھانگ پڑی ہوئی تھی۔ نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔
وی اسمٰعیل کا احسان ہے کہ انھوں نے پانی اور بھانگ کو الگ کر دیا اور سیدھا راستہ
دیا۔ اب تمھیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پیئے جاؤ۔

شیہ حکایت (۶۱) قولہ پانی کو اور بھانگ کو الخ اقول کیا اچھا فیصلہ ہو (شت)

کایت (۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں
ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے ان کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں
یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اس میں
یا کرتے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے
خدمت میں پہنچے اور ان کو وہ اپنی تحریرات سنائیں جو انھوں نے مولانا شہید کے
لکھی تھیں اور اُن سے انکی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی اتنے میں جماعت تیار
ی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کرینگے۔ مولوی فضل رسول کے ساتھ
خص بھی تھا۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور
ان کا ساتھی نہیں اُٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا۔ جب مولوی صاحب نماز پڑھکر تشریف
ے تو اُسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا۔ اسپر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت
یہ کون صاحب ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ
مالے ساتھ کتنے دنوں سے ہیں۔ انھوں نے مدت بتائی۔ اسپر مولوی صاحب نے
یا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپکے موافق لکھدوں گا
لحمد للہ کہ اسوقت نماز کی برکت سے مجھپر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص
ا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمھارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اسکے تم اسے مسلمان

دغابازی بھی د بنا سکے۔ اور مولوی اسمٰعیل جس طرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دیند
بنا گیا ہے پس قابل تکفیر تم ہو۔ نہ کہ مولوی اسمٰعیل۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جا
میں کچھ نہ کہوں گا۔ اسپروہ بے نیل ومرام واپس ہو گئے۔ یہ قصہ بیان کرکے خانصاحب
فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا۔ حالانکہ وہ بڈ
ہو گیا تھا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی۔ بٹ
بازی۔ مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

حاشیہ حکایت (۶۲) قولہ پس قابل تکفیر الخ اقول اس بنا پر نہیں کہ بھ
اثر ساتھی پر نہ ہوا بلکہ اس بنا پر کہ اتنے بڑے خادم اسلام کی تکفیر کی جو بڑے
موجب تکفیر ہی پس حدیث کے جو معنی بھی ہیں اسی معنی کر یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی دشت

حکایت (۶۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب بردا
مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانے کا ارادہ
یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا۔ جب علماء رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو ا
نے آپس میں مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی ا
صاحب کو نیچا دکھایا جائے۔ اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کیلئے منتخب
کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد
جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپو
پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چلکر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی اور ا
لوگوں سے کہا کہ آپ صاحبوں کا رامپور تشریف لیجانا مصلحت نہیں ہو کیونکہ وہا
علماء نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں
اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت

ں ہے کیونکہ وہاں کے علماء ان کے خاص طور پر در پے ہیں۔ اسکے بعد وہ خاص طور پر
ی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور اُن سے خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا۔
درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لیجاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ آپکا احسان
کہ آپنے ہم لوگوں کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپکے ممنون ہیں لیکن
ئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اتنی پریشانی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ یا معقول
گفتگو کرینگے یا منقول میں گفتگو کرینگے تو جوبات ہمیں معلوم ہوگی ہم اسکا جواب
ور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہیں جانتے۔ اور اگر وہ معقول میں گفتگو
گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی دی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گوہ اُچھالینگے
کے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گوہ اُچھالینگے۔ دیکھیں وہ کہانتک چلتے ہیں
ں مولانا نے اپنا ارادہ منسوخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رامپور پہنچے۔ جب وہ
ور پہنچے ہیں تو حسب قرارداد باہمی علماء رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرے
ئے بھیجا۔ اُس نے پہنچکر مولانا سے سوالات شروع کئے۔ اور مولانا نے تمام سوالات
اب دیا۔ یہ گفتگو تین روز تک رہی۔ جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو
نا نے فرمایا کہ آپکے سوالات تو ختم ہوئے اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی
ں۔ انھوں نے اجازت دی۔ مولانا نے صرف چار سول کئے دو معقول کے اور دو
ل کے مگر اُن کو جواب نہ بن آیا۔ اسلئے انھوں نے مہلت چاہی کہ میں کل جواب دونگا
اجازت دیدی۔ اگلے دن صبح کی نماز کے وقت اُن کا حجرہ نہیں کھلا۔ لوگوں نے نماز
ئے اٹھانا چاہا۔ مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ
کر اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انھوں نے سر
پتھر مار کر خودکشی کرلی ہے۔

حاشیہ حکایت (۶۳) قولہ آپ کا احسان ہے اقول یہ ہے ادب مشیر کا کہ اگر
کے مشورہ پر عمل بھی نہ کیا جاوے تب بھی اسکی شکرگزاری کرے یہ نہیں کہ اسکو رد ک
شروع کر دے۔ جیسا آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے۔ قولہ ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہ
جانتے اقول یہ ہے ادب علم دین کا کہ جو بات معلوم نہ ہو بے تکلف لاادری کہدے
نہیں کہ اپنے جہل کو مختلف ایچ پیچ سے چھپاوے جیسا کہ آجکل متکبرین کا شیوہ
قولہ فی آخر القصتہ پتھر مار کر الخ اقول ایسا رسوائی کا خوف کیا مگر اس رسوائی سے
جبکہ اس قصہ کی شہرت ہوگئی یہ تو دنیا کا خسارا ہوا کہ جان اور جاہ دونوں برباد ہوئے
آخرت کا خسارہ کہ خودکشی پر استحقاق مواخذہ ہے یہ جدا رہا احقر کے وجدان میں خسارہ
سزا ہے اہل اللہ کے ساتھ عداوت اور آویزش کی بقول عارف شیرازی ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ٭ با درد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد۔ رشد

حکایت (۶۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان
تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب
کے بہت گہرے دوست تھے اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی
چاندنی چوک میں سے جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع
اسپر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا اور وہ تلوار نکالکر اسکے مارنے کو دوڑے
مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو
بیجا نہیں دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بددین ہے جو نئی نئی
نکالتا ہے سو اس ہیں وہ کیا بیجا کہتا ہے۔ میری باتیں اسکے لئے تو واقعی نئی ہیں
یہ باتیں ان بیچاروں کو کہاں سنائی ہیں پھر اسکو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں
نہ دے۔ اسکا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے مولانا کا دوست ہوگیا

حاشیہ حکایت (۶۴) قولہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ **اقول** آپنے کبریٰ کے صدق پر نظر فرمائی جو دینی مسئلہ ہے کہ جو نئی بات نکالے بد دین ہے اور صغریٰ ایک واقعہ ہے خود ان کی ذات کے متعلق اس میں کوئی دین کا ضرر نہیں اسلئے اسپر نظر نہیں فرمائی۔ رہا یہ کہ یہاں ایک صغریٰ اور بھی ہے کہ فلاں عمل (جو کہ واقع میں سنت ہے) نئی بات ہے اور یہ تغییر ہے شرع کی سو یہ ایک فرعی غلطی ہے جو کہ اعمال میں سے ہے اصولی غلطی تو نہیں جو کہ عقائد میں سے ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ جو نئی بات دین میں ہو وہ اچھی ہے اور فرعی غلطی سہل ہے اور اسکی اصلاح بھی قریب ہے (رشت)

حکایت (۶۵) خانصاحب نے فرمایا کہ اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک پتھر نیچا ہو گیا تھا اور برسات کے موسم میں اس میں گارا کیچڑ ہو جاتا تھا سب نمازی اپنے کپڑوں کو بچانے کے لئے اسکو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اسوجہ سے صف میں فرجہ رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب شہید خوش پوشاک تھے ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد میں تشریف لائے آپنے صف اول میں فرجہ دیکھا آپ اسی جگہ گارے کیچڑ میں بیٹھ گئے۔ اور کپڑوں کا ذرا خیال نہ فرمایا۔

حاشیہ حکایت (۶۵) قولہ کیچڑ میں بیٹھ گئے۔ **اقول** ایسے شخص کو تزئین کا حق ہے۔ (رشت)

حکایت (۶۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبد العزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطبا نے جواب دیدیا ان کے والدین کو اسوجہ سے تشویش تھی۔ اتفاق سے میاں جی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے ہیں اور میں مسجد کے اندر ہوں اور میرے پاس عبد العزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اُسے پیشاب کی ضرورت ہوئی۔ اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو رستہ نہ تھا

اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اس لئے میں اسے مولوی اسمٰعیل صاحب کیطرف کو لے گیا۔ جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انھوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھکر اسپر دم کردیا۔ اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبدالعزیز اچھا ہوگیا۔ اطبا غلط کہتے ہیں کہ یہ نہ بچے گا میں نے اسوقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ صبح ہوئی تو میاں عبدالعزیز بالکل تندرست تھے۔

حاشیہ حکایت (۶۶) قولہ عبدالعزیز اچھا ہوگیا اقول اس سے خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے (ثشت)

حکایت (۶۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود پھلتی بیان فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمن صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ مولوی عبدالرحمن صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید قصبہ پھلت میں منبر پر کھڑے ہوکر نکاح ثانی کی ترغیب دلا رہے تھے۔ پھلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر پوچھنا اور یہ فرماکر وعظ بند کردیا اور منبر پر سے اُتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہوگئے اور دہلی پہنچکر بہن کے پاس پہنچے۔ ان کی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں آپنے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا۔ انھوں نے کہا کیا بات ہے۔ آپنے فرمایا کہ تم نکاح کرلو۔ انھوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اسپر وہ رضامند ہوگئیں اور انکا نکاح

مولوی عبدالحی صاحب سے کردیا گیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونے کے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو اُن سے صحبت کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اسوقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔

حاشیہ حکایت (٦٧) قولہ کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اقول خالص دین یہ ہے جو اُن زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظ نفسانی کے محض احیاء سنت کیلئے نکاح کیا (شت)

حکایت (٦٨) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب بہتر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہو۔ انھوں نے کہا۔ میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دیکر انکا نکاح کروادیا اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں۔

حاشیہ حکایت (٦٨) قولہ اس سے تم سمجھ لو الخ اقول اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے۔ نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گاہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ (شت)

حکایت (٦٩) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتدا میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے۔

کنکوا بھی اُڑاتے تھے۔ شطرنج بھی کھیلتے تھے۔ مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اُڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے۔ حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔

حاشیہ حکایت (۶۹) قولہ چھوڑ کر چلے آتے۔ اقول یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا (شت)

حکایت (۷۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولٰنا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں اُن سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ گئے جب یہ دونوں میلے میں پہنچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لئے پڑھا تھا۔ کیا سوادِ کفّار بڑھانے کے لئے۔ آپکو معلوم ہے کہ آپ اسوقت کہاں ہیں آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفّار کے میلے کی رونق بڑھائے کسقدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا اور انھوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں۔ واقعی میری غلطی ہے۔ اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حاشیہ حکایت (۷۰) قولہ سید صاحب آپ نہایت بجا الخ اقول شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کسقدر مجاہدہ عظیمہ ہے (شت)

حکایت (۷۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر شاہ

بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے۔ یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اس لئے بادشاہ بھی اُن کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہلِ قلعہ اُن سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں۔ اور اسکے لئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا۔ جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی۔ اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے اُن کی بھی دعوت کی گئی۔ اور جو شہزادے وغیرہ اُن کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے۔ فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے۔ فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے۔ اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے تو جلسہ منعقد کیا گیا سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اسپر اور ان کو موقع ملا اور انھوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ ابتک نہیں آیا۔ اسپر وہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے ہیں اسوقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے۔ اُن کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے۔ آپنے اس کا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اخاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں سلام۔ جب انھوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو

بی چھکو کا غصہ سب کافور ہو گیا۔ اور انھوں نے بڑوں کے قاعدے سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ادہر اُدہر کی دو چار باتیں کرکے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا۔ بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں۔ اسپر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ جی ہاں چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد اور حدیث پڑھکر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سُنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کریگی تو اس حرامزادی کی ناک چُٹیا کاٹ لونگی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے۔ ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں۔ جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حاشیہ حکایت (۱۷) قولہ اماں سلام اقول اسپر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے، وہ اسمیں بھی ہو سکتی ہے باقی علیک کی تصریح نکرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور متشدد ہیں (ش)

حکایت (۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی یحییٰ صاحب کے والد) اور مولوی عبد الرحیم صاحب (رانڈ دنکی شادی والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ ہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے آپ حضرات

نظام الدین اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا۔ اور انھوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کردینا چاہیئے۔ اس پر ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا۔ غرض یہ امر طے پا گیا۔ ایک روز مولینا شہید جامع مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور اُن کا شانہ زخمی ہوگیا (خانصاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اس پر مولانا کے دوست اُس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے۔ مولانا نے اس بڈھے کو چھُڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

حاشیہ حکایت (۲۷) قولہ چھڑا دیا۔ **اقول** حیلولۃ بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے۔ کیونکہ یہ انتقام اپنی مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے لئے تھا اور یہ متیقن تھا کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کرینگے۔ (ش ت)

حکایت (۷۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبد العزیز کے شاگرد تھے اور اُن کے کاتب تھے شاہ صاحب سے

---

۵۶ یہ حاشیہ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر وہ لوگ اس شخص کا انتقام لے رہے تھے جسکو تلوار سے زخم پہنچا تھا اور اس لئے انتقام ان کا حق شرعی تھا پس مولانا کا اس بڈھے کو چھڑانا اور انتقام سے روکنا خلاف شرع ہوا کہ دوسروں کو ان کے حق شرعی سے محروم رکھا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مولانا کو قرائن سے معلوم تھا کہ اُن کا مقصود زخمی کا انتقام نہ تھا بلکہ مولانا کا انتقام تھا کہ اُس نے مولانا پر ناحق حملہ کیوں کیا پس مولانا کا انتقام سے روکنا اپنے حق کو معاف کرنا ہے جو شرعاً نہایت مستحسن ہے دوسرا جواب علی سبیل التنزل یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ وہ زخمی کا بھی انتقام لے رہے تھے تو مولانا کا چھڑانا اس وجہ سے تھا کہ تعلقات کی بنا پر مولانا کو اپنی سفارش کے بعد طیب خاطر سے معاف کر دینے کا یقین تھا ۱۲ ظہور الحسن کسولوی عفرلہ

عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے۔ اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آگیا تو اسکے ساتھ ہو جاؤں گا مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کرینگے۔ اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اسوقت دفع الوقتی فرما دی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپنے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ اسوقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انھوں نے اسوقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہونگے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اسکو سنکر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو

اسوقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلافِ سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حاشیہ حکایت (۷۳) قولہ یہ حکم اسوقت ہے الخ **اقول** اسوقت بیساختہ زبان پر آتا ہے وفوق کل ذی علم علیم۔

حکایت (۷۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپکے پاس تحریر پہنچی۔ آپنے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا۔ ایکمرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس آ گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے۔ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا کہ فلاں وقت دونگا چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی اسلئے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل عاجز ہو گئے اور یہ سمجھکر کہا کہ بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انھوں نے کہا کہ وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے۔ اسپر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرہ میں غالب رہے چونکہ گفتگو میں مزاج مکدر ہو گیا تھا اسلئے مومن خاں یہ شعر کہکر چلدئے ؎

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں = مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے) جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ اُن کو منانے کیلئے گئے۔ کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی اسوقت مومن خاں نے یہ شعر پڑھا ؎

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم ✤ پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

یہ قصّہ بیان فرما کر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سُنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے۔

حاشیہ حکایت (۷۴) قولہ مومن خاں کا بھی کمال ہے کہ حق پر اتنی پرانی دوستی قطع کر دی۔ اور مولوی صاحب کا بھی کمال کہ باوجود اتنی بڑی شان کے اُن سے صلح کی ابتدا فرمائی۔ (ش ت) (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۷۵) حاجی امیر شاہ خانصاحب خادم خاص حضرت نانوتویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے ملا نواب صاحب نے (جو شاگرد ہیں حافظ دراز محشی صدرا کے اور شاگرد ہیں مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کے اور مجاز ہیں شاہ احمد سعید صاحب برادر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے اور استاد ہیں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کے) روایت کی (نیز مولوی اسمٰعیل صاحب ابن ملا نواب صاحب نے بھی اس واقعہ کی روایت کی) کہ میں (یعنی ملا نواب صاحب) پندرہ برس کا تھا اور اپنے اُستاد حافظ دراز صاحب کی انگلی تھامے ہوئے (جو نابینا تھے) مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ وہ وقت تھا کہ مولانا شہیدؒ پشاور میں قیام پذیر تھے اور اپنے گھوڑے پر کھرّہ کر رہے تھے) حافظ دراز صاحب نے اسی حالت میں چند معقولی سوالات کئے۔ جن کا جواب حضرت شہیدؒ نے نہایت سادگی اور متانت سے اسی وقت دیدیا۔ حافظ دراز صاحب شافی جوابات لیکر واپس ہونے لگے تو مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحب ایک سوال میرا بھی ہے حافظ صاحب ٹھہر گئے اور مولانا کا سوال سُنا اور جواب دیا۔ اسپر مولانا نے شبہ فرمایا اس کا جواب

پھر حافظ صاحب نے دیا مولانا نے اسپر پھر شبہ پیش فرمایا۔ حافظ صاحب نے اسکا بھی جواب دیا۔ مولانا نے پھر تیسری دفعہ خدشہ پیش فرمایا تو حافظ صاحب کو غصہ آگیا اور طیش میں آکر بجائے جواب کے غیر مہذب عربدہ شروع کر دیا جس سے مولانا کی پگڑی زمین پر گر پڑی مولانا نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اٹھا کر پھر سر پر رکھ لی۔ اور فرمایا کہ حافظ صاحب میں نے تو آپکے کتنے سوالات کے جواب عرض کئے مگر آپ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔

حاشیہ روایت (٧٥) اس عربدہ پر ایک شعر یاد آگیا ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را ✤ بہ پرخاش درہم کشد روئے را

دوسرا شعر حضرت شہیدؒ کے تحمل پر ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ✤ دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

حکایت (٧٦) اس کتاب کی حکایت نمبر (٥٤) میں بذیل مکالمہ حضرت مولانا شہید اور سبحان علی خاں میر منشی علی نقی خاں وزیر شاہ اودھ تین سوال سبحان علی خاں کے نقل کئے گئے ہیں جن کا جواب مولانا شہیدؒ نے حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کا وعظ روک کر دیا انھیں میں سے ایک مسئلہ اور ہے جو خاں صاحب نے مجھ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے فرمایا اور وہ یہ کہ اثنائے وعظ میں ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آیا تو سبحان علی خاں پھر بولا اور اُس نے حضرت علی کی شان میں زبان مدح اور حضرت امیر معاویہ نیز اور دوسرے صحابہ کی شان میں زبان تنقیص کھولی تو مولانا شہید پھر کھڑے ہوئے اور مولانا عبدالحی صاحب کو روک کر سبحان علی خاں سے استفسار کیا کہ بتاؤ حضرت علی کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرا ہوتا تھا؟ اس نے کہا کہ نہیں حضرت علی کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔ پھر پوچھا کہ حضرت معاویہ کے یہاں حضرت علی پر تبرا ہوتا تھا؟ کہا کہ بیشک ہوتا تھا۔ اسپر مولانا شہید نے فرمایا کہ اہل سنۃ الحمد للہ حضرت

علیؓ کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہؓ کے اور پھر خود ہی اپنے امام کے حق میں زبان
تنقیص بھی کھولتے ہیں اور ہم اپنے امام کے مقلد ہیں کہ ان کو اور اُن کے سوا سب صحا
کو اپنا مقتدا جانتے ہیں۔

حکایت (۷۷) مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جب سیّد صاحب کے قافلہ میں حج سے واپس
ہوئے ہیں تو راستہ میں لکھنؤ میں بھی قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی
وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ دہلی ابھی چلے جائیں اور وہاں
پہنچکر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں۔ اور مولانا شہید کو خاص اپنی سواری
نقرئی رنگ کا گھوڑا سواری کے لئے دیا۔ مولانا شہید ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار
نہیں ہوئے کہ سید صاحبؒ کا خاص گھوڑا ہے بلکہ لکھنؤ سے دہلی تک اس کی لگ
تھامے کر آئے۔

حاشیہ روایت (۷۷) اس میں بھی وہی تقریر ہے جو روایت بالا کے متعلق لکھی گئی

حکایت (۷۸) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضر
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل شہید رح کا ذہن اسدرجہ سریع الانتق
تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھلا کر پانچ مختلف مضامین لکھاتے تھے اور اس طر
بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رُکتا تھا۔

حکایت (۷۹) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ
فرماتے تھے کہ مولانا رشید الدین خاں صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ
شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوۃ و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کئے ج
تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو دین
کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ مولا

شہیدؒ معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے) اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خانصاحب عیادت کیلئے تشریف لیگئے۔ مولانا شہید فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی اور انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشید الدین خانصاحب بالکل ساکت رہے واپس ہونے پر اُن کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ فرمایا کہ بیشک میں نے یہ کہا تھا۔ مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دیسکتے۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۸۰) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جس کا نام بی چھکو تھا بڑی تیز مزاج تھی۔ اُن سے کسی نے یہ کہا کہ مولٰنا اسمٰعیل (شہیدؒ) بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا بلاؤ مولٰنا اسمٰعیل (شہیدؒ) کو۔ وعظ کے حیلے سے بُلایا گیا۔ مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے آنے کے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکو سے کسی نے اس طرح سے لگایا ہے۔ مولٰنا نے بی چھکو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام۔ انھوں نے کہا کہ اسمٰعیل ہیں نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ فرمایا۔ اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے۔ بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں۔ کہا یہ کیسے آپنے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار حدیث پڑھکر اس پر ایک مبسوط بحث کی جس سے وہ تائب ہوگئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو اُن کی رضامندی ہی کیلئے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

حکایت (۸۱) فرمایا کہ بی بی کی صحنک شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ کے گھر میں بھی ہوتی تھی۔ اس کے خاص آداب ہیں یہ کہ کھانے والی کوئی دوخصمی نہ ہو۔ اسکو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔ ایکمرتبہ جب شاہ عبدالقادرؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہورہی تھی تو مولنا اسمٰعیل شہیدؒ وہاں پہنچ گئے مولانا نے منع فرمایا۔ شاہ صاحب نے مولنا سے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے۔ اسمیں کیا حرج ہے مولنانے فرمایا کہ حضرت پھر اسکے کیا معنی ہیں آیۃ وقالوا ھذہٖ انعام وحرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم (ولو اننا پارہ ۸ رکوع ۴ سورہ انعام) ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے۔ ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔ اور گھر میں عورتوں کو منع کردیا کہ خبردار آئندہ اسکو ہرگز نہ کرنا۔

حکایت (۸۲) فرمایا کہ میر پنجہ کش بہت خوشخط تھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب لکھنے میں مہارت نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میر پنجہ کش نے مولنا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم نے لکھنا کیوں نہیں سیکھا۔ مولانا شہید نے ایک جیم خود لکھا اور ایک اُن سے لکھایا اور اُن سے پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا جیم اور پھر اپنے لکھے کو پوچھا۔ تو انھوں نے اسکو بھی جیم تبلایا۔ فرمایا کہ بس لکھنا اتنا ہی کافی ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آجاوے باقی فضول ہے۔

حکایت (۸۳) فرمایا کہ ایک شخص کا نام محمد کالے تھا اور وہ اپنا سجع کہنا چاہتا تھا اکثر نے انکار کردیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو گورے تھے کالے کہاں تھے۔ اس میں جوڑ کیسے ملائیں۔ وہ مولانا اسمٰعیل شہید کے پاس پہنچا تو آپنے فوراً سجع کہدیا کہ (ہردم نام محمدؐ کالے)

حکایت (۸۴) فرمایا کہ مولنا اسمٰعیل شہیدؒ بچپن میں بہت شوخ اور تیز طبیعت تھے شاہ عبدالعزیزؒ ہرچند چاہتے تھے کہ یہ وعظ میں آیا کریں۔ مگر یہ بھاگتے تھے۔ ایک روز

لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آئے۔ شاہ صاحب اسوقت بیت الخلا میں تھے انکو خبر نہ تھی۔ انھوں نے لڑکوں سے کہا کہ میں وعظ کہتا ہوں سُنو اور درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے اور شاہ صاحب کے وعظ کی بعینہ نقل کر دی بلکہ اور اپنی طرف سے نفیس افادات زیادہ کر دیئے۔ شاہ صاحب جب اندر سے نکلے تو سب کود کود کر بھاگ گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حکایت (۸۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ شاہ عبد العزیزؒ کا وعظ ہو رہا تھا کہ مولنا اسمٰعیلؒ آئے اور سب کی جوتیاں لیکر سقایا میں ڈالدیں۔ بعد وعظ لوگوں کو تلاش ہوئی۔ شاہ صاحب کو اطلاع کی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ اسمٰعیل کی شرارت ہوگی کہیں سقایا میں نہ ڈالدی ہوں۔ لوگوں نے سقایا کو جا کر دیکھا تو اسمیں اُبل رہی تھیں۔ بچپن تھا اور بوجہ محبت کسی کو ناگواری بھی نہ تھی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۸۶) حضرت مولنا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ایک بار فرمایا کہ لکھنؤ میں شیعوں کا مجتہد لباس بدل کر سید صاحب کے پاس آیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب موجود نہ تھے کہیں سیر سپاٹے کو گئے ہوئے تھے۔ مجتہد نے آکر کہا کہ مجھے چند مسئلے دریافت کرنے ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا پوچھو۔ مولوی عبدالحی صاحب کا قاعدہ تھا کہ سائل کا سوال سُنکر ذرا سکوت فرماتے پھر جواب دیتے تھے۔ چنانچہ حسب عادت مولوی صاحب نے مجتہد کو جواب دیا۔ مجتہد نے کہا اس بیان سے تو کچھ تسکین نہ ہوئی چلتے ہیں مجتہد صاحب سے دریافت کرینگے کیونکہ وہاں پورے طور پر تسکین ہو جاتی ہے۔ یہ کہکر فوراً اُٹھکر چلدیا گویا الزام دے گیا۔ کچھ دیر بعد

مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ آئے اور معاملہ معلوم کیا تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نہ ہوئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کشیدہ قامت سپاہیانہ وضع پر رہتے تھے۔ ایک دن بلا اطلاع مجتہد صاحب کی مجلس میں جا پہنچے اور کہا "چونکہ سُنیوں کی صحبت اکثر رہتی ہو اور وہ لوگ مختلف سوالات پوچھا کرتے ہیں چنانچہ چند سوالات دقت طلب تھے اُن کا جواب دریافت کرنا چاہتا ہوں" مجتہد صاحب نے نہ پہچانا اور کہا کہ پوچھو۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے سوال شروع کئے مجتہد بیچارا جو جواب دیتا اسکو رد کر دیتے حتیٰ کہ وہ ساکت ہو رہا۔ مولوی صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ "چلیں سید صاحب سے ہی دریافت کریں وہ پورے طور سے تسکین کر دینگے اور تسلّی وہیں جا کر ہوتی ہے" اتنا کہکر چلدیئے۔ جب باہر نکل آئے تو مجتہد کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی محمد اسمٰعیلؒ تھے سخت افسوس کیا اور اپنے لاجواب ہونے پر کمال نادم ہوا۔

حکایت (۸۷) ایکبار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور حضرت سید صاحب کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہبِ حنفی سے بڑھکر کوئی مذہب محقق نہیں۔" ایکبار دونوں حضرات لکھنؤ تشریف لیگئے تھے۔ وہاں پہنچکر اہل ہند پر حج کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا۔ لکھنؤ کے علماء اُن کے مخالف ہوئے اور دلیل پکڑی اُن ضعیف فقہی روایتوں کی جن میں دریائے شور (کہ مابین ہند و حجاز حائل ہے) مخل امن طریق لکھا ہے۔ غرض یہ بات ٹھہری کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا قول دونوں فریق فیصل سمجھیں۔ چنانچہ اہلِ لکھنؤ نے شاہ صاحب کو لکھا وہاں سے جواب آیا کہ دونوں صاحبوں کو میرا قائم مقام سمجھو اور فقیر کی رائے بھی یہی ہے کہ اہلِ ہند پر حج فرض ہے۔

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۶) مولٰنا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۸۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھی سُنا ہے اور مولانا گنگوہی سے بھی اور مولانا نانوتوی سے بھی اور اپنے اُستاد میاں جی محمدی صاحب اورنگ آبادی سے بھی اور آخر میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا ہے۔ بڑے میاں (مولوی محمد اسحٰق صاحب اور چھوٹے میاں مولوی محمد یعقوب) صاحب دونوں بھائی جب مکہ حرم میں داخل ہوتے تو دروازہ پر جوتے چھوڑ جاتے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہاں جوتے کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے اور سینہ کے سامنے سے اور سر کے سامنے سے خاص حرم کے اندر سے جوتہ اُٹھ جاتا ہے اُن کا جوتہ کبھی چوری نہیں گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر لوگ متعجب ہوتے اور ان حضرات سے پوچھتے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کا جوتہ چوری نہیں جاتا۔ وہ فرماتے کہ جب ہم جوتہ اُتارتے ہیں تو چور کے لئے اس کو حلال کر جاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں اسلئے وہ انھیں نہیں لے سکتا۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے بیان فرمایا کہ میں نے یہ قصہ مولوی محمود حسن صاحب سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ اصل میں تعلیم تھی شاہ عبدالقادر صاحب کی جب شاہ صاحب کے زمانہ میں اکبری مسجد میں سے جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے جوتے چوروں کے لئے حلال کر دیا کرو پھر وہ انھیں نہ لیں گے۔

حکایت (۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور جسکو میں نے بھی دیکھا ہے بہت بڑا گاؤں ہے یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحٰق صاحب

اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول سے رہتے تھے۔ لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں اور خوشی میں ادھر سے ادھر آتے جاتے اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے یہ اسقدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں مگر بڑے میاں صاحب سے تو پوچھنے کی ہمت نہوئی چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ بہت خوش نظر آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے انھوں نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا میں نے کہا کہ نہیں، فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے یہ خوشی اسکی ہے کیونکہ جبتک وہ تھا ہمکو خدا پر پورا توکل نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے اھ جب خانصاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو احقر کو مومن خاں کی خوشی یاد آگئی اور میں نے یہ شعر پڑھا ؎

کیا یار کے آنے کی سنی پاکر اجل کی ✤ کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ

حاشیہ حکایت (۸۹) قولہ اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے اقول اس سے جو کچھ کمال توکل و توحید و معرفت ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے قولہ مومن خاں کی خوشی یاد آگئی اقول اور مجھ کو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی یاد آگئی جسوقت خادم نے ایک قیمتی آئینۂ چینی کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع کی کہ ع از قضا آئینۂ چینی شکست، آپنے فی البدیہہ فرمایا ع خوب شد اسباب خود بینی شکست اشتہ

حکایت (۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ عبدالرحمن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے۔ مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے حافظ عبدالرحمن

بھی کسی قدر غیر مقلدی کی طرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبدالرحمٰن مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی حسین خاں صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اُردو شاعری کے بڑے اُستاد تھے۔ مگر خدا کی شان کہ نہ انکا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اُردو کا۔ دو شعر اُن کے مجھے یاد ہیں۔ صرف انکی قابلیت دکھلانے کے لئے ان کے شعر لکھواتا ہوں۔ غالب اور شہیدی کے جانی دشمن تھے۔ اسلئے اُن کے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ غالب کہتا ہے ؎

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی ٭ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس کو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے ؎

بچھ گیا میں جو گھر میں وہ (یا ظلم) آئے ٭ زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا

شہیدی کے قصیدے کا شعر ہے ؎

ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہو میرا ہے یہی ایماں ٭ نہ مانو مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا

حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے ؎

ترا ثانی بامکان و قوعی ہو نہیں سکتا ٭ نفی امکان مطلق کی مگر ہے قول مرتد کا

غرض اسی طرح اسکے پورے قصیدے کو رد کیا ہے۔ یہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب بیان کرتے تھے کہ نواب امیر خاں سے جب انگریزوں کی صلح ہوگئی تو اس صلح کے اندر یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیر الدولہ کو ہم اپنے زیر نگرانی رکھیں گے۔ مگر یہ انھیں اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انھوں نے دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے۔ بچپن سے صالح تھے۔ مولوی غلام جیلانی رامپوری اُن کے اُستاد تھے مولوی صاحب موصوف مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے چونکہ نواب وزیر الدولہ بچپن سے نیک تھے اسلئے اُن کے پاس دہلی کے لڑکے جو انکے ہم عمر تھے بے تکلف

آنے جانے لگے۔ ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور حقگو بھی تھا۔ چونکہ عام طور پر اپنے اُستاد کی طرف خاص میلان ہوتا ہے اسلئے وزیر الدولہ اپنے استاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر وہ لڑکا برابر ان کی تردید کرتا رہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپکے اُستاد ایسا عمامہ باندھتے ہیں ایسا انگرکھا پہنتے ہیں ایسا پاجامہ پہنتے ہیں ایسا جوتہ پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ دہلی والے بیچارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں دھوتر کا کرتہ پہنتے ہیں گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں ادھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں مگر باوجود اسکے آپکے اُستاد کے علم کو اُن کے علم سے کیا نسبت اُن کے علوم بہت گہرے ہیں۔ خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے؟ مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ بُرا ہے ہرگز نہیں بنانا چاہیئے اُس نے کہا کہ بنے ہوئے تعزیہ کی توہین کرنا مثلاً اسکو توڑنا یا لُوٹنا اسپر پاخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیئے ہاں اُسے دفن کر دے اس لئے کہ اسپر امام حسینؓ کا نام آگیا ہے لہذا اس کا احترام کرنا چاہیے یہ سُنکر وہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے بہت ادب سے یہ کہا کہ مولانا گوسالہ پر کسی کا نام آگیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اسپر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب وزیر الدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تھا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے گہرے ہیں میں صرف کبھی کبھی صرف میاں صاحب (شاہ محمد اسحٰق صاحب) کے وعظ میں جا بیٹھا کرتا ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وزیر الدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہو گئے اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔

حاشیہ حکایت (۹۰) **قولہ** بامکان وقوعی **اقول** یعنی ایسا امکان جس کے موصوف کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے نہ بالذات نہ بالغیر **قولہ** نفی **اقول** فاء کی حرکت بضرورت شعر ہے۔ **قولہ** ایسا عمامہ الخ **اقول** یعنی عمدہ اور قیمتی۔ (نشست)

حکایت (۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب یہ حضرات سب کے سب متحد اور یکجان اور قوالب متعددہ تھے۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہوگیا۔ تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب کا جانشین کسی کو بنایا جاوے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحٰق صاحب سے تیرہ برس بڑے تھے۔ اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس برس[۱] اور سیّد صاحب آٹھ برس۔ ان سبکی رائے ہوئی کہ شاہ اسحٰق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے اور یہ طے ہوگیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحٰق صاحب بیٹھے اور کوئی نہ بیٹھے۔ اور مدرسہ سے باہر جس طرح چاہیں بیٹھیں۔ پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحی صاحب سب آپ کے

---

[۱] حکایت نمبر (۸۸) میں القا ہے اور حکایت (۵۴) میں صریح الفاظ سے شاہ محمد اسحٰق صاحب کا بڑا ہونا مذکور ہے اور یہاں اس کا عکس ذہن میں امر اول ہی تھا پھر اس تعارض کو دیکھ کر مکرمی حضرت مولانا عبدالعلی صاحب سے بواسطہ حافظ محمد عثمان تحقیق کیا گیا امر اول ہی صحیح ہے اس مقام پر کچھ سہو ہوا ہے خواہ اصل راوی کو خواہ کاتب کو۔ چونکہ دوسرے سب حضرات مذکورین مقام بڑے تھے تغلیباً ان کا بھی شمار ان میں بلا قصد ہوگیا مراد یہ ہوگی باوجودیکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی کسی دوسری وجہ سے ترجیح ہوگی مثلاً ان کا مصلحت اندیش ہونا جیسا ایک حکایت سے سفارش نہ کرنے کی مصلحت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کو منتخب نہیں کیا گیا ۱۲ (اشرف علی)

سامنے باادب بیٹھتے اور مدرسہ کے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحی صاحب صدر پر ہوتے تھے اور شاہ اسحٰق صاحب اور دوسرے لوگ ان کے سامنے باادب بیٹھتے تھے اور مولوی اسمٰعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر ہوتے تھے نہ مدرسہ کے باہر۔

حاشیہ حکایت (۹۱) قولہ جانشین قرار دیا جاوے۔ اقول اسوقت اس میں مصالح دینیہ ہونگے اور اب تو محض رسم مفاسد سے پُر رہ گئی ہے۔ اسلئے نہ اوّل کو ثانی پر عدم جواز میں اور نہ ثانی کو اوّل پر جواز میں قیاس کیا جاوے قولہ سب آپکے سامنے اقول۔ کیا انتہا ہے اس بے نفسی کا قولہ نہ مدرسہ میں صدر اقول اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد (شت)

حکایت (۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ محمد اسحٰق صاحب کو بہت زور کی بواسیر تھی اور اسکی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف تھی۔ کسی شخص نے بواسیر کا عمل بتلایا کہ صبح کی سنتوں میں الم نشرح اور لایلاف پڑھ لیا کرو۔ مگر شاہ صاحب نے اسکو پسند نہ فرمایا۔ اسپر مولوی مظفر حسین صاحب اور نواب قطب الدین خاں صاحب وغیرہ نے زور دیا کہ آپ یہ عمل ضرور کیجئے۔ آپنے فرمایا کہ اول تو ہم نیک عمل ہی نہیں کرتے صرف ٹوٹے پھوٹے فرض اور سنتیں پڑھ لیتے ہیں ان میں بھی ہم خواہش نفسانی (اور دنیوی غرض) کو داخل کردیں اور عبادت کو (دنیوی) عمل بنالیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

حاشیہ حکایت (۹۲) قولہ اچھا نہیں معلوم ہوتا اقول کسقدر دقیق خلاص تقوی ہے۔ (شت)

حکایت (۹۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میں نے بہت سے لوگوں سے سنی منجملہ ان کے مولوی سراج احمد صاحب خورجوی، میاں جی عظیم اللہ صاحب خورجوی

اور میاں جی رحیم داد صاحب خورجوی ہیں۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قلعہ میں کسی شاہزادے نے مولانا محمد اسحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور انکے خاص لوگوں کی دعوت کی۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے مخالفین جیسے حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ اور اُن کے ہم خیال لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ جب یہ سب لوگ دستر خوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے رکھا گیا اور ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اُس شاہزادے نے کہا کہ صاحبو! میں آپ صاحبوں کو اطلاع کرتا ہوں کہ میراں کا بکرا ہے اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے۔ اسپر مولوی محمد اسحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور آپکی جماعت نے ہاتھ کھینچ لئے۔ جب مخالف پارٹی نے یہ دیکھا تو انھوں نے بھی ہاتھ کھینچ لئے۔ اسپر اس شاہزادے نے کہا کہ مولوی اسحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب تو اس کو حرام کہتے ہیں انھوں نے تو اس لئے ہاتھ کھینچے آپ لوگ تو اسے جائز کہتے ہیں آپنے کیوں ہاتھ کھینچ لئے۔ آپ صاحب کھائیں مگر کسی نے نہ کھایا۔ اسپر شاہزادے نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میراں کا بکرا نہیں ہے بلکہ میں نے صرف امتحان کے لئے کہا تھا کہ دیکھوں کون اپنے خیال میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اب مجھے معلوم ہوگیا میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ صاحبان بے تکلف کھائیں اور حکم دیا کہ جو جو شخص اسکو حلال کہتا ہے اسکو دستر خوان سے اُٹھا دیا جاوے۔ اسپر حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ کی جماعت کو اٹھا دیا گیا۔ اور شاہ اسحق صاحب کی جماعت نے کھانا کھایا۔

حاشیہ حکایت (۳۹) قولہ مگر کسی نے نہ کھایا۔ اقول یہ ہاتھ کھینچنا جیسا حق کے رعب کی دلیل ہے۔ اسی طرح اس کی بھی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے اہل ہوا،

پھر غنیمت تھے کہ عملی تقوی کو اپنی بات کی پچ کے لئے نہیں چھوڑا۔ یہ بات بھی قابل قدر ہے۔ اور احقر نے استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قصہ میں اتنا اور سنا تھا کہ ان صاحبوں نے یہ بھی کہا کہ حرام تو ہم بھی سمجھتے ہیں مگر انکی ضد میں حلال کہدیا کرتے ہیں (دشت)

حکایت (۹۴) خاں صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبد الجلیل صاحب علیگڈھی کے صاحبزادے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے والد مولوی عبد الجلیل صاحب اپنے زمانۂ طالب علمی میں شاہ اسحٰق صاحب کی مسجد میں رہتے تھے اور اُس زمانہ میں فتحپوری کی مسجد میں ایک عالم رہتے تھے جن کا نام آخون شیر محمد تھا۔ میرے والد سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز شمس بازغہ کی ایک عبارت کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور وہ جس مسجد میں رہتے تھے اسی مسجد میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے اس عبارت میں غور کر رہے تھے۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب بھی اسی وقت مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ شاہ صاحب نے انکے پاس آکر دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے بڑے مصروف ہو کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد صاحب نے کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ہاں کر کے ٹالدیا۔ شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے ہمیں تو بتاؤ کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد صاحب نے پھر ٹالا شاہ صاحب پھر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور والد صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار سے پوچھا کہ میاں بتاؤ تو سہی کہ یہ کیا کتاب اور تم اس میں اتنے مصروف کیوں ہو۔ تب والد صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے۔ میں ایک مقام میں اُلجھا ہوا ہوں اُسے سوچ رہا ہوں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کونسا مقام ہے۔ انھوں نے اس کا جواب بھی لاپروائی سے دیا۔ جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے اصرار کیا۔ تب انھوں نے ان کو وہ مقام دکھایا

(وجہ انکی ان بے التفاتیوں کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب اور اُن کے خاندان کے لوگ معقول نہیں جانتے) شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظہ فرماکر فرمایا کہ تمھارے اُستاد نے یہ تبلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہوگے۔ انھوں نے اقرار کیا اسپر شاہ صاحب نے اسکا صحیح مطلب تبلایا۔ اور عبارت پر اسکو منطبق فرمادیا۔

حاشیہ حکایت (۹۴) قولہ ٹہل رہے تھے۔ **اقول**۔ احیاناً اسکا مضائقہ نہیں بشرطیکہ خاص اسی غرض سے مسجد میں داخل نہ ہوا ہو۔ اور عادت کرنا یا اسی قصد سے داخل ہونا مکروہ ہے جیسے دوسرے مباحات جنکے لئے مسجد موضوع نہیں (اشرف)

حکایت (۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا کہ میاں عبدالقادر اسحٰق کی طرف بھی توجہ کرو نا۔ اس کا جواب شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ دیا کہ حضرت! اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے وہ بلا ذکر و شغل بوجہ اپنی ریاضت ہی کے اُن لوگوں سے بڑھا ہوا ہے جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں۔ غرض شاہ صاحب نے چند مرتبہ فرمایا۔ مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

حاشیہ حکایت (۹۵) قولہ اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے! **اقول** اس جواب کی حقیقت وہی ہے جو محققین فرماتے ہیں کہ مقصود اصلی نسبت احسان ہے خواہ اعمال شرعی سے حاصل ہو جاوے خواہ اشغال صوفیہ سے رہا یہ کہ پھر بڑے شاہ صاحب نے توجہ کا کیوں مشورہ دیا۔ سو یا تو حضرت شاہ صاحب کو کمال نسبت احسان کی اطلاع نہ ہوگی۔ یا اسکی تقویت دوسرے طریق سے بھی تجویز فرمائی ہوگی۔ (اشرف)

حکایت (۹۶) خانصاحب نے فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی

اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحق صاحب نے زمانہ میں دلّی میں ایک عرب عالم تشریف لائے۔ ایک امیر نے اُن سے مولود پڑھنے کی درخواست کی۔ انھوں نے منظور فرمالیا۔ اسکے بعد وہ امیر شاہ اسحق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے یہاں میلاد ہے حضور بھی تشریف لائیں اگر حضور تشریف لائینگے تو میں ان عالم مولود خواں کو سات سو روپئے دوں گا ورنہ کچھ نہ دوں گا۔ جب مولود کا وقت ہوا شاہ اسحق صاحب اس محفل میں شریک ہوئے محفل سادہ تھی روشنی وغیرہ حد اسراف تک نہ تھی اور قیام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ذکر میلاد منبر پڑھا گیا تھا۔ اسکے بعد جب شاہ صاحب حج کو تشریف لیجاتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں تو وہاں اُن کے ایک شاگرد نے جس کا نام غالبًا عبدالرحمن تھا ذکر میلاد کروایا اور اُس نے بھی شاہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی۔ شاہ صاحب اس میں بھی شریک ہوئے۔ اس محفل کا رنگ بھی اس امیر کی محفل کے قریب قریب تھا اور یہاں بھی نہ قیام ہوا تھا اور نہ روشنی وغیرہ زیادہ تھی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ عبدالرحمن تم نے تو بدعت کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ (یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ صرف اتنا ہی سُنا ہے نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ شاہ صاحب کیوں شریک ہوئے اور نہ یہ کہ ایک جگہ نکیر فرمایا اور دوسری جگہ خاموش رہے اسکا کیا سبب ہے۔

حاشیہ حکایت (۹۶) قولہ فی آخر القصۃ نہ کسی نے یہ بیان کیا۔ الخ اقول احقر نے یہ سمجھا کہ محفل تو اس رنگ سے فی نفسہ بدعت نہ تھی مگر ایسی ہی محفل کا اگر رواج ہو جاوے تو شدہ شدہ مفضی الی البدعۃ ہوسکتی ہے تو شاگرد کی اس محفل میں تو کوئی ضرورت نہ تھی اسلیئے اس افضاء پر نظر فرماکر نکیر فرمایا اور شرکت اباحت پر نظر کرکے فرمالی۔ خاصکر جب شرکت میں یہ مصلحت بھی ہو کہ کیسر کا اثر زیا

ہوگا ورنہ عدم شرکت میں عدم مشاہدہ کے وسوسے سے اثر کم ہوتا اور امیر کی محفل میں ضرورت
تھی ان مسافر صاحب کی اعانت ہو جانے کی اس لئے نکیر نہیں فرمایا صرف اباحۃ پر نظر
فرمائی۔ واللہ اعلم (شت)

حکایت (۹۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود کھلیتی اور نواب
محمود علی خاں سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں ایک
انگریز پادری دلی میں آیا۔ یہ بہت قابل اور لسّان اور مشہور پادری تھا۔ اس نے دلی میں عام
طور پر علماء کو مناظرہ کی دعوت دی۔ اسوقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے
ان کو شاہ اسحٰق صاحب سے بہت کاوش تھی۔ انھوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم شاہ
اسحٰق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو۔ کیونکہ شاہ صاحب بہت
سیدھے اور بہت کم گو تھے اور زبان میں لکنت تھی۔ اسلئے ان کو خیال تھا کہ یہ
لسان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دیگا اور ان کو ذلت ہوگی۔ اس پادری نے
شاہ صاحب کو دعوتِ مناظرہ دی۔ شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمائی۔ اسپر
شاہ صاحب کے دوستوں کو بہت خیال ہوا۔ مولوی فریدالدین صاحب جو مرادآباد کے
رہنے والے اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور نواب رشیدالدین خانصاحب کے اچھے
شاگردوں میں اور نہایت ذہین آدمی تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونوں
نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں آپ ہمکو اپنا وکیل بنائیں۔ شاہ
صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھی کو دعوت دی ہے میں ہی مناظرہ کرونگا وکیل بنانے کی
ضرورت نہیں۔ بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا قلعہ میں مناظرہ کی ٹھہری۔
جب مناظرہ کا وقت آیا اسوقت سب لوگ قلعہ میں پہنچ گئے اور مجلس مناظرہ منعقد
ہوئی۔ خدا کی قدرت جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اسکے جسم پر لرزہ پڑ گیا۔

اور حواس باختہ ہو گئے اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائینگے یا میں ہی عرض کروں۔ اُس نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں۔ شاہ صاحب نے خوب زور شور کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے وہ پادری ساکت محض تھا۔ نہ اُس نے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا جب تمام لوگوں پر اس پادری کا عجز ظاہر ہو گیا۔ تب آپ نے ان مخالف مولویوں کی طرف جنہوں نے اس پادری کو اُبھارا تھا متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات وانجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ بغیر ان کتابوں پر عبور ہوئے قرآن شریف کا لطف نہیں آتا۔ اسی قاعدہ کے مطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں اور اس لئے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔ اور یہ فرمایا کہ اگر اسحٰق کو شکست اور ذلت ہوتی تو کچھ بات نہ تھی۔ کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے۔ لیکن اسلام تو ستھرا ابھی تھا۔ اس سے تمام مخالفین پر پانی پڑ گیا اور مناظرہ ختم ہو گیا۔

حاشیہ حکایت (۹۷) قولہ۔ اس پادری کو پٹی پڑھائی۔ اقول۔ خدا برا کرے عناد کا کہ یہ بھی احساس نہ رہا کہ ہمارا یہ فعل کفر کی تائید ہے اور اسلام کا اضرار (اشت)

حکایت (۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک لڑکا تھا جس کا نام سلیمان تھا۔ شاہ صاحب کی کنیت ابو سلیمان اسی کی وجہ سے ہے شاہ عبدالعزیز صاحب کی عادت ٹہلنے کی تھی۔ آپ خدام کے ساتھ ٹہل رہے تھے ایک خادم کی گود میں میاں سلیمان تھے۔ ایک موقع پر جھول پڑی ہوئی تھی اور عورتیں جھول رہی تھیں۔ جب ان عورتوں نے میاں سلیمان کو دیکھا تو انھوں نے اس خادم سے کہا کہ میاں کو ہم

ہم جھلائینگے۔ خادم نے دیناچاہا مگر سلیمان نہیں گئے۔ جب شاہ صاحب کو معلوم
کہ میاں سلیمان کو عورتیں جھلانے کے لئے لیتی تھیں مگر وہ نہیں گئے تو انھوں نے
یا کیوں جاتا اسحق کا بیٹا ہے۔

شیہ حکایت (۹۸) قولہ۔ اسحق کا بیٹا ہے۔ اقول مادرزاد اولیا کی یہی شان
تا ہے۔ (شت)

کایت (۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اعلم علی صاحب کو اپنے طالب علمی کے
میں ایکمرتبہ تین وقت کا فاقہ ہوا۔ جب یہ شاہ اسحق صاحب سے سبق پڑھنے بیٹھے تو
کی آواز میں کمزوری پائی گئی۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ بھوکے ہیں۔ آپ فوراً مکان
شریف لیگئے اور وہاں سے کھانا لائے اور مولوی اعلم علی صاحب کو الگ بلا کر
کھلایا اور اس دن سے ان کا کھانا اپنے یہاں کرلیا۔

شیہ حکایت (۹۹) قولہ الگ بلاکر۔ اقول یہ آداب عطا میں سے ہے۔ جب
ل ہو معطی لہ کے شرمانیکا پھر استمرار عطار افع خجلت ہو جاتا ہے (شت)

کایت (۱۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میاںجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب
قاسم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب یہ چاروں ماموں پھوپی خالہ زاد بھائی
۔ ان میں سے شیخ قاسم علی صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ شاگرد تھے اور
پر نہایت فریفتہ تھے۔ میاںجی محمدی صاحب سید صاحب کے مرید اور ان پر عاشق تھے
م خادم علی صاحب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر دیوانہ تھے۔ شیخ فیاض علیصاحب
ہ اسحق صاحب پر فریفتہ تھے۔ شیخ فیاض علیصاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ
العزیز صاحب نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر بنوائی ہے شاہ اسحق
حب اسکو اچھا نہ جانتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد بنوانا نہ چاہئیے۔

اور استدلال میں اس حدیث کو پیش کرتے تھے جو مشکوٰۃ باب التصاویر میں اس مضمون کی
مروی ہے کہ بعض اُمہات المؤمنین نے حبشہ کے ایک گرجا کی اور اسکی تصویروں کی تعریف
کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولئك اذا مات فیھم الرجل
الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً ثم صوروا فیہ تلك الصور اولئك اشرار
خلق اللہ متفق علیہ اور اس لئے اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے تھے۔ الا نادراً۔ ایک
قبروں پر مسجد بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا آپنے فرمایا کہ نہ چاہیئے۔ اس نے کہا
آپکے نانا نے کیوں بنائی ہے تو آپنے فرمایا کہ یہ اُن سے پوچھو۔ میرا مسلک یہی ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۰) قولہ۔ استدلال میں الخ۔ اقول۔ یہ محمل احوط وابعد عن الفساد
اور دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ خود اہلِ قبور کو سجدہ کرتے تھے۔ احقر کہتا ہے کہ گو نماز خدا
ہی کی پڑھی جاوے تب بھی اسجگہ نماز پڑھنے کو قبول و برکت میں بلا دلیل دخیل سمجھتے
ہیں۔ اور توجہ الی الاولیاء اور توجہ اولیاء کو اس میں موثر جانتے ہیں اور عبادتِ الٰہیہ میں
مخلوق کی اتنی شرکت کا اعتقاد بھی خلافِ دلیل ہے اور حضراتِ مجوزین نے حُسنِ ظن کی
وجہ سے اس احتمال کی طرف التفات نہیں فرمایا (ننت)

حکایت (۱۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب اربعین و مأتہ مسائل کی تصنیف کی وجہ
یہ ہے کہ خان زمان خان دتاولی بھیکم پور کے رئیس تھے انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب
سوالات کئے تھے اُن کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات
دہلی کے شاہزادوں اور بادشاہِ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین
آپس میں مشورہ کر کے اور سوالات ترتیب دیکر کئے تھے اور یہ قید بھی لگا دی تھی کہ
جوابات صرف فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونے چاہئیں۔ ان کا جواب
صاحب نے مولوی نورالحسن صاحب کاندھلوی کے سپرد کر دیا اور انھوں نے شاہ صاحب

ت سے ان کا جواب لکھا۔ اس کتاب کا نام مائۃ مسائل ہے اور اربعین اور مائۃ مسائل
بعض بعض مسائل میں جو آپس میں کسی قدر اختلاف ہے مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین
فتویٰ حرمت ہے تو مائۃ مسائل میں مکروہ اونحوذلک۔ اس اختلاف کا منشاء یہ ہے
اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اسلئے انھوں نے اپنی تحقیق کیمطابق
جوابات دیئے ہیں۔ اور مائۃ مسائل کے جوابات میں اصل مجیب یعنی مولوی نورالحسن صاحب
شاہ صاحب جن کی طرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے اسلئے جسقدر تصریح
علماء کے کلام میں ملی جن کی تصریح سے جواب کی درخواست کی گئی تھی اسقدر لکھدی
یہ منشاء ہے اختلاف کا۔ اس قصہ کو میں نے میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب
فیاض علیصاحب مولوی حسین احمد صاحب خورجوی اور دیگر حضرات سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۱) قولہ انھوں نے شاہ صاحب کی طرف سے۔ اقول کیونکہ توکیل
تصنیف بھی جائز ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ سے فرمایا تھا۔ وھذا
یجیبك عنی (شت)

حکایت (۱۰۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق
صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعے سے اشاعت
کرتے تھے۔ انھوں نے حدیث لاتشد والرحال کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر
اثر ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب کا اُس زمانہ میں قصد ہجرت ہوگیا۔ جب شاہ صاحب
قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب جب عازم سفر
ہوں تو اجمیر تشریف نہ لادیں کیونکہ میں لاتشد والرحال کا وعظ کہہ رہا ہوں اور
راہ پر آچلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اسکے غتر بود ہوجانے
اندیشہ ہے۔ شاہ صاحب نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے

نہ آؤں گا۔ لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں
اسلئے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں ہاں جب میں آ
تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو وہ اجمیر آیا اس کا فعل
نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوا
اور میں اقرار کرلوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے۔ اس سے وہ ضرر دفع ہو جاویگا جو
تمکو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہما
رقیب ہیں رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حاشیہ حکایت (۱۰۲) قولہ وعظ میں بیان کرنا الخ اقول۔ کیا انتہا ہے
محبت دین و نصح مسلمین کا کہ اپنی شان کو ان پر بالکل نثار کر دیا۔ حالانکہ ا
میں علاوہ اس جواب کے کہ حدیث کے کیا معنی ہیں کہ یہ جواب تو خلاف مصلحت
تھا۔ دوسرا سہل جواب یہ ہو سکتا تھا کہ ہم خاص اس قصد سے نہیں آئے آگئے
ہوئے ٹھہر گئے۔ مگر اسکو بھی پسند نہیں کیا کہ ہر شخص ایسا بہانہ کر سکتا ہے وہ جو
تجویز کیا جس میں شعب بالکل ہی قطع ہو گیا گو اپنا جاہ بھی قطع ہو گیا (شت)

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۱۰۳) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہر ایک ر
ملنے آیا کرتا تھا شاہ صاحب اس کے لئے مونڈھا بچھوا دیتے تھے جو نذرانہ پیش کر
شاہ صاحب موسم کا کوئی پھل اسکے پاس بھجوا دیتے تھے۔ جب شاہ صاحب
ہو گئی تو سب نے مل کر صدر حضرت شاہ اسحٰق صاحب کو مقرر کیا اور ان کو نذرانے د
حتیٰ کہ سید صاحب بھی بایں جلالت قدر نذر پیش فرماتے۔ شاہ اسحٰق صاحب
میں پڑھا رہے تھے کہ رزیڈنٹ آیا۔ لیکن شاہ صاحب نے نہ اسکو دیکھا نہ انکی

کوئی تغیر آیا۔ شاہ صاحب ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے بعض کو تمنا تھی کہ شاہ صاحب کی آنکھ جو نہایت خوبصورت تھی دیکھیں مگر تمام عمر نہ دیکھ سکے۔ غرض رزیڈنٹ مدرسہ میں آیا اور ٹہلتا رہا۔ جب درس ختم ہوا تو شاہ اسحٰق صاحبؒ کے پاس آکر بوجہ پتلون کے ٹانگ پھیلا کر وہیں چٹائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں رخصت ہونے لگا۔ تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے شاہ صاحب مرحوم آپ کیلئے کچھ ہدیہ بھجوایا کرتے تھے مگر میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ بھجواتا۔ جب رزیڈنٹ چلا گیا تو بعض مسلمانوں ہی نے یہ کہکر شاہ صاحب کی طرف سے بدظن اور مشتعل کرنا چاہا کہ دیکھئے وہ حضور سے کیسی بے التفاتی سے پیش آئے وہ متکبر ہو گئے ہیں۔ اسپر رزیڈنٹ نے اُسے ڈانٹا۔ کہا کہ خاموش میں اس شاہ کا امتحان لینے گیا تھا کہ وہ اتنی دنیا پر بیٹھ کر دنیا سے کتنا مستغنی ہے۔

حاشیہ روایت (۱۰۰) دونوں حضرات کے معمول کا تفاوت نیت اور مصالح کے اختلاف سے ہے و لکل وجهة هو موليها اور چونکہ مبنی اس دوسرے معمول کا اخلاص پر تھا۔ اسلئے رزیڈنٹ پر اس کا کیا پسندیدہ اثر پڑا۔ (تتمت)

(منقول از روایات الطیب)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۰۴) ایکبار فرمایا کہ جب مولانا اسحٰق صاحبؒ کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ مولوی یعقوب صاحب کے پاس جاؤ۔ انھوں نے نانا صاحب (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب) سے یہ سب سیکھا ہے سو باوجودیکہ شاہ اسحٰق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے دیکھا ہو کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحٰق صاحب ہی درجہ میں بڑھے ہوئے تھے اور اسکی وجہ نشر علم دین ہے۔

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۷) مولٰنا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی مہاجرؒ کی حکایات

حکایت (۱۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ دلّی کے ایک شاہزادے نے جس کا نام
اسوقت مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں خواب
میں دیکھا کہ ایک گٹھڑی آسمان سے میری طرف آرہی ہے۔ میں نے اُٹھ کر اُس گٹھڑی
کو لپک کر لیا۔ جب وہ میرے ہاتھ میں آئی تو اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ گٹھڑی
نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اُتری ہوئی مسلم مرغی ہے جس کے پنجے بھی موجود
ہیں اور وہ پانی میں تر ہے۔ اس خواب کو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا
تو انھوں نے سنکر تامل کیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر فرما دیجئے تب آپ نے
فرمایا کہ تمھاری بیوی کو حمل ہے۔ مجھے حمل کا علم نہ تھا بیوی سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا
کہ واقعی حمل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی حمل ہے تو آپنے فرمایا کہ لڑکی پیدا
ہوگی مگر پانی کے صدمہ سے مرجاوے گی۔ جب ایام حمل ختم ہوئے تو لڑکی ہی پیدا ہوئی
جب ہم واپسی میں جہاز میں سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر میں طغیانی ہوئی اور ایک
چھال مجھ پر اور اس کی ماں پر اور لڑکی پر گری۔ لڑکی دو تین سُبکیاں لیکر مر گئی۔

حاشیہ حکایت (۱۰۵) قولہ سُبکیاں لیکر مر گئی اقول مولانا اپنے وقت کے ابن سیرینؒ تھے

حکایت (۱۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک دوست
نے خواب دیکھا کہ میں جمنا پر کھڑا ہوں اور جمنا کی سیر کر رہا ہوں اتنے میں میرے مُنہ سے
ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف
منہ کر کے بولنے لگا۔ میں نے اس خواب کو چھوٹے میاں صاحب (مولوی محمد یعقوب صاحب)
سے بیان کیا انھوں نے کوئی تعبیر نہیں دی اور فرمایا کہ سوچوں گا وہ (عزیز) اُٹھ کر

چلے گئے۔ مگر میں (شہزادہ) بیٹھا رہا۔ میں نے (شہزادے نے) عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہی۔ فرمانے لگے کیا کہدوں ایمان اُسکے اندر نہیں رہا اور وہ جو اسکی طرف دیکھ دیکھ کر بول رہا ہی وہ اُسے چڑا رہا ہے۔ وہ عزیز تھوڑے ہی دنوں کے بعد دہری ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۶) قولہ دہری ہو گئے۔ اقول۔ خواہ صانع کے انکار سے یا اختیار صانع کے انکار سے جیسا ہمارے زمانہ میں بہت لوگ دوسری قسم کے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر صرف کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (شست)

حکایت (۱۰۷) خان صاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی۔ قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں اُن سے خوب واقف تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۷) قولہ نہایت باریک چور۔ اقول۔ تو اپنے وقت کے غزالی بھی تھے۔ (شست)

حکایت (۱۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے اور مولانا نانوتوی سے فرمایا کہ کل کو ہم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس چلیں گے اور اُن سے نسبتِ صلوٰۃ اور دورۂ قادریہ حاصل کرینگے۔ چنانچہ اگلے دن حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی تو تشریف لیگئے مگر مجھے یاد نہ رہا تھا اسلئے میں رہگیا جب وہاں سے تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تم کہاں رہ گئے تھے۔ میں نے نسیان کا عذر کیا۔ آپنے وہ دونوں باتیں مجھے تعلیم کیں۔

حاشیہ حکایت (۱۰۸) قولہ حاصل کرینگے اقول۔ بڑا ہی کمال ہو اپنے مریدوں کو ساتھ لیجاکر کسی بزرگ سے کچھ حاصل کرنا (شست)

حکایت (۱۰۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی حسین بخش صاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ

میں نے شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کی دعوت کی۔ جب کھانیکا وقت آیا تو میاں صاحب پالکی پر سوار ہو کر میرے مکان پر روانہ ہو گئے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے فرما گئے کہ حسین بخش کو اپنے ہمراہ لیتے آنا۔ مولانا یعقوب صاحب کے یہاں ایک سانڈنی تھی جسپر وہ سوار ہوا کرتے تھے۔ مولانا نے اپنی سانڈنی کی پچھلی نشست پر دوشالہ ڈالا اور اگلی نشست خالی رکھی اور مجھ سے کہا کہ تم پچھلی نشست پر سوار ہو جسپر دوشالہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں ہوں۔ دوشالہ اپنے لئے رکھئے۔ آپنے فرمایا کہ نہیں نہیں تم بیٹھ جاؤ۔ میاں صاحب فرما گئے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ لانا۔ میں نے پھر عذر کیا۔ آپنے پھر یہی فرمایا کہ اجی بیٹھ بھی جاؤ میاں صاحب فرما گئے ہیں کہ انھیں اپنے ساتھ لانا۔ مجھے مجبوراً سوار ہونا پڑا۔

حاشیہ حکایت (۱۰۹) قولہ میاں صاحب فرما گئے ہیں اقول کتنا ادب ہے، کہ حسبکے ساتھ لانے کو فرما گئے تھے اس کا اتنا ادب۔ بھلا پھر ان لوگوں پر یہ شبہ کہ بزرگوں کا ادب نہیں کرتے کتنا بڑا ظلم ہے۔ (رشت)

(۸) حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں السلام علیکم کا رواج بالکل متروک ہو گیا تھا حتی کہ شاہ صاحب کے خاندان میں بھی اس کا رواج نہ تھا اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے سید صاحب پہلے پہل شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو سب سے پہلے انھوں نے شاہ صاحب کو سلام کرتے ہوئے السلام علیکم کہا ہی جب شاہ صاحب نے اُن کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپنے حکم دیدیا کہ آئندہ سلام بطریق مسنون

کیا جاوے۔ اسی دفعہ میں سید صاحب شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اور چھ روز قیام فرما کر تشریف لیگئے۔ چھ مہینے کے بعد پھر آئے اور چھ مہینے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تربیت میں رہے۔ اسکے بعد شاہ عبدالقادر صاحب نے انکو شاہ صاحب سے مانگ لیا اور پورے ڈھائی برس اکبری مسجد میں اپنی خدمت میں رکھا جس کی تفصیل نمبر آئندہ میں آتی ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۱۰) قولہ اس کا رواج نہ تھا۔ اقول غالباً مخالفتِ عامہ میں فتنہ کا خوف ہوگا بعد میں اسکو گوارا کر لیا ہوگا۔ (شت)

حکایت (۱۱۱) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحب بیعت ہونیکے بعد دوسری مرتبہ بغرض تعلیم حاضر ہوئے ہیں تو شاہ صاحب نے انکو اس مسجد میں ٹھہرا دیا جو اُن کے مدرسہ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جس میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرما کر حکم دیا کہ آٹھویں روز ہم سے ملا کرو۔ اور تین شخصوں کو ان کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا اور کہدیا کہ جس چیز کی سید صاحب کو ضرورت ہو تم لوگ اس کا انتظام کر دیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ روزانہ اس ٹھلیا میں سید صاحب کے لئے جمنا سے پانی لایا کرو۔ (یہ تین شخص جنکو شاہ صاحب نے مامور فرمایا تھا ایک سید لشن علی خانپوری تھے دوسرے قاری نسیم رامپوری اور تیسرے انکے چھوٹے بھائی جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان میں سے تیسرے صاحب کو میں نے بھی دیکھا ہے قاری نسیم مذکور اور اُن کے چھوٹے بھائی دونوں اتنے بزرگ تھے کہ لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کے تقوی کو اُن کے تقوی سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مولوی مظفر حسین صاحب قاری نسیم اور اُنکے چھوٹے بھائی کا نمونہ ہیں) سید صاحب نے چھ مہینے تک تعلیم حاصل کی۔ چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب

کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ تانا جا رہا تھا۔ اس مقام پر ایک نیم تھا جس کی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا۔ بلکہ اس میں جھول رہتا تھا۔ اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے جب آپنے یہ رنگ دیکھا تو کرتہ کمر سے باندھکر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھ کر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل ٹھیک تن گیا اور جھول بالکل نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آگئی اور انھوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ لیجاؤ۔ اور سید صاحب سے کہدیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ۔ شاہ عبدالقادر صاحب ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھدیا۔ اور اشغال کیلئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے۔ اور جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتادی تھی سید صاحب خواہ مینہہ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جب تک شاہ صاحب نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اسوقت تک نہ اٹھتے تھے۔ شاہ صاحب نے سید صاحب کو ڈھائی برس اپنی خدمت میں رکھا۔ اور ڈھائی برس کے بعد ان کو لیکر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے پرکھا لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کو بیعت کی اجازت دیدو۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دینگے اور ان سے آپ ہی کا سلسلہ چلیگا۔ شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

حاشیہ حکایت (۱۱۲) قولہ سید صاحب سے کہدیا الخ **اقول** ۔ اگر شیخ مرید کو کسی کے سپرد کردے اسکے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خود رایوں کی عادت ہے۔ **قولہ** جبتک شاہ صاحب الخ **اقول** یہ ہے انقیاد شیخ ۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو ان حضرات کو درویشی کا منکر اور بزرگوں کی شان میں بے ادب کہتے ہیں آئیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں ۔ (اشت)

حکایت (۱۱۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصور شیخ کی تعلیم کی سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصوّرِ شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اسکا موقوف علیہ نہیں ہے تو (اختیار طریق میں) کچھ مضائقہ نہیں مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے ۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ طریقت اسپر موقوف نہیں ہے تم تصور شیخ نہ کرو ۔

حاشیہ حکایت (۱۱۳) قولہ سید صاحب نے فرمایا و قولہ شاہ صاحب نے فرمایا **اقول** یہ ہے اظہارِ حق اور یہ ہے اقرارِ حق ۔ مُرید ایسا ہو اور پیر ایسا ہو ۔ اور مبنی اس عذر کا یہ ہے کہ اس عمل کو غیر مشروع سمجھا ۔ مُرید کو یہی چاہئے کہ ایسے موقع پر عذر کردے ۔ مگر دو امر کا لحاظ لازم ہے ایک تو یہ کہ ادب سے عذر کرے رد و کد و اعتراض و اعراض و مقابلہ و مجادلہ کی صورت نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ شیخ کو چھوڑ نہ دے بلکہ اسکے ساتھ حسنِ ظن رکھے اور اس کے فعل کی کچھ تاویل مناسب کرے ۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آوے تو یہی سمجھ لے کہ کچھ تاویل ہوگی جو میرے ذہن میں نہیں آئی ۔ اس کے بعد یہ دیکھے کہ شیخ نے اُسکے عذر کو قبول کیا یا نہیں ۔ اگر کر لیا جیسے حضرت شاہ صاحب نے کر لیا فبہا اور اگر نہیں کیا بلکہ اپنی تجویز پر اصرار کیا یا مُرید سے مکدر ہو گیا تو اس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرے کامل سے رجوع کرے مگر اسکی شان میں بھی گستاخی نہ کرے کیونکہ ابتداءً راہ پر لگا دینے میں اسکا محسن ہے ۔ (اشت)

حکایت (۱۱۴) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سیّد صاحب جب تشریف لائے تو انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انھوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کر دی۔ اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔ یہ قصہ تو میں نے اپنے اُستاد سے سُنا ہے۔ اور مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ جب سید صاحب تعلیم علوم حاصل کر رہے تھے۔ اثنائے تحصیل میں انکی یہ کیفیت ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو ان کی نظر سے حروف غائب ہو جاتے تھے اس کے لئے طبیبوں کی طرف بھی رجوع کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ یہ قصّہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جماؤ اور دیکھو کہ وہ بھی تمھاری نظر کے سامنے سے اُڑتی ہیں یا نہیں۔ سید صاحب نے اسکا تجربہ کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اُڑی۔ اس کی اطلاع شاہ صاحب سے کی تو آپنے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اسپر کسی خادم نے (جس کا نام مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ بات کیا ہے اور آپنے پڑھنا چھوڑنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اسلئے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اُڑتی ہوں تو جانا جاوے کہ مرض ہے اور اس کا علاج کیا جاوے جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں نہیں اُڑتیں تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں ہے۔ لہذا میں نے کہدیا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اور فرمایا کہ انکو تعلّم سے پڑھنا نہ آئے گا بلکہ علم لدنی حاصل ہو گا۔

حاشیہ حکایت (۱۱۴) قولہ تعلّم سے پڑھنا نہ آئیگا اقول ہو کما قال الرومیؒ ۵

بینی اندر خود علوم انبیاء ۔ بے کتاب و بے معید و اوستا

مگر اس سے علوم احکام مستثنیٰ ہیں ان میں بجز نقل کے کوئی سبیل حجت نہیں۔ خواہ وہ نقل کتاب سے ہو یا اہل علم سے (شت)

حکایت (١١٥) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں بیان کروں گا میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لیگئے تو بوبنی کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھ کر وعظ فرمایا اُن کے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبد القیوم ابن جناب مولوی عبد الحی صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو کہ اسوقت بچّے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی عبد الحی صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وعظ جب نصف سے زیادہ ہو گیا تو مولوی عبد الحی صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو اشارہ سے اُٹھایا اور اُٹھا کر اس طرف لیگئے جس طرف قبریں ہیں میں بھی پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور میں نے اور تم نے اسکو لکھ بھی لیا ہے۔ لیکن اسوقت جو کچھ فرما رہے ہیں یہ تمھاری سمجھ میں بھی آتا ہے یا نہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے۔ اسپر مولوی عبد الحی صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے تو بہت زور لگایا۔ مگر میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ اب اس سمندر کو ہم اپنی کُلھیا میں کیونکر بند کریں۔ سید صاحب سے عرض کرنا چاہیے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کر کے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ سکیں۔ یہ کہکر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ آبیٹھے۔ قصہ ختم ہوا۔ خانصاحب نے فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبد القیوم صاحب کے سامنے بیان کیا انھوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اسلئے سید صاحب

کے پاؤں چھیڑ رہا تھا کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا۔ کبھی دوسرے پاؤں کو۔ اور چھیڑتا اسطرح تھا کہ قدم پر ہاتھ رکھ کر گدگداتا ہوا اوپر کو لیجاتا تھا۔ لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا فوراً سید صاحب اُسے نیچے اُتار دیتے تھے۔ بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اُتار دیا۔ اس قصہ کو بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ جب میں اول مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لئے گنگوہ جا رہا تھا تو سہارنپور پہنچکر مغرب کی نماز میں نے بوبنی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ بوبنی کی مسجد ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی بوبنی ہی کی مسجد ہے اور میں نے صحیح سمجھا تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۱۵) قولہ گدگداتا ہوں الخ اقول اس سے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک مخدومیت سے بعد کہ یہ امر ناگوار نہیں ہوا۔ دوسرا التقویٰ کہ زانو سے آگے ہاتھ نہیں جانے دیا۔ (اشرف)

حکایت (۱۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے ابو بکر خاں خورجہ والے سے سُنا ہے جو کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے دیکھنے والوں میں تھے۔ یہ صاحب فرماتے تھے کہ بعد مغرب سید صاحب نے اکبر آباد کی جامع مسجد کے بیچ کے در میں بیٹھ کر وعظ فرمایا۔ اور اس وعظ میں آپنے شیخین کے بھی کچھ فضائل بیان فرمائے۔ چار رافضی حوض پر کھڑے تھے اسوقت روافض کا فتنہ گو سابق کی نسبت بہت کم ہوگیا تھا مگر تاہم موجود تھا۔ ان رافضیوں نے تالی بجائی اور قہقہہ لگاکر بھاگنا چاہا۔ سید صاحب نے انکی آواز سُنکر زور سے اَللہ اَللہ کہا۔ اس آواز سے ایک رافضی تو حوض کے قریب ہی گر پڑا۔ اور ایک حوض سے کچھ آگے گرا۔ ایک دروازہ کے پاس گرا۔ ایک مسجد سے نکل گیا۔ اور سید صاحب ضرب الا اللہ کے بعد خاموش بیٹھ گئے۔ اسوقت مسجد کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ تنور کی طرح گرم ہوگئی ا

لوگ چلے جانے لگے۔ میں چونکہ کسی قدر بے تکلف تھا اسلئے میں نے سید صاحب کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ حضور بس اب لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بہت اچھا۔ اس کے بعد آپ نے عشاء کی اذان کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان تینوں رافضیوں سے کہدو کہ عشاء کی نماز پڑھ کر جاویں۔ اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی اور اس میں تینوں رافضی شریک ہوئے اور سُنی ہو کر سید صاحب سے بیعت ہو گئے۔ خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بچپن میں سُنا تھا کہ سید صاحب نے ہزاروں امام باڑے توڑ ڈالے ہیں۔ مگر حکیم جمیل الدین صاحب جو کہ پورب میں بہت رہے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب نے پچاس ہزار امام باڑے تڑوائے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۱۶) قولہ اس آواز سے ایک رافضی الخ اقول تصرفات کے کمال مقصود ہونے کا اس سے شبہ نہ کیا جاوے۔ اور اسی طرح اہل کمال کے نزدیک پسندیدہ نہ ہونا اور باوجود اس کے سید صاحب کا اس سے کام لینا بھی محل اشکال نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ بضرورت و باذن تھا بس جیسے قویٰ جسمانیہ سے اہلِ باطل کو مغلوب کرنیکا حکم ہے ویسے ہی قویٰ نفسانیہ سے۔ (شت)

حکایت (۱۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ الدھن۔ میرٹھ۔ ہاپوڑ۔ گلاوٹی۔ بلند شہر کا حال تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سب تفضیلی بلکہ بعض بعض تو رافضی تھے اور سُنا ہے کہ دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے۔ یہ بات کہ یہ مقامات بدعتِ تفضیل سے پاک ہیں یہ سب سید صاحب ہی کا صدقہ ہے۔ اور سنیوں اور شیعوں میں جو شادی بیاہ ہوتے تھے یہ بھی سید صاحب نے ہی رُکوائے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۱۷) یہ ہیں برکات جو کرامات و تصرفات سے بھی اکمل ہیں۔ (شت)

حکایت (۱۸۱) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب سیّد صاحب سیر کو تشریف لیجاتے تھے تو بڑے بڑے لوگ شکار بند پکڑا کرتے تھے۔ ہم بھی چاہتے تھے کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو مگر ہمیں موقع نہ ملتا تھا لیکن ایک روز موقع مل گیا اور میں شکار بند پکڑے ہوئے سید صاحب کے ساتھ چلا خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پر ایک رنڈی کا مکان تھا اور اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اس کے یہاں معمولی آدمی کا گذر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ سید صاحب جب اسکے مکان کے پاس کو نکلے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازہ پر کھڑی تھی اور تمام لباس سُرخ تھا سید صاحب اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اسکے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہوگئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی دوڑتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی۔ کہ اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے۔ آپ نے گھوڑا روک لیا اور وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سیّد صاحب ہر چند فرماتے ہیں کہ بی بی سُن تو سہی بات تو بتا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا اور اس نے کہا کہ میاں میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اسوقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں۔ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کرے گی۔ اس نے کہا جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو آپ فرمائینگے وہ کرونگی۔ آپنے فرمایا کہ تیرا دل کسی سے نکاح کو چاہتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ جی ہاں فلاں سے۔ آپنے فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔ اُس نے

کہا کہ اسوقت میرے مکان میں ہے۔ آپنے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے۔ اُس نے
کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں۔ سید صاحب نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سبکو
بلالاؤ۔ ہم گئے تو اسوقت دس آدمی تھے۔ ان میں سے نو تو آگئے مگر وہ نہیں آیا جس
سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔ جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی اسی شان سے یہ
لوگ بھی آئے اور وہ بھی سب کے سب تائب ہوگئے۔ اب آپنے رنڈی سمیت سب سے
فرمایا کہ تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب اکبری مسجد میں
چلے گئے۔ اور آپ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپنے مجھ سے فرمایا کہ میاں محمدی تم
نے دیکھا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھ لیا۔ آپنے فرمایا کہ
میاں سنو اس قسم کی باتیں یہود نصاریٰ مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں۔ بعض میں نظر کی قوت
ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے مگر وہ قوت کسبی
ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت
دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہوجانا اور اسکو بزرگ نہ سمجھ لینا بلکہ
اسکو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت بھی اس کے اندر نہ دیکھو اس کے
معتقد ہونا۔ یہ فرماکر آگے چلے اور جنگل میں پہنچکر فرمایا کہ الحمدللہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں
جس کے لئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جسطرف
کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے
ہیں۔ اس قصے کو یہاں چھوڑ کر میں اسوقت مولانا نانوتوی کا ایک ملفوظ سُناتا ہوں
جو اس مقام کے مناسب ہے۔ آپنے فرمایا کہ قبولِ عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول
جو خواص سے شروع ہوکر عوام تک پہنچے۔ اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور
اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامتِ مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا

کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامتِ مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ
تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ ملاءِ اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں۔ اور ملاءِ اعلیٰ اپنے سے
نیچے والوں کو۔ یہاں تک کہ وہ حکم اہلِ دنیا تک آتا ہے۔ اور جو ترتیب ملاءِ اعلیٰ میں تھی
اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت
ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو۔ پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیلِ
مقبولیت نہ ہوگی۔ اسکے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اوّل وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب
سے اچھے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے۔ اسکے بعد وہ لوگ جو اُن سے
کم تھے۔ اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیرِ اثر آگئے حتیٰ کہ کچھ آپکے ماننے والے
منافقین بھی تھے۔ اور اسی بناء پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے
افضل ہیں۔ اور اُن کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور ان کے بعد وہ جو اُحد
سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو صلح حدیبیہ
سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور فتح مکہ کے بعد
تو سبھی مطیع ہو گئے۔ اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی۔ یہ بیان فرماکر فرمایا
کہ سید صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب اور اُن کے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب
سے ہوئی ہے کہ اول اُن کے معتقد اہلِ کمال ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد اُن کی مقبولیت
عام ہوئی ہے۔ اور اسی طرح ہمارے حضرت حاجی صاحب کی مقبولیت ہوئی ہے کہ
اول ان کے معتقد خواص ہوئے۔ اس کے بعد اُن کی مقبولیت عام ہوئی مگر حاجی۔۔۔۔ کی
کی مقبولیت اوّل کن لوگوں میں ہوئی؟ ایسے ہی ویسوں میں۔ اور عموم شہرت کے بعد
اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور

قصہ یاد آگیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی .... شاہ علی گڈھ آئے چونکہ مشہور آدمی تھے اسلئے
نواب لطف علی خاں صاحب کو بھی اُن سے ملنے کا شوق ہوا اور انھوں نے گاڑی منگائی
جب انھوں نے پائیدان پر پیر رکھا تو اتفاق سے ایک خادم نے کہا کہ میاں آج
حاجی .... صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکٹھی ہو کر آئی تھیں مگر نواب صاحب نے
اسکو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے۔ دوسرے خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو
یقین نہیں آیا تو اس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا ہوا ہے۔ جب انھوں نے سمجھ لیا کہ
واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ شخص
ملنے کے قابل ہے ہم تو اسواسطے جاتے تھے کہ اُن کی صحبت سے خدا کی محبت نیکیوں
کی طرف رغبت، گذشتہ گناہوں پر ندامت اور آئندہ گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی مگر
معلوم ہوا وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے شہدے پھر کیوں جائیں۔ یہ کہکر جانا موقوف کر دیا
اور گاڑیبان کو حکم دیا کہ گاڑی لیجاؤ ہم نہ جائینگے۔ اس کے بعد ایک قصہ اور یاد آگیا
نواب لطف علی خاں کوئی مقدس لوگوں میں نہ تھے مگر بزرگوں سے تعلق تھا لیکن اس
تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجود سر سیّد سے ان کی بہت دوستی تھی مگر جب اُن کے تیجے کے
چنے پڑھے گئے ہیں اور مولوی ..... انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے
نواب صاحب نے مولوی سے .. سلام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ شاہ صاحب کے خاندان کے
ان متوسلین کی حالت تھی جو دنیا دار تھے۔ ان ضمنی مضامین کے بعد میں اصل قصہ کیطرف
آتا ہوں۔ میانجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب سیر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں آئے
وہ رنڈی اور وہ نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے آپنے سب کو بیعت
کیا اور اُن میں سے ایک شخص کے ساتھ جس سے وہ رنڈی رضامند ہوگئی تھی اسکا نکاح
کر دیا۔ اور وہ رنڈی باوجودیکہ بہت دولتمند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار

چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔ جب سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید ہو گئے۔ مگر اُس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ یہ رنڈی ایک دوسری رنڈی کے ساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اس کی توبہ کا قصہ حکایت گذشتہ میں آچکا ہے) مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھی اور دانہ دلتے دلتے اسکے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے۔ ایکمرتبہ میں نے اُن سے پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبت میں تھے اور اب ہمیں جو راحت ہے اسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اسوقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھدیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جاوے۔

حاشیہ حکایت (۱۱۸) قولہ مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو الخ **اقول** ایسی قوت عام ہے کسبی اور وہبی سے جیسی قوت جسمیہ کہ کبھی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے کبھی فطری و خلقی طور پر اور کمال دینی ان میں سے کوئی بھی نہیں البتہ دیکھا یہ جاویگا کہ اس قوت کو صرف کہاں کیا اسیکا اعتبار ہوگا۔ پس کمال مطلوب عمل ہوا نہ کہ یہ قوت۔ **قولہ**۔ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں **اقول** اس سے افتخار مقصود نہیں بلکہ محض تحدث بالنعمۃ اور کبھی اس اظہار سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ سُننے والے ان بزرگ سے دینی فائدہ حاصل کریں۔ (دشت)

حکایت (۱۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ سید صاحب ایک روز اکبری مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک

جوان سر سے پا تک حریر کا لباس پہنے ہوئے اور ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پوری
ری میں انگوٹھی چھلے پہنے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اور چونکہ اس
مانہ میں بانکوں کی وضع یہ تھی کہ ڈھیلا پاجامہ کلیوں دار پہنا کرتے تھے اس لئے
شخص بھی ڈھیلا ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ یہ شخص فوج میں ملازم تھا مگر یہ یاد
ہیں کہ دفعدار تھا یا اور کچھ۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں فوج میں ملازم ہوں۔
ر ہماری فوج کو یہاں چھ مہینے رہنے کا حکم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور مجھے
بیعت کرلیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت ! کیا یہ صورت بیعت کی ہے۔ ڈاڑھی
پ کی منڈی ہوئی ہے لباس سارا حریر کا ہے ہاتھوں میں مہندی ہے پوری پوری
ں چھلے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں اور چھلے تو
ں اسی وقت اُتارے دیتا ہوں لیکن کپڑے ابھی نہیں اُتار سکتا کیونکہ نہ دوسرے
پڑے یہاں میرے پاس ہیں اور نہ گھر۔ رہی مہندی اور ڈاڑھی سو میں مہندی کے
ائل کرنے سے بھی اسوقت عاجز ہوں اور ڈاڑھی بھی نہیں پیدا کر سکتا۔ سیّد صاحب
نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کے لئے کپڑوں کا انتظام کرایا جاوے چنانچہ لوگوں
نے کرتہ پاجامہ وغیرہ دیدیا اور سیّد صاحب نے اپنا عمامہ اور چادر دی۔ اس نے
پڑے اُتار کر یہ کپڑے خوشی خوشی پہن لئے۔ اسکے بعد سیّد صاحب نے اُسے بیعت کیا اور علیحدہ
جا کر کچھ تعلیم فرمایا۔ بیعت ہونے کے بعد یہ شخص چھ سات روز تک صبح کے وقت اور
د عصر روزانہ آتا رہا۔ لیکن ساتویں یا آٹھویں روز جو وہ آیا تو نہایت پریشان اور
وتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ ہمارا قیام چھ سات مہینے ہوگا اور میں حضور سے
ستفید ہوں گا۔ مگر آج ہماری فوج کے تبادلہ کا حکم آگیا ہے اور کل کو ہمیں یہاں سے
انا ہوگا۔ مجھے اپنی محرومی اور حضور کی مفارقت کا نہایت صدمہ ہے۔ سیّد صاحب

اس کا ہاتھ پکڑ کر شاہ عبدالقادر صاحب کے حجرہ میں لیگئے اور آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ حجرہ میں رہے۔ اس کے بعد سید صاحب تنہا حجرہ سے نکلے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ ان کو باہر اٹھا لاؤ اور ہوا دو اور یہ کہکر تیز قدمی کے ساتھ دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ ہم لوگ جب اندر گئے ہیں تو دیکھا کہ وہ شخص بالکل بیہوش تھا۔ اسے حجرہ سے سہ دری میں لے آئے اور پانی کے چھینٹے دئے پنڈول سونگھایا کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل مست تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور کہتا تھا کہ واللہ باللہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں سید صاحب ہی نظر آتے ہیں وہ میری آنکھوں میں بھی ہیں۔ یہ الفاظ اس نے تین دفعہ زور زور سے کہے سید صاحب نے کواڑ کھولکر اپنا چہرہ نکالا اور زور سے فرمایا کہ خاموش اور مجھ کتے کی صورت اپنے سامنے سے منہدم کر۔ اور یہ الفاظ آپنے بھی تین مرتبہ فرمائے۔ اس کا اثر یہ کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ یہ قصہ بیان فرما کر میرے استاد بیان فرماتے تھے کہ تصور دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ کہ جو از خود ہو۔ اور دوسرا وہ جو تصور کرنے سے ہو۔ سید صاحب جو تصور شیخ کو منع فرماتے تھے وہ وہ تصور تھا جو قصداً اور بتکلف کیا جائے اور جو تصور از خود ہو اس کو منع نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ ایسے تصور کا ثبوت حدیثوں سے ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکمرتبہ نہا کر نکلے آپ اپنے بالوں کے دو حصے کرتے تھے اور ان کے درمیان باریک مانگ تھی گویا میں دیکھ رہی ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایکمرتبہ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یونہی بٹھاتے تھے گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ تصور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا مگر از خود

نہ کہ بہ تکلف و بالقصد۔

حاشیہ حکایت (۱۱۹) قولہ جس طرف آنکھ اٹھا کر الخ **اقول** شاید یہ تصرف اسکے رنج مفارقت کے تدارک کے لئے کیا گیا ہو کہ اس طرح نظر آجانے سے تسلی رہے گی اور اچھا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نظر آنا بند ہو گیا بلکہ اس میں تقلیل و تعدیل ہو گئی ہو۔ **قولہ** وہ تصور تھا جو قصداً اور بتکلف الخ **اقول** اس سے بھی وہ درجہ مراد ہے جس میں مقصودیت کی شان ہو جیسے بطور شغل مستقل کے کرتے ہیں جس میں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس میں مشابہت ہے شرک کی ورنہ اگر محبت میں قصداً بھی تصور کرے تو کچھ ہرج نہیں اور جن بزرگوں سے اجازت منقول ہے وہ بقدر ضرورت ہی کہ خطرات دفع نہ ہوں تو کسی مشاہد چیز کے تصور سے حسب قاعدہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد ہو جاتے ہیں اور اس میں صورت شیخ وصورت دیگر اشیاء سب متساوی ہیں مگر شیخ سے چونکہ طبعاً محبت زائد ہوتی ہے اس کی طرف توجہ اقوی ہونے سے دفع سہل تر ہوتا ہے مگر بعد دفع خطرات کے پھر اس کو بھی زائل کر دیتے ہیں اور عین تصور کے وقت بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسرا کوئی تصور آنے نہ پائے گو اس سے زیادہ محمود یا مقصود ہو۔ **قولہ** چنانچہ حضرت عائشہ رضہ الخ **اقول** ان حدیثوں کی تحقیق کر لی جاوے باقی ایسا جملہ حدیثوں میں وارد بکثرت ہے۔ (تشت)

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۱۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحب تیرھویں صدی کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں اسپر شاہ عبد العزیز صاحب نے سنکر فرمایا کہ الحمد للہ۔ اللہ کو ایک بندہ پیدا کرنا تھا سو پیدا ہو گیا۔

(منقول از روایات الطیب)

حکایت (۱۲۱) فرمایا کہ سید احمد صاحب جسوقت شاہ عبد العزیز کی خدمت میں

تھے تو شاہ صاحبؒ نے ان کو شغل رابطہ تبلایا تو سید صاحبؒ نے اس شغل سے عذر فرمایا
اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ؛ کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

تو سید صاحبؒ نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لوں گا یہ تو معصیت نہیں شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ سنکر ان کو سینہ سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے تم کو طریقِ ولایت سے مناسبت نہیں ہے۔ دوسرا واقعہ سید صاحبؒ کے انقیاد کا امیر شاہ خانصاحبؒ نے امیر الروایات میں لکھا ہے کہ جب شاہ عبد القادر صاحبؒ شاہ صاحبؒ سے مانگ کر اُن کو اپنے پاس لے گئے تو آپ نے مسجد میں ایک جگہ تبلادی تھی کہ اس جگہ بیٹھ کر ذکر و شغل کیا کرو۔ رفتہ رفتہ برسات کا زمانہ آگیا۔ ایک روز شاہ صاحبؒ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور یہ اسی میں بیٹھے ہیں۔ سید صاحبؒ سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو؟ تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع تبلایا تھا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا یہ ہے اطاعت شاہ صاحب کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے تبلانے کو ایسا عام سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑے بھی گذر جاتے جب بھی سید صاحب اس جگہ سے نہ اُٹھتے۔ (مدعی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے۔ اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھئے کیسا ہوتا ہے اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا اور اختلاف ہو تو ایسا اور پیر بھی کیسے کہ کچھ نہ فرمایا حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوئے) اور یہ فرمایا کہ اگر کہئے تو معصیت اختیار کر لوں۔ اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک سے مقصود ہے بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ؛ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۲۱) منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایکبار دریافت کیا کہ حضرت سید احمد بریلوی کے دیکھنے والوں میں سے اب بھی کوئی شخص زندہ ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا بالفعل تو مجھے یاد نہیں بعد فکر بتلاؤں گا۔ مولنا عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ سہارنپور میں ایک خشت فروش زندہ ہے حضرت نے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبہٹہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحبؒ سے دیکھیں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحبؒ نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔ سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا۔ وہ تن تنہا یار محمد خاں کے پاس پہنچا اور پیغام سُنایا۔ اُس نے جواب دیا سید سے کہدے وہ کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے اس کے لئے بہتر نہ ہوگا۔ اس کے ہمراہی ایک ایک کر کے مارے جاوینگے اور خود اُس قاصد کے کوڑے لگوائے پھر واپس کر دیا اور پوچھا پھر بھی اگر سید تجھے بھیجیگا تو تو آئیگا؟ اُس نے کہا ہاں پھر آؤں گا۔" غرض قاصد نے واپس ہو کر سارا حال سید صاحبؒ سے عرض کیا۔ سید صاحب نے فرمایا اچھا تم ہی جا کر یار محمد خان سے کہدو کہ" تو ہم کو کیا نرک دیگا تو خود پیشاب پی کر مریگا" المختصر لڑائی ہوئی اور یار محمد خان کی فوج نے ہزیمت پائی۔ یار محمد خاں بھی بھاگا۔ اس اثنا میں اسے تشنگی لاحق ہوئی جب پانی مانگا اور خادم نے جواب دیا کہ موجود نہیں ہے تو کہا "شاشہ بیارید" یعنی پیشاب ہی لاؤ اور پیکر قتل ہوا۔

پھر کچھ عرصہ بعد کھڑک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی ہوئی۔

جس میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب و مولوی محمد حسن صاحب بھی وہیں شہید ہوئے البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ لوگ تلاش میں تھے اور ادہر اُدھر جستجو کرنے لگے۔ چند چند آدمی مختلف دیہات اور پہاڑوں میں جا کر ڈھونڈا کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گاؤں میں برابر پتہ ملتا چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے ایک شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا اسی حالت میں میں نے تینوں شخصوں کو جاتے دیکھا جن میں ایک سید صاحبؒ تھے میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہم کو کہاں چھوڑ گئے اور کیوں ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ سب لوگ آپ کے روبراہ ہیں۔ میرے غل مچانے پر حضرت سید صاحب نے منہ پھیر کر مجھے دیکھا۔ کچھ جواب نہ دیا اور چلے گئے۔ میں بوجہ سخت بیماری کے اٹھ نہ سکا غل مچایا کیا۔

دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انھیں دنوں سید صاحبؒ کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے دفعۃً کچھ فاصلہ پر گرڑ بڑاہٹ سنا میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا کہ سید صاحب اور اُن کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے۔ اور اُن سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہمکو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اسلئے ہم نہیں آسکتے۔" اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیر اور حالات پوچھے اور پھر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کر کے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہو گئے میں تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا حیران اور مایوس تھا کہ یا اللہ کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیان نظر سے غائب ہو گئے۔

تیسرے ایک شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اُترے وہاں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اسکو سید صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی اِدھر اُدھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا۔

منشی محمد ابراہیم نے کہا سید صاحب تیرھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ھ میں ممکن ہے کہ حیات ہوں۔ انھوں نے جب لفظ ممکن کہا تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا بلکہ اَمکن اور فرمایا کہ سید صاحب انبہٹہ میں بھی تشریف لائے۔ میاں صابر بخش سجادہ نشین شاہ ابوالمعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی مولوی عبدالحی صاحب مولوی محمد سالار سے ملنے کو اُن کے مکان پر گئے تھے۔ مولوی محمد سالار نے قیام کا حال دریافت کیا تو صابر بخش کے مکان پر قیام بتایا گیا۔ مولوی محمد سالار نے کہا " اُس کافر کے مکان پر ٹھہرے " مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا وہ کافر نہیں ہے اور وجوہات میں کتب فقہ کا حوالہ دیا۔ مولوی محمد سالار نے کہا " مولوی صاحب یہ دہلی نباشد کہ کتاب مُنہ پر دے ماری یہ انبہٹہ ہے " مولوی عبدالحی صاحب اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے واپس ہوئے۔ گنگوہ بھی سید صاحب تشریف لائے اور مُکلّے کی سرائے میں قیام ہوا تھا۔ چند شخص یہاں شرفِ بیعت سے مشرف بھی ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھا بڑا ہی متبع سنت تھا اس کی عادت تھی جب رمضان شریف گذر چکتا تو لوگوں سے کہتا کہ بھائیو ایک برس کی میری زندگی اور نکل آئی۔ لوگ ہنسا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہدیتا ہے۔ حتیٰ کہ رمضان کی سات تاریخ کو انتقال کیا۔

سید صاحب نانوتہ بھی تشریف لیگئے تھے وہاں بھی بہت سے لوگ مُرید ہوئے

ایک مرید نے بیان کیا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ سید صاحب مسجد جامع کے وسطی دروازہ میں کھڑے ہیں۔ نہایت شکیل جمیل تھے اور آپ نے اپنی پگڑی اُتار کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیکر باقی بیعت کرنے والوں کو پکڑا دی۔ لوگ برابر دوسرے سرے تک اسکو پکڑے ہوئے تھے۔ اور پگڑی کنکھجورے کی شکل معلوم ہوتی تھی کیونکہ دونوں طرف سے اسکو تھامے ہوئے تھے۔

سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے اور بس۔ سید صاحب اتباع سنت کے لئے ازحد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولوی عبدالحی صاحبؒ سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپکے ساتھ ہوگا ہی کہاں۔ یعنی ہمراہی چھوڑ دوں گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے سید صاحب نے شادی کی تھی نماز میں کچھ دیر سے آئے۔ مولوی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہو گئی۔ اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہو گئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادتِ الٰہی ہو گی یا شادی کی عشرت"؟ سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کے لئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے تیار کر کے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرمادیں لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑہ بدلتا ہوں لیکن

اگر امر خدا یہ ہو کہ میں کملی پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو۔ اس کلمہ کو بار بار کچھ دنوں میں فرمایا کرتے۔ آخر ایک مرید افغان نے کہا " کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتا ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے " سید صاحبؒ نے فرمایا کہ واقع میں بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں بہر حالت مستعد رہنا چاہیئے۔

ایکبار فرمایا مولوی احمد حسن صاحب امروہی جو سید صاحبؒ کے ہمراہ تھے اُن کا یہ حال تھا کہ ایام سرما میں جب اُن کے پاس گھر سے رزائی بچھونا جاتا تو اپنے اعضاء سے کہتے کہ تم ان میں آرام لوگے؟ ان میں رہوگے؟ لیکن میں جب خوش ہوں گا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہوا خاک میں رُلتا ہو" اور بالآخر یونہی ہوا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کسی شہر میں گذرے ایک کسبی خوبصورت اپنے دروازے پر کھڑی تھی۔ سید صاحبؒ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر چلدئے۔ تو وہ رنڈی بے تحاشا دوڑی اور گھوڑے کے قدموں میں گر پڑی کہ حضرت برائے خدا مجھے افعال ناشائستہ سے توبہ کراؤ اور بیعت کر لو۔ حضرت نے توبہ کرائی اور اس سے دریافت کیا کس سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ اُس کا کوئی آشنا تھا اس نے اس کی نسبت کہا اس شخص نے انکار کر دیا تب اسی وقت قافلہ والوں میں سے کسی شخص کے ساتھ حضرت نے اس کا نکاح کر دیا اور قیامگاہ پر پہنچکر فرمایا کہ لوگو جو کچھ تم نے دیکھا اسپر تعجب نہ کرنا اگر کوئی شخص اس سے زیادہ بھی اپنا اثر دکھائے مگر ہو خلافِ سنت ہرگز ہرگز اسکا اعتبار نہ کرنا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہنگامِ قیام نانوتہ میں مسمّٰی غلام حسین شیعوں کا مولوی تھا

وہ بھی سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک مکان میں بیٹھے تھے جب وہ اندر آیا تو آپ متوجہ نہ ہوئے اسپر جوں ہی اخر پڑا تو وہ بدنصیب جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگا کہ یہ شخص سیّد بڑا جادوگر ہے اور جبتک سید صاحب نانوتہ میں مقیم رہے وہ جنگل میں رہا کیا شہر میں نہ آیا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۹) حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۲۲) خاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پہلے خادم میاں کریم اللہ تھے۔ جب میاں کریم اللہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی بجائے ان کے بیٹے میاں عیدو شاہ صاحب کی خدمت کرنے لگے۔ یہ میاں عیدو فرماتے تھے کہ جو شخص شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں جامع مسجد (دہلی) کے امام تھے وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بخاری بزرگ جامع مسجد میں آکر ٹھہرے اور کئی روز تک ٹھہرے رہے۔ یہ صاحب اسقدر نیک تھے کہ ان کا مستحب تک ترک نہ ہوتا تھا۔ اشراق۔ چاشت صلوٰۃ الاوابین تک پر مداومت کرتے تھے۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں سے ملنے آیا ہوں مگر نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہاں کون کون بزرگ ہیں اور نہ یہ کہ وہ کہاں کہاں رہتے ہیں اور نہ میری کسی سے شناسائی ہے کہ وہ رہبری کرے۔ میں نے کہا کہ یہانکے بزرگوں سے میں آپ کو ملاؤں گا۔ مگر اتنی درخواست ہے کہ آپ عارف ہیں جن جن بزرگوں کی جو جو کیفیت جناب کو معلوم ہو اُس کو مجھ سے بیان فرمادیا جاوے۔ انھوں نے اسکو منظور فرمایا۔ میں اول انکو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں لیگیا۔ شاہ غلام علی صاحب بہت مدارات سے پیش آئے اور یہ بزرگ انکی خدمت میں دیر تک رہے۔ جب ہاں

رخصت ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ حضرت فرمائیے کیا کیفیت ہے آپ نے فرمایا
کہ کچھ نہ پوچھو۔ بہت بڑا شخص ہے میں کوئی ولایت نہیں دیکھتا جس میں اسکے طریقت
کی نہریں نہ بہتی ہوں۔ اس کے بعد میں ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں
لے گیا وہاں بھی دیر تک بیٹھے۔ جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ انکی
کیفیت بیان فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو شاہ غلام علی سے شریعت
میں بھی بڑھے ہوئے ہیں اور طریقت میں بھی ان کی شریعت کی نہریں میں تمام عالم میں
دیکھتا ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ ایک زمانہ تک قائم رکھے گا۔ اسکے بعد میں ان کو
شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں لے گیا۔ وہاں بہت ہیبت زدہ بیٹھے اور
تھوڑی دیر بیٹھے۔ وہاں سے واپسی میں میں نے اُن کی کیفیت دریافت کی تو
انھوں نے فرمایا کہ ان کی حالت میں کچھ نہیں بیان کر سکتا۔ کیونکہ جب میں نے
اکبری مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا ہے تو جو کچھ میرے پاس تھا سب سلب ہو گیا
میں کورا رہ گیا۔ اور جب واپس ہو کر سیڑھیوں پر آیا تو پھر مجھے مل گیا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۳) قولہ۔ سب سلب ہو گیا۔ **اقول** یہ مغلوبیت ہوتی ہے بشکل
سلوبیت جیسے نورِ کواکب نورِ شمس سے کالعدم ہو جاتا ہے (ش ت)

حکایت (۱۲۴) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ
غلام علی صاحب جب ابتدا میں دہلی آئے ہیں تو جامع مسجد میں شرقی دروازہ
کے اوپر شمالی سہ دری میں ٹھہرے کئی وقت ہو گئے۔ مگر کسی نے کھانے کو نہ پوچھا اور
فاقہ سے رہے۔ کئی وقت کے بعد ایک شخص ایک بڑی قاب میں مرغ کی بریانی لایا
اور شاہ غلام علی صاحب کو مسافر سمجھ کر دیدی۔ اسوقت کا دستور تھا کہ برتن واپس
لیتے تھے اس لئے اس نے قاب بھی واپس نہ لی۔ جب انھوں نے کھانا کھایا تو کچھ کھانا

بچ رہا۔ ان کو خیال ہوا کہ اسکو رکھدیا جاوے۔ دوسرے وقت کام آویگا۔ یہ خیال کرکے انھوں نے رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور رکھنا ہی چاہتے تھے کہ معًا ان کو خیال ہوا کہ رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ کسی اور حاجتمند کو دیدینا چاہیئے۔ جس خدا نے اسوقت دیا ہے وہ دوسرے وقت بھی دے گا۔ یہ خیال کرکے وہ نیچے اُترے اور دروازہ سے باہر کسی حاجتمند کو دینے کے لئے گئے۔ جب یہ دروازہ سے نکلے ہیں تو ایک مجذوب نے اُن کی طرف مخاطب ہوکر کہا "خوب سمجھا بے سالے یہ ٹھہری تھی کہ اگر یہ صرف قاب کو ٹیک دے تو سالے کو بھوکا مارڈالو۔

حاشیہ حکایت (۱۲۴) قولہ یہ ٹھہری تھی۔ اقول۔ ہر ایک کے ساتھ جدا معاملہ ہے اس سے ادخار کا منافی توکل ہونا لازم نہیں آتا (شت)

حکایت (۱۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ ان کی کتابیں چرا کر لیجاتے اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کے لئے آتے۔ کتابوں کا داروغہ دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے۔ دیکھئے اسپر آپ کا بھی نام لکھا ہوا ہے اور میرا بھی۔ آپ فرماتے۔ کیا دنیا میں میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں۔ نہیں ہماری کتاب نہیں ہے اسی کی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے اور وہ کتاب اسی کو دیدیتے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۵) قولہ کیا دنیا میں۔ اقول یہ ہے علم و عمل لا تقف ما لیس لک بہ علم کا (شت)

حکایت (۱۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو عرضی لکھا کرتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۶) قولہ۔ عرضی لکھا کرتے تھے۔ اقول۔ ادب کا یہ بھی ایک رنگ تھا۔ دوسرا رنگ عرضی کو حجاب سمجھ کر زبان سے عرض کرنا ہے۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست (ش ت) (منقول از امیر الروایات)

۱۰) مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد حسن مراد آبادی کے والد مولوی احمد حسن شاہ عبد الغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے مگر اعمال وغیرہ میں بدعات کا رنگ تھا۔ قوالی سُنتے تھے۔ عرسوں وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے اسوجہ سے شاہ عبد الغنی صاحب نے ان کو حدیث کی سند بھی نہ دی تھی۔ اسی زمانہ میں خورجہ میں ایک شخص یعقوب خاں نام تھے یہ شخص فارسی میں نہایت قابل اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ میر کے رنگ میں شعر کہتے تھے مگر ان کا دیوان مرتب نہیں ہوا۔ یہ کہا کرتے تھے کہ وادی پُر خار میں یا میر گیا ہے یا میں۔ اور میر کا یہ شعر پڑھتے تھے

ماجرا برہنہ پائی کا ہمارے مجنوں ؎ خار سے پوچھ کہ سب لوگ زباں ہیں اسکو

اور اپنے یہ شعر پڑھتے تھے

ملکے خاروں سے دشت غربت میں ؎ آبلے پھوٹ پھوٹ کر روئے

قضا۔ ہم نے چاہا کہ اٹھیں دشتِ جنوں سے یعقوب ؎ آبلے پاؤں پڑے خار نے دامن پکڑے

فرہاد نہ پوچھ سختیٔ ہجر ؎ دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

یہ یعقوب خاں خاندان عزیزی کے عقاید پر تھے اور مراد آباد میں داروغہ تھے۔ ایکروز اپنے دروازہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مولوی احمد حسن صاحب قوالی میں سے تشریف لائے انھوں نے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کہاں سے آرہے ہو فرمایا

کیا بتاؤں کہاں سے آرہا ہوں جھک مار کے آرہا ہوں گوہ کھا کے آرہا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۲۷) قولہ کیا بتاؤں **اقول** اسکی وجہ مولوی احمد حسین صاحب مرحوم مرادآبادی کی حکایت میں آتی ہے۔

حکایت (۱۲۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ بھی مولانا گنگوہی بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں کئی وقت کا فاقہ ہوا۔ اس کا تذکرہ انکی ماما نے کہیں کردیا۔ اسکی خبر کسی ذریعے سے مفتی صدرالدین خاں صاحب کو بھی ہوگئی مفتی صاحب نے تین سو روپیہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دئے۔ شاہ صاحب نے واپس کردئیے۔ اسپر مفتی صاحب وہ روپئے لیکر خود حاضر ہوئے اور تخلیہ میں روپئے پیش کئے اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ یہ صدرالصدور ہے رشوت لیتا ہوگا اسلئے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا بلکہ یہ روپئے میری تنخواہ کے ہیں۔ آپ ان کو قبول فرمالیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ تم رشوت لیتے ہوگے میں تمھاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اور اس لئے میں اُن کے لینے سے معذور ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۲۸) قولہ خود حاضر ہوئے **اقول**۔ اس سے جناب مفتی صاحب کا بھی یہ کمال ادب و محبت دینی ثابت ہوتی ہے کہ واپسی کو اپنی شان کے خلاف سمجھکر متغیر نہیں ہوئے۔ پھر نیازمندانہ حاضر ہوئے اور کمال خلوص سے تخلیہ میں پیش کئے۔ پھر دوبارہ واپس کرنے اور نوکری کو ناجائز کہنے پر ناگواری نہیں ہوئی یہ اُس زمانہ کے دنیاداروں کا حال تھا۔ (شت)

حکایت (۱۲۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مفتی صدرالدین خانصاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگائیں۔ شاہ صاحب نے بھیجدیں

جلدیں شکستہ تھیں۔ مفتی صاحب نے واپسی کے وقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس فرمادیں۔ جب شاہ صاحب کے پاس کتابیں پہنچیں تو شاہ صاحب نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کے پاس واپس فرمادیں اور کہلا بھیجا ہمارے وہی پرانے پٹھے بھیج دو۔

حاشیہ حکایت (۱۲۹) احقر نے یہ حکایت حضرت مولانا گنگوہی سے اس اضافہ کے ساتھ سُنی ہے کہ جناب مفتی صاحب نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ یہ جلدیں اپنی تنخواہ سے نہیں بنوائیں بلکہ اپنے بزرگوں کے ترکہ سے بنوائی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ جب مفتی صاحب ایسا کہتے ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جاوے مگر اس کے کچھ دیر بعد ان جلدوں کو توڑ ڈالا اور فرمایا دل قبول نہیں کرتا (شت)

(منقول از امیر الروایات)

اضافہ از مولانا محمد نبیہ صاحب

حکایت (۱۳۰) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ میرے استاد مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جسقدر نفس سے دوری ہے اسیقدر قرب حق تعالیٰ حاصل ہے (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۱۳۱) ایک بار ارشاد فرمایا کہ میرے استاد حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا۔ سینکڑوں مُرید تھے اور ان میں اکثر امرا اور بڑے آدمی تھے۔ مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوتا تھا۔ ایک روز آپکے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا۔ خادمہ کسی بچہ کو گود میں لئے ہوئے باہر نکلی۔ بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کے سبب پژمُردگی تھی۔ اتفاق سے مفتی صدر الدین صاحب کہیں سے تشریف لاتے تھے بچہ کا چہرہ مُرجھایا ہوا دیکھا۔ تو خادمہ سے پوچھا بچہ کیسا ہے اس کا رنگ کیوں متغیر ہے؟

اُس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے۔ مفتی صاحب کو
سخت صدمہ ہوا۔ اسی وقت گھر پہنچکر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپیہ روانہ کئے اور لکھا
کہ یہ آمدنی فیس کی نہیں ہے بلکہ تنخواہ ہے قبول فرمالیجئے۔ وہ روپئے حضرت شاہ
صاحب نے واپس فرمادیئے اور کہلا بھیجا آپ کی تنخواہ ہی کہاں جائز ہے؟ یہ تو ہولیا
اس کے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوا کہ فاقہ کا راز کس طرح ظاہر ہوا تحقیق سے معلوم ہوا
کہ خادم نے کہدیا تھا۔ آپنے اسکو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے
تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کے لئے ہمارا راز افشا نہ کرو۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۱۱) میانجی عظیم اللہ صاحبؒ خادم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی حکایت

حکایت (۱۳۲) خانصاحب نے فرمایا میانجی عظیم اللہ ایک شخص تھے جو خورجہ
کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے چنداں نہ تھے معمولی فارسی جانتے تھے اور لڑکے پڑھا
کرتے تھے مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے صحبت یافتہ اور ان کے مرید تھے اسلئے دین
میں اُن کی سمجھ نہایت اعلیٰ تھی۔ انھوں نے ایک مرتبہ تصورِ شیخ کے متعلق تقریر فرمائی
اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ افاضہ نہایت کامل
اسلئے صحابہ کی اصلاح باطن کے لئے صرف آپکی تعلیم کافی تھی اور ان کو اشغال متعا
رفین الصوفیہ کی ضرورت نہ تھی اور بدون ان اشغال کے اصلاح ہو جاتی تھی۔ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رفتہ رفتہ یہ قوت مضمحل ہوتی گئی۔ اور نوبت
یہاں تک پہنچی کہ صوفیہ کو اصلاح باطن میں اشغال متعارفہ مثل ذکر بالجہر و ضبر

و پاس انفاس وغیرہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے اشغال متعارفہ سے کام لیا۔ یہ اشغال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اسلئے بدعت تھے۔ مگر بدعت فی الدین نہ تھے بلکہ بدعت للدین تھے۔ یعنی ان امور کو دین میں داخل نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو امور شرعاً مامور بہ تھے ان کو انکی تحصیل کا ذریعہ بنایا گیا تھا اور اسلئے یہ اشغال للدین تھے نہ کہ داخل دین۔ اسکو یوں سمجھو ایک طبیب نے نسخہ میں شربت بنفشہ لکھا مریض کو شربت بنفشہ کی ضرورت ہے مگر بازار میں شربت بنفشہ نہیں ملتا اسلئے وہ لکڑیاں لاتا ہے، آگ جلاتا ہے، دیگچی لاتا ہے، شکر لاتا ہے، پانی لاتا ہے، بنفشہ وغیرہ لاتا ہے اور شکر و بنفشہ وغیرہ کو دیگچی میں ڈالکر آگ پر پکاتا ہے اور شربت بنفشہ تیار کر کے نسخہ کی تکمیل کرتا ہے۔ تو یہ لکڑیاں لانا آگ جلانا وغیرہ زیادۃ فی النسخہ نہیں بلکہ تکمیل النسخہ ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ تحصیل مرتبۂ احسان اور اصلاح نفس شرعاً مامور بہ ہیں اور شریعت نے ان کا کوئی طریق خاص معین نہیں فرمایا۔ اسلئے یہ مامور بہ جس طریق مباح سے بھی حاصل ہوں اس طریق کو اختیار کیا جائیگا اور وہ طریق خاص جزو دین نہ ہوگا مگر ذریعۂ دین ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ آدمی کیلئے سینکڑوں بت ہیں جو اسکو توجہ الی الحق سے مانع ہیں کہیں اسکا دل مال میں الجھا ہوا ہے کہیں جاہ میں کہیں جورو میں کہیں اولاد میں کہیں معشوق میں الی غیر ذلک۔ غرضکہ اس کا ایک دل ہزاروں مطلوبات میں مشغول ہے اور یہ مشغولی اسکو توجہ الی الحق سے مانع ہے۔ جب مشائخ نے جو اطباء روحانی ہیں اس مانع کو محسوس کیا تو اس کا علاج تصور شیخ تجویز کیا تاکہ اس کا قلب سب طرف سے ہٹکر ایک مرکز پر ٹھہرے اور اس میں مقصود اصلی کی طرف توجہ کی استعداد پیدا ہو جاوے اور گو یہ تصور خود بھی بت یعنی غیر مقصود تھا مگر بضرورت جمع خاطر اس کو اختیار کیا گیا تھا۔ جب ان کے

خیالات وافکار ایک مرکز پر جمع ہوکر اس قابل ہو جاتے تھے کہ وہ مقصود اصلی وحقیقی یعنی حضرتِ حق کی طرف متوجہ ہو سکیں تو اس بُت کو بھی توڑ دیتے تھے اور تصور شیخ کو بیچ میں سے ہٹا کر اس قلب کو براہ راست حق تعالیٰ سے وابستہ کر دیا جاتا تھا یہ اصلی غرض تھی تصور شیخ کی۔ اور یہ مقصد تھا اس کا۔ اب بعد کے لوگوں نے تصور شیخ کو جو حقیقت میں بت مگر ذریعہ تھا استعداد توجہ الی الحق کا مقصود اصلی بنا لیا اور اسی پر جم کر رہ گئے اور وہ بجائے ذریعہ توجہ الی الحق ہونے کے (اور موانع سے بھی زیادہ) توجہ الی الحق سے مانع تام ہو گیا۔ جب سید صاحب پر یہ منکشف ہوا کہ اب تصور شیخ موصل الی الحق نہیں رہا بلکہ حق سے مانع ہو گیا ہے تو انھوں نے اسکو منع فرمایا اور نہایت سختی کے ساتھ روکا۔ یہ وجہ تھی سید صاحب کے تصور شیخ سے انکار کی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۲) قولہ اسکا علاج تصور شیخ الخ اقول یہ تفصیل ہو اسی تحقیق کی جو حواشی حکایت بالا میں اجمالاً بیان کی گئی (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۱۳) مولوی شاہ محمد عمر صاحبؒ صاحبزادہ مولٰنا شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۱۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر اپنے پھوپھا کے ساتھ موجود تھا اور وہاں مفتی صدر الدین خاں اور مرزا غالب بھی موجود تھے۔ مفتی صدر الدین خاں صاحب نے مولوی محمد عمر صاحب ابن جناب مولٰینا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا ایک قصہ بیان فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی محمد عمر صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے۔ اسی میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دو دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہمکو بھی زیارت کرا دیجئے۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا

ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب آپ کو مورچھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدرالدین آؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو! اور بعینہ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا اور بعینہ اسی طرح ان دوسرے اشخاص نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا تاکہ اُن سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لئے میری طرف چلے۔ اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری طرف چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمھارے پاس جا رہا تھا رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا ہم تمھارے پاس آرہے تھے ہم نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے اب ہم سب ملکر مولوی محمد عمر صاحب کے مکان پر آئے تو اسوقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا۔ تو انھوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۳) یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے اسلئے اُنکے اُن افعال کی (کہ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا اور یہ کہنا کہ میں ایسا نہیں ہوں اور بھاگ جانا) حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں یہ ضرورت سالکین کے اقوال و افعال میں ہوتی ہے (شت)

حکایت (۱۳۴) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفٰے خاں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی محمد عمر صاحب کو پکڑ لائے۔ وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے۔

آخر لاکر اس مجلس میں ان کو بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی حرکت کی اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اسپر سبکو شبہ ہو گیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان کی جنبش کا اثر ہو اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو۔ اسپر سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کی طرف ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی اس سے مکان پھر ہل گیا اور پہلے سے زور سے ہلا۔ اب تو یقین ہو گیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کرنے لگے۔ اسپر کسی نے کہا کہ مولوی محمد عمر یہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ۔ اور یہ کہکر اٹھ کر چلدئیے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۴) یہاں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا۔ (ش ت) (منقول از امیر الروایات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۳۵) ایکمرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولنا محمد اسمعیل صاحب کے صاحبزادے تھے اور مجذوب تھے۔ ایکبار جامع مسجد دھلی میں اکبر خاں غیر مقلدی کا بانی وعظ کر رہا تھا۔ جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر صاحب اسکے پاس وعظ سننے کو تشریف لیچلے۔ لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے آپ نے فرمایا "پھر کیا ہوا قرآن وحدیث رسول ہی تو بیان کرتا ہے" غرض شاہ صاحب مراقب ہو کر وعظ میں بیٹھ گئے۔ جب تک وہ حدیث پڑھتا رہا خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ایک حدیث کے بعد اکبر خاں کی جو شامت آئی تو اس نے کہا "اگر ابو حنیفہ بھی ہوتے

تو اس حدیث کا مطلب ہم انھیں سمجھا دیتے" بھلا شاہ صاحب میں کہاں تاب تھی اپنی
سر اٹھا کر فرمایا" تو ابو حنیفہ کو مطلب سمجھا تا جن کے مقلد جنید و شبلی جیسے ہو گئے"
اٹھ کر ایک دھول اسکے سر پر ایسی لگائی کہ اس کا عمامہ اڑ گیا۔ چند بنگالی طالب علم
جو اکبر خاں کے معتقد اسکے ہمراہ تھے شاہ صاحب کے مقابلہ کو تیار ہوئے مگر اکبر خاں نے
روکا کہ نہیں نہیں صاحبزادہ ہیں۔

حکایت (۱۳۶) ایکبار شاہ محمد عمر صاحبؒ جا رہے تھے اندھیری رات
تھی۔ پہرہ والے نے ٹوکا کہ کون جاتا ہے؟ شاہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ پہرہ والے
نے پھر پوچھا کہ کون ہے؟ تب فرمانے لگے "تجھے معلوم نہیں ہوتا آفتاب نکلا ہوا"
اس جواب پر پہرہ والے نے مارنا شروع کیا کسی نے اتفاق سے پہچان لیا اور کہا
ارے یہ تو مولانا محمد عمر صاحب ہیں۔ اسپر پہرہ والے نے بھی معذرت کی کہ حضرت
میں نے پہچانا نہ تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا "کچھ نہیں میاں کچھ نہیں" اور چلے گئے۔
(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۱۳) میاں نذیر حسین صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۱۳۷) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ
مولوی عبد الرب صاحب کے والد مولوی عبد الحق صاحب شاہ اسحٰق صاحب کے شاگرد
اور مولوی نذیر حسین صاحب کے خسر تھے مولوی نذیر حسین صاحب نے اُن سے حدیث پڑھی
ہے اور شاہ اسحٰق صاحب سے نہیں پڑھی۔ جب شاہ صاحب ہجرت کرنے لگے نواب
قطب الدین خاں صاحب نے شاہ صاحب سے سفارش کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو
حدیث کی سند دیدیجئے۔ کیونکہ اسوقت مولوی نذیر حسین صاحب سے اور نواب صاحب سے

بہت دوستی تھی۔ شاہ صاحب نے ان کی سفارش سے اُن سے ہر کتاب کے ابتدا کی کچھ کچھ حدیثیں سُنکر اُن کو قطب صاحب میں حدیث کی سند دی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۷) قولہ کچھ کچھ حدیثیں الخ اقول ایسی سند برکت ہی اجازت نہیں (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۱۴) حکیم خادم علی صاحب مرحوم کی حکایات

حکایت (۱۳۸) خاں صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ لوگ (صوفیہ زمانہ) لا معبود الا اللہ لا موجود الا اللہ لا محبوب الا اللہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اور جملہ ماسوا اللہ کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کو اپنا معبود اپنا مقصود اپنا مطلوب اپنا محبوب بنالیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تعلیم کے یہ لوگ قبر پرستی کیسے کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بعض صحابہ نے ملوکِ عجم میں سجدہ کی رسم دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور لوگ سلاطین کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں۔ آپ تو سلاطینِ عجم سے کہیں زیادہ سجدے کے مستحق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمھارا میری قبر پر گذر ہو تب بھی تم مجھے سجدہ کروگے۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ پھر اب سجدہ کس لئے کیا جاوے اب بھی نہ ہونا چاہئے کیونکہ فانی سجدہ کا مستحق نہیں ہے اور سجدہ کا مستحق صرف حی قیوم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سجدہ کرنا زندہ سے زیادہ خلافِ عقل ہے۔ اور اس کی شناخت اسقدر ظاہر ہے کہ وہ صحابی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی درخواست کرتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کو بھی سجدہ کرنا خلافِ عقل

اور برا سمجھتے ہیں حالانکہ آپ کی موت محض صوری ہے اور ایسی نہیں جیسے غیر انبیا کی موت۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہ قبور اولیاء اللہ کو سجدہ کرنا کیونکر معقول ہو سکتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۸) نہایت لطیف ولاجواب تقریر ہے مگر یہ سوال باقی ہے کہ پھر اس کا وقوع ہی کیوں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلال نے ان دونوں میں منافات نہیں سمجھی بلکہ قریب قریب اتحاد و حلول کا عقیدہ کر کے ان کو غیر نہیں سمجھا تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا۔ (شت)

حکایت (۱۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم خادم علی صاحب اپنی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ رمضان کا زمانہ اور افطار کا وقت تھا۔ آپ نے روزہ افطار فرما لیا۔ اتنے میں چند رافضی آئے اور آکر کہا قسم ہے امام حسین کی اسوقت آفتاب غروب نہیں ہوا تھا۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ انھوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آفتاب ہرگز غروب نہیں ہوا تھا۔ اسپر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے قلوب میں دین اور ایمان ہے۔ ہماری شہادت قلب غلط نہیں ہو آفتاب غروب ہو چکا ہے اور اگر تمہیں اس میں کچھ تردد ہو تو کل کو مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دینا اور تم لوگ آفتاب کو دیکھتے رہنا جسوقت آفتاب غروب ہوگا میں تمھیں اطلاع کر دونگا اسوقت تمہیں تصدیق ہو جاویگی۔ انھوں نے اس دعوی کو عجیب سمجھکر کہا بہت اچھا اگلے روز غروب آفتاب سے پہلے حکیم صاحب کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور خود چھت پر چڑھ کر غروب آفتاب کو دیکھنے لگے۔ جب آفتاب غروب ہوا حکیم صاحب نے فوراً اندر سے اطلاع کی کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کو انکے دعوی کی تصدیق ہو گئی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۹) قولہ آفتاب غروب ہو گیا ہے **اقول** کرامت ہے کہ

یہ خبر مطابق واقع کے ہوئی مگر یہ نہ سمجھا جاوے کہ اسکو من حیثیت الکرامت حجت سمجھتے تھے بلکہ من حیثیت الدلیل تحری حجت ہو۔ (شت) (منقول از امیرالروایات)

(۱۵) شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۴۰) خاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب نے ایکمرتبہ اپنی خانقاہ کی مسجد میں نماز پڑھی تو نماز کے بعد ایک شخص اٹھا اور خانقاہ کے لوگوں کو اس نے دو دو پیسے دینے شروع کئے۔ شاہ صاحب کے کسی صاحبزادے کو بھی اس نے دینے چاہے تو انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ان کا ہاتھ کھینچنا شاہ احمد سعید صاحب نے دیکھ لیا۔ اسپر آپنے صاحبزادے پر عتاب فرمایا اور فرمایا کہ دو پیسے تھے اسلئے ہاتھ کھینچ لیا اگر سو روپیہ ہوتے تو جھٹ سے لیکر رکھ لیتا وہ سو روپیہ بھی تو خیرات ہی ہوتے انکو کیوں لے لیتا۔ یہ فرما کر آپنے اس شخص سے فرمایا کہ لاؤ مجھے دو۔ اور آپنے دو پیسے لیکر رکھ لئے اور فرمایا، میاں ہم تو خیرات ہی کھانے والے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۴۰) قولہ دو پیسے لیکر رکھ لئے اقول یہ ہے قدر دانی نعمت حق کی اور جس حرکت پر عتاب فرمایا وہ استغنا ہے نعمت حق سے جس کی نفی شکر طعام کی حدیث میں آئی ہے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔ (شت) (امیرالروایات)

(۱۶) مولانا عبدالحی صاحب پھلتی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۴۱) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ جب سید صاحب جہاد کو تشریف لیجاتے ہوئے پھلت پہنچے ہیں تو وہاں سے روانگی میں مولوی عبدالحی صاحب اور ان کے والد بھی مشایعت میں تھے۔ اور مولوی عبدالحی صاحب کے والد نے مولوی صاحب کو جہاد کیلئے

جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ جب پھلت سے ایک میل نکلکر سید صاحب نے مشایعت کرنے
والوں کو رخصت کیا۔ تو مولوی عبدالحی صاحب سے بھی فرمایا کہ مولانا آپکے والد صاحب
کی اجازت نہیں ہے آپ بھی رخصت ہو لیجئے۔ غرض سید صاحب نے ان کو رخصت کیا
اور رخصت کرکے آپ تشریف لیچلے۔ جب آپ تشریف لے چلے تو مولوی صاحب
بیتاب ہو گئے اور یہ کہکر کہ ہائے سید صاحب مجھے چھوڑ گئے سر پر خاک ڈالنی شروع کی۔
اور زمین پر لوٹنے لگے۔ جب اُن کے والد صاحب نے اُن کا یہ اضطراب دیکھا تو مجبوراً
ان کو اجازت دینی پڑی۔ جب اُن کے والد نے اجازت دیدی تو وہ بھاگے اور بھاگ کر
سید صاحب سے جا ملے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۴۱) قولہ آپکے والد صاحب کی اجازت نہیں الخ اقول غیر
واجبات میں والد کی اطاعت مقدم ہے شیخ کی اطاعت پر۔ اور شیخ کامل بھی اسی
ادب کا حکم دیتا ہے۔ (شت)

حکایت (۱۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے
فرمایا کہ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولوی عبدالحی صاحب کو
غصہ آتا ہے تو اسوقت انوار الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولوی صاحب کو غصہ
آتا تھا تو سید صاحب مولوی صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد
فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب سید صاحب کے لشکر میں قاضی تھے اور مقدمات کا فیصل
کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپکے متعلق تھا۔ ایکمرتبہ کسی ولایتی نے کسی ہندوستانی کے
تھپڑ مار دیا۔ اُس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی۔ مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ
مدعا علیہ کے تھپڑ مارے۔ مگر اس ولایتی مدعا علیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا اسپر
مولوی صاحب کو نہایت غصہ آیا اور جوشِ غیظ میں کھڑے ہو گئے۔ سید صاحب عادت

آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ جب آپنے یہ رنگ دیکھا۔ تو آپنے خیال کیا کہ مُبادا بات بڑھ جائے اور ولایتی لوگ بگڑ جائیں۔ اور جہاد کا معاملہ مختل ہو جائے اور یہ خیال کرکے مدعی کو اشارہ سے بُلایا۔ اور بُلا کر اس سے کہا کہ تو مولوی صاحب سے کہدے کہ میں نے خدا کے واسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا۔ اس نے مولوی صاحب سے اسی طرح کہدیا۔ اس کے یہ کہتے ہی مولوی صاحب کا غصہ بالکل فرو ہو گیا اور ایسے ہو گئے جیسا کہ غصہ آیا ہی نہ تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۴۲) قولہ انوار الٰہیہ الخ اقول غضب اللہ میں انوار ہوتے ہیں اور حدیث میں جو غضب کو مفسد ایمان فرمایا ہے وہ غضب النفس ہے (شت)

حکایت (۱۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ سفر حج میں یا جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کی بیوی اُن کے ساتھ تھیں اور دوسرے لوگوں کی بیویاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک مقام پر پردہ کا انتظام کرکے انھوں نے اپنی بیوی کو اُتارا اور اس سے نماز پڑھوائی۔ اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو دیکھ لو۔ عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے۔ اسپر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

حاشیہ حکایت (۱۴۳) قولہ دیکھ لو اقول میں نے کسی سے سُنا ہے کہ وہ برقع میں تھیں۔ یہ لفظ دیکھ لو بھی اسپر دال ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عرفی پردہ ایسے موقع پر نہیں ہے شرعی پردہ کافی ہے کیونکہ بہلی میں نماز کی کوئی صورت نہیں۔ قیام ممکن نہیں اور قعود جائز نہیں۔ (شت)

حکایت (۱۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد میں شہید نہیں ہوئے بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے۔ جب اُن کا انتقال ہونے لگا ہے تو انھوں نے سید صاحب سے عرض کیا۔ کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت

میں نہ ہوئی۔ اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھدیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو۔ اور آپنے اُن کی تسلی کے لئے اپنا ہاتھ اُن کے سینہ پر رکھدیا اور اسی حالت میں اُن کا انتقال ہوگیا۔

حاشیہ حکایت (۱۴۴) قولہ اپنا قدم مبارک **اقول** کیا انتہا ہو عقیدت کی اور اس عقیدت پر جب اظہار حق کا وقت ہوتا تو خود سید صاحب ان کا بیحد ادب فرماتے تھے چنانچہ حکایت (۱۴۲) میں گذرا ہو کہ مولوی صاحب کے غصہ کیوقت سید صاحب اُن کے پیچھے چھپ جاتے تھے ؎

وزیرے چنیں شہر یارے چناں ⁂ جہاں چوں نگیرد قرارے چناں۔ (دشت) (امیر الروایات)

(۱۷) شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۴۵) خانصاحب نے فرمایا اسی جگہ ذرا سی بات اور لکھوانا چاہتا ہوں مفصل قصہ کسی دوسری جگہ لکھواؤں گا (وہ مفصل حکایت (۱۴۶) میں مذکور ہے) شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمالِ باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں پھر آپ سید صاحب پر اسدرجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی اُنسے مرید کرایا۔ اسکے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔

حاشیہ حکایت (۱۴۵) قولہ نماز پڑھنی بھی آگئی۔ **اقول** احقر یہ سمجھا ہو کہ عبادت کے کمال کی جو حقیقت ہو ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ اسمیں سید صاحب کی صحبت سے

قوت بڑھ گئی۔ سید صاحب کی یہ نسبت خاص زیادہ قوی ہوگی گو دوسرے احوال باطنیہ پہلے سے ممکن ہے کہ ان میں سید صاحب سے بھی زیادہ قوی ہوں۔ چنانچہ احقر نے ثقات سے سُنا ہے کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف ہو کر کیفیات نسبت کا مبادلہ کرتے تھے۔ چنانچہ (۱۴۶) میں آتا بھی ہے (شت)

حکایت (۱۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی سے سُنا ہے کہ سید صاحب سہارنپور تشریف لائے تو یونہی کی مسجد کی طرف کو نکلے اس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد میں رہتے تھے جب آپ مسجد کے نیچے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ہاں حضور ایک بزرگ رہتے ہیں۔ سید صاحب سُنکر مسجد میں تشریف لے گئے اور حجرہ میں جاکر کواڑ لگالئے۔ جب باہر نکلے سید صاحب ہنستے ہوئے نکلے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے اسی قسم کے دو یا تین جلسے اور ہوئے کہ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے۔ چوتھے یا پانچویں جلسہ میں سید صاحب اپنی حالت پر نکلے اور شاہ صاحب روتے ہوئے۔ اسکے بعد شاہ عبدالرحیم سید صاحب سے بیعت ہوئے۔ یہ قصہ بیان فرماکر مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ اول کے جلسوں میں جو سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت شاہ صاحب پر غالب تھی اور شاہ صاحب کی نسبت سید صاحب پر۔ اور آخر مرتبہ جو سید صاحب اپنی حالت پر اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت کو غلبہ ہوگیا

حاشیہ حکایت (۱۴۶) قولہ۔ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ

روتے ہوئے الخ اقول ؎

بوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است ؛ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ہست ۔ (نشت)

حکایت (۱۷۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مُرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مُریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا۔ اور جو آپ بتلادیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ان عبداللہ خاں نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ مجھے دو عصا مکشوف ہوئے۔ ایک آپکی نسبت کا اور دوسرا سید صاحب کی نسبت کا۔ آپ کی نسبت کا جو عصا تھا وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اور سید صاحب کی نسبت کا جو عصا تھا اسدرجہ خوبصورت نہ تھا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپکی نسبت سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے پھر آپ ان سے کیوں بعیت ہوئے۔ آپنے فرمایا کہ ممکن ہے کہ میری نسبت کسی حیثیت سے سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہو مگر مجھے پہلے نہ نماز پڑھنی آتی تھی اور نہ روزہ رکھنا آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے نماز بھی پڑھنی آگئی اور روزہ بھی رکھنا آگیا۔ مولنا گنگوہی اس روایت کو یوں بیان فرماتے تھے کہ عبداللہ خاں نے ایک روز شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپکی اور سید صاحب کی نسبتوں کیطرف توجہ کی تو آپ کی نسبت میں نور اور چمک دمک معلوم ہوئی اور سید صاحب کی نسبت میں اندھیرا۔ اور یہ بات بیان فرماکر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی ہم تو کچھ جانتے نہیں مگر جب حاجی صاحب کے یہاں اس قصہ کا ذکر آیا تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کی نسبت میں ذات بحت کی تجلی تھی اور ذات بحت کی تجلی میں اندھیرا ہی ہوتا ہے۔

جملہ معترضہ (خانصاحب نے فرمایا کہ امیر شاہ نے مولانا نانوتوی سے در
کیا کہ حضرت جب آپ سید صاحب کو مجدد مانتے ہیں تو اُن کی نسبت تو سب
اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ پھر ان کی نسبت کا شاہ عبد الرحیم صاحب کی نسبت سے گھٹا
ہونا کیا معنی۔ اسکے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ جس بات کے لئے مجدد آتا ہے
اس سے کوئی بڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ ہاں دوسری حیثیت سے جیسے ذکرو اشغال وغ
اگر اس سے کوئی بڑھ جاوے تو اس کا مضائقہ نہیں) عود الی ما قبل الجملۃ المعت
اس کے بعد خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولانا گنگوہی کی روایت اور مولنا نا
کی روایت دونوں کو حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حاجی صاحب نے فر
مولانا گنگوہی نے ضرور مجھ سے سُنا ہوگا مگر مجھے یاد نہیں آتا۔ اور مولنا نانوتوی کی
کو سُنکر فرمایا۔ کہ مولنا نانوتوی کی عبد اللہ خاں سے بہت دوستی تھی۔ ممکن ہے
انھوں نے مولانا سے یہ واقعہ بیان کیا ہو۔ مگر مجھے یہ بھی یاد نہیں۔ اس کے
خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے بھی اس واقعہ کی نسبت ایک تق
فرمائی تھی مگر نہ وہ تقریر بعینہ مجھے یاد رہی اور نہ اس کا ماحصل، اتنا خیال آ
کہ آپ کی تقریر دونوں روایتوں کی مؤید تھی، مخالف نہ تھی۔

حاشیہ حکایت (۱۴۷) **قولہ** اندھیرا الخ **اقول** اسکو ظلمت نہ
جاوے یہ بھی نور ہے جیسے آنکھ کی پتلی نور محض ہے اور سیاہ ہے اور یہ تجلی بھی عین نہ
ہوتی مثال ہوتی ہے جسکو ذات سے خاص مشابہت ہو کہ اس میں وصف غلبہ
جمیع الالوان ہے اور ذات میں وصف غلبہ علی جمیع الاکوان۔ چنانچہ ہر رنگ کی تو
اپنے مظروف کے لون سے متغیر ہو جاتی ہے۔ مگر سیاہ بوتل کسی لون سے متغیر نہ
ہوتی۔ واللہ اعلم (شت)

حکایت (١۴٨) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری فرماتے
کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہونیکے
بیعت ہوئے اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباع سنت نہایت غالب
اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت، سے پہلے بیعت ہوئے تھے انکی حالت اس درجہ
تھی۔ نیز مولانا رائپوری نے فرمایا کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے
بیعت ہو چکے تو اُس کے بعد دہ سا ڈھورہ تشریف لیگئے۔ اور وہاں تشریف لیجاکر
سابق پیر کے خدام کو نیز قصبہ کے تمام عوام و خواص کو بلاکر ایک جلسہ کیا اور اس
میں آپنے فرمایا کہ میرے پیر کا عرس کو پہلے بھی ہوتا تھا مگر ترقی اسے میں نے
دی۔ اور موجودہ حالت اسکی میری کوشش سے ہوئی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے
ہدایت دی ہے اور میری سمجھ میں اسکی بُرائی آگئی۔ اسلئے میں آپ صاحبان سے
درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف کردیا جاوے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے
کے دو صاحبزادے تھے انھوں نے برسر جلسہ کہا کہ یہ حاجی نہیں پاجی ہے۔ اسکی
نہ سنو۔ یہ سُنکر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور سب چلے گئے۔ مگر عبداللہ خاں جن کا
پیر سابق میں آیا ہے نہیں اُٹھے اور یہ بیٹھے رہے۔ شاہ صاحب نے تھوڑی دیر میں
فرمایا کہ میاں عبداللہ خاں سب چلے گئے تم کیوں بیٹھے ہو۔ تم بھی چلے جاؤ۔ اسپر
عبداللہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ آپ کے پیر قبر میں سے اٹھکر کہیں گے
کہ چلے جائیں تب بھی نہ اُٹھوں گا اور پیر تو پیر اگر ان کے پیر بھی کہیں گے۔ تب بھی
نہ اٹھونگا۔ اور اسی طرح بہت دور ترقی کرتے چلے گئے۔ غرض انھوں نے کہا کہ میں کسی
طرح آپ کو نہ چھوڑوں گا۔

حاشیہ حکایت (١۴٨) قولہ سا ڈھورہ الخ اقول۔ غالباً ذہول ہوا ہے امروہہ ہوگا۔

اُن کے پیر سابق کا مزار امروہہ ہی میں ہے۔ **قولہ اگر یہ آپ کے پیر بھی اقول یہ مسلہ** ہے قوم کے نزدیک کہ شیخ کے مقابلہ میں شیخ الشیخ کی اطاعت نہیں ہے۔ ہاں اسکا معاملہ خود اس شیخ کے ساتھ ہے (**شت**) (منقول از امیر الروایات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۴۹) ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب شہید اور دو شخص ان کے ہمراہ ہو کر امروہہ شاہ عبد الہادی صاحب کی خدمت میں بغرض بعیت حاضر ہوئے تین دن تک حضرت کے ہاں مسجد میں مہمان رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اُن کے حال پر کچھ توجہ نہ فرمائی۔ نماز کیلئے مسجد میں آتے اور فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لیجاتے۔ جب اس طرح تین دن گذر لئے تو دونوں ہمراہیوں نے حضرت حاجی صاحب شہید سے کہا کہ میاں یہ تو ایک امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں ہماری طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرتے پھر ہم یہاں مُرید ہو کر کیا کرینگے چلو کوئی دوسری جگہ دیکھیں جہاں فقیری اور درویشی ہو۔ حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا۔ بھائی تمہیں اختیار ہے جاؤ میں تو اسی جگہ کا ہو رہا آخر وہ دونوں چلدیئے۔ اسکے بعد جو حضرت حاجی صاحب شہید شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے چیں بجبیں ہو کر آڑے ہاتھوں لیا اور خوب دھمکایا کہ یہاں کیوں پڑے ہو جاتے کیوں نہیں؟ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو سلسلۂ خدام میں داخل فرمالیں۔ شاہ صاحب نے ترشی کے ساتھ جواب دیا "میں ایک امیر آدمی ہوں پان چھالیہ کھاتا ہوں میں بعیت کرنے کے قابل نہیں تم کو بعیت کرتا ہوں جاؤ کوئی دوسری جگہ دیکھو"۔ حاجی صاحب نے گردن جھکا لی عرض کیا کہ حضرت مجھے تو بعیت فرما ہی لیں۔ آخر دو چار دن کے بعد حضرت کو یقین

دون بیعت جائینگے نہیں۔ تب ظہر وعصر کے مابین حاجی صاحب کو ہمراہ لیکر دریا پر گئے
اور دریا کے کنارے ان کو بیعت کیا۔ حضرت حاجی صاحب شہید پر بے اختیار ہنسی کا
غلبہ ہوا اور قہقہے لگانے شروع کئے۔ حضرت شاہ صاحب بھی اسی طرح ہنسنے لگے جب
عصر کا وقت ہوا تو شاہ صاحب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے حاجی صاحب
مقتدی تھے مگر دونوں پر ہنسی اس درجہ طاری تھی کہ نماز کی نیت نہ باندھ سکے کیتنی
مرتبہ نماز کی نیت سے کھڑے ہوئے مگر پڑھ ہی نہ سکے۔ آخر جب وقت تنگ ہونے لگا
بمشکل نماز پڑھی۔ دو چار روز کے بعد حاجی صاحب حضرت شاہ صاحب سے رخصت
ہوکر ایک جگہ اللہ کی یاد میں مصروف ہو گئے۔ چھ ماہ کے بعد شاہ صاحب کی زیارت
کو وامروہہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کا وصال ہو لیا تھا یہ ابھی مجاز بھی نہیں ہوئے
تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اول ہی اول پنجلاسہ میں
شاہ رحم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے
ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لو یہ لڈو لیکر جاؤ اور کالا آم کے
پہاڑ میں بیٹھ کر اپنا کام کرو۔ چنانچہ بموجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یاد
الٰہی کے اندر مصروف رہے اور درختوں کے پتے کھا کر گذارا کیا۔ چھ ماہ کے بعد وہ لڈو
لیکر پنجلاسہ آئے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو لیا تھا۔
ان سے بھی مجاز نہ ہوئے۔

آخر سید احمد صاحبؒ بریلوی جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحبؒ
بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت عطا فرما دیں میں ذکر شغل حضرات
نادریہ و چشتیہ کے کر چکا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا جبتک ہم سے بیعت نہ ہوگے ہم

ہمیں اجازت نہ دینگے۔ بموجب ارشادِ سید صاحبؒ آخر بیعت ہوئے اور حضرت سید صاحب نے ان کو مجاز فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحبؒ میں انوارِ شریعت بہت زیادہ ہیں۔ جب دونوں حضرات مراقب ہوتے تھے حضرت حاجی صاحب شہید ہنستے تھے اور سید صاحب خاموش رہتے تھے۔

حکایت (۱۵۰) ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہ پنجلاسہ میں جو تالاب ہے اسکو حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے۔ پیرجیو محمد جعفر صاحب ساڈھوروی نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب میں بکثرت پانی رہتا تھا۔ دوسرے تالاب سالہے سوکھ جاتے مگر اسکا پانی خشک ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اسوقت سے یہ بات جاتی رہی اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے۔ برسات کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۱۸) حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۱۵۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا یا مولانا نانوتوی نے (اچھی طرح یاد نہیں مگر سنا انھیں میں سے کسی ایک سے ہی) کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میانجی

ور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت.... یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سُن لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اسلئے اس کا سُننا خلافِ احتیاط ہے۔ لہذا میں اسکے سُننے سے معذور ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۵۱) قولہ امام بنا دیتے ہیں۔ اقول کس قدر ادب ہے منصبِ امامت کا کہ اختلافات سے بھی احتیاط کی۔ یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اسقدر پاس فرماتے تھے (شت) (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۱۵۲) فرمایا کہ جھنجھانہ میں ایک صاحبِ کشف آئے اور حضرت میاں جیو کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انھوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار رد کیے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دُنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا۔ پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۱۹) شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرّہٗ کی حکایات

حکایت (۱۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا تھا۔ حافظ.... کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی بھی

نہیں تھا۔ چنانچہ میں اسکو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایکمرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپکے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپکی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے کس طرح بیعت ہو گئے۔ اللہ رے نفوس قدسیہ کہ اسکو سنکر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کے فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو بہت ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۵۳) **قولہ** ہاں بھائی بات تو بہت ٹھیک کہتے ہو اقول یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ غیر ٹھیک کو کیسے ٹھیک فرمادیا اور ٹھیک بات کیوں نہ بتلادی بات یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کی نظر ہمیشہ کمالاتِ موجودہ سے آگے کے کمالات پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے اپنے کمالات موجودہ کو کمال نہیں سمجھتے اس اعتبار سے نفی کمال کو ٹھیک فرمادیا۔ باقی اصلی بات کا نہ بتلانا اس کی وجہ نااہل سے غیرتِ فی الدین ہے کما قال الشیرازی رح ؂

(شعر)
با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی ٭ بگذار تا بمیرد در رنج و خود پرستی

حکایت (۱۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ پھلاؤدہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے قریب ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ یہ صاحب حافظ عبدالغنی صاحب کے (جو کہ پھلاؤدہ کے رہنے والے اور مولوی احمد صاحب امروہی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے۔ ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتروالیتا تھا اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب کیلئے ایک کملی بنوائی اور اُس وقت تک میں حاجی صاحب کی

زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔ جب میں حج کیلئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آگیا اور جہاز میں ایک شور مچگیا۔ میں چھتری پر تھا وہاں سے اتر کر تنق کی جالیوں سے کمر لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لئے بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبے گا اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی۔ اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو۔ ہوا موافق ہوگئی ہے کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاوے گا اور میرا نام امداد اللہ ہے مجھے میری کملی دو۔ میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی۔ اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہدیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ اسکے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے مگر کسی نے اقرار نہیں کیا۔ آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ کوئی مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طوافِ قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلّے کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تھا تو اسوقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اسوقت پاجامہ میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لئے لنگی ہی مناسب تھی اسلئے آپ نے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اسکے بعد انھوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے

ہلا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں۔
اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۵۴) قولہ فی آخر القصہ مجھے تو خبر بھی نہیں الخ اقول
اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی غیبی لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متمثل
ہو جاتا ہے۔ اور کبھی خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اسکی کوئی یقینی پہچان
نہیں زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے وہ بھی جبکہ کسی مصلحت سے اخفا نہ کریں۔ (شت)

حکایت (۱۵۵) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ محمد حسین مراد آباد کے رہنے
والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہی کے مرید تھے انھوں نے
حاجی صاحب کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حُبِ عقلی کو
حُبِ عشقی پر ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حُبِ عشقی وصل کے بعد مضمحل
ہو جاتی ہے۔ مگر حُبِ عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اور اسی طرح شکر کو
صبر پر ترجیح دی ہے۔ حضور کا اس میں کیا مسلک ہے؟

حاجی صاحب نے اس خط کا تقریباً ڈیڑھ جزو میں جواب لکھا اور جواب میں حُبِ
عشقی کو حُبِ عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حُبِّ عشقی نا متناہی ہے اور حُبِ عقلی
متناہی۔ اور وجہ اسکی یہ تحریر فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ
لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ یہ حُبِّ عقلی تھی اور اس سے اسکی تناہی
ظاہر ہے۔ اور ترجیح صبر کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ صابرین کے متعلق فرماتے ہیں
ان اللہ مع الصابرین اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم
اور معیتِ حق اور زیادتِ نعمت میں فرق ظاہر ہے۔ غرض اس بحث کو حاجی صاحب نے
نہایت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسی لئے اسکے

مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہو گئی۔ اسکے بعد میں نے مراد آباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا۔ خیر حاجی صاحب نے اس خط کو تمام فرما کر مولانا گنگوہی کو سُنایا۔ اس مجلس میں حافظ عطاء اللہ اور مولوی عبدالکریم۔ منشی تجمل حسین (حاجی صاحب کے بھتیجے) بھی موجود تھے۔ مولٰنا گنگوہی نے حاجی صاحب کے جواب کو نہایت پسند فرمایا۔ اسکے بعد جب مولٰنا اس مجلس سے اُٹھے تو منشی تجمل حسین صاحب نے مولینا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں آپکے نزدیک حاجی صاحب کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراطِ مستقیم کا۔ آپنے فرمایا دونوں بہت اچھے ہیں۔ اسکے بعد جب مولٰنا طواف کر کے حطیم میں بیٹھے تھے تو منشی تجمل حسین نے پھر پوچھا کہ حضرت اچھے تو بیشک دونوں ہیں۔ مگر آپ کے نزدیک ان دونوں میں کون زیادہ اچھا ہے۔ تو آپنے فرمایا کہ حُبِ عشقی میں سب باتیں ہیں مگر ایک بات یہ ہے کہ اس میں انتظام نہیں اور اسلئے حدود شرعیہ اس میں محفوظ نہیں رہتیں۔ اس بنا پر میں جبتک اعمال کی ضرورت ہے اسوقت تک تو حب عقلی کو پسند کرتا ہوں اور جب انتقال کا وقت ہو اسوقت غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۵۵) قولہ متناہی ظاہر ہے۔ **اقول** اور حب عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل احقر نے خود حضرت حاجی صاحب سے سُنی ہے ؎

عشق دریائیست قعرش ناپدید

اور وصل میں مضمحل ہو جانا حب عشقی کا اسوقت ہو کہ جب حسن و جمال محبوب کا متناہی ہو۔ اور عشق حقیقی میں یہ ہے نہیں۔ پس وہاں ایسا نہیں۔ **قولہ** دونوں بہت اچھے ہیں **اقول** اور فیصلہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔ (ش ت) (منقول از امیرالروایات)

حکایت (۱۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میں جب سفرِ حج کر کے مکہ مکرمہ حاضر ہوا ایک دن حسبِ معمول حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپنے یہ تحریر فرمایا ہو کہ رشید و قاسم بمنزلہ میرے ہوتے اور میں بمنزلہ اُن کے۔ فرمایا کہ ہاں میں اسکے اظہار پر مامور تھا۔ تب میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ ان دونوں کے خلاف کیوں کرتے ہیں۔ اسپر حضرت اٹھکر بیٹھ گئے اور ہنسکر فرمایا تو سچ کہتا ہے تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۶) حضرتؒ کا یہ ارشاد، تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے۔ جواب نہیں ہے، سکوت عن الجواب بطریق احسن ہے اور جواب نہ دینا شاید اسلئے ہو کہ رعایت حدود کے ساتھ اگر اختلاف ہو وہ اجتہادی ہے اور نیت سائل کی بخیر تھی اسلئے جواب کی ضرورت نہیں ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ رائے کا اختلاف ہے، جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو کہ مجوزین پر حسنِ ظن غالب ہے، اور مانعین پر حزم و انتظام غالب ہے، اور یہ اختلاف نفسِ مسئلہ میں ایسا ہے جیسے حنفیہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں الم تنزیل السجدہ کی قرارت کے التزام کو باوجود نقل کے ایہام عوام کے سبب مکروہ کہتے ہیں اور شافعیہ مستحب کہتے ہیں اور ایہام کا علاج اصلاح بالقول کو کہتے ہیں (اشت)

حکایت (۱۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حدیث زملونی زملونی کا تذکرہ آیا جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ جبرئیل عؑ کو دیکھا تھا اور آپ مضطرب ہو کر واپس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کمبل اُڑھاؤ، مجھے کمبل اُڑھاؤ، عرض کیا گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے خائف ہو گئے تھے فرمایا کہ نہیں بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت یکایک اپنی حقیقت کا تحمل نہیں فرما سکے جو جبرئیل عؑ کو دیکھ کر آپ پر منکشف ہوئی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ

غیر جنس میں رہ کر اپنی حقیقت محجوب رہتی ہے اور ہم جنس کو دیکھ کر منکشف ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے کہ کسی شخص نے شیر کا بچہ پال لیا تھا اور اسے اپنی بکریوں میں چھوڑ رکھا تھا۔ شیر کو ان بکریوں میں رہ کر اپنی حقیقت کی خبر نہ تھی وہ بھی مثل بکریوں کے مسکین بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک دن پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا اور اپنی شجاعت و بسالت کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور پھر جو بکریوں کو دیکھا تو سمجھا کہ میں بکری نہیں ہوں کچھ اور ہی ہوں۔ یہ حقیقت پاکر جو بکریوں میں گیا تو سب بکریوں میں غل غدر مچگیا، کسی کو پھاڑ ڈالا کسی کو کھا گیا کسی کو مارا۔ پھر فرمایا کہ ایک جزیرے میں فرض کرو سب بدرو بدشکل بستے ہوں ایک خوبصورت پری پیکر پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان میں رہ کر وہ بھی اپنے کو انھیں جیسا سمجھتا رہیگا۔ اور اپنی خوبصورتی کی حقیقت اس پر بوجہ ناجنسی اختلاط کے منکشف نہ ہوگی۔ اسلئے نہ نازو انداز کرے گا نہ کرشمہ و غمزہ کی راہ چلے گا لیکن اتفاق سے اگر وہاں اس جیسا کوئی دوسرا حسین آنکلے جس کے ساتھ نازو کرشمہ اور ادائیں ہوں تو ضرور ہے کہ اسے دیکھ کر اُسے اپنی حقیقت فوراً منکشف ہو جائیگی۔ اور وہ بھی نازو انداز کرنے لگے گا اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل اس شیر کے اور مثل اُس حسین کے مکہ کے جاہلوں کے درمیان میں تھے اور آپ پر اپنی حقیقت منکشف نہ تھی لیکن جونہی کہ آپ نے جبرئیل عا کو دیکھا جو اس معنی کر آپکے ہم جنس تھے کہ انکی تربیت بھی صفت علم کرتی ہو اسی لئے وحی و ایجاد کی خدمت انکے سپرد ہوئی اور انبیاء علیہم السلام کی تربیت بھی صفت علم ہوا کرتی ہو اور ان کے چہرہ میں آپکو اپنی حقیقت نظر آگئی لیکن وہ اتنی عظیم الشان تھی کہ یکایک آپ اسکا تحمل نہ فرما سکے اور اضطراب میں زملونی زملونی فرمایا یہ نہیں کہ آپ جبرئیل سے خائف ہو گئے تھے۔ پھر حاجی صاحب نے یہ شعر پڑھا.....

(احقر کو یاد نہیں رہا) اسپر خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شعر پڑھا ؎

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ ... غش تمھیں دیکھ کر نہ آجائے

خانصاحب فرماتے تھے کہ مولانا محمود حسن صاحب بار بار اس واقعہ کو مجھ سے سنا کرتے تھے اور جھومتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۷) ایک ذوقی توجیہ ہے اور چونکہ کوئی نص اسکے مصادم نہیں لہذا اسکو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کو اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لقد خشیت علی نفسی (رواہ البخاری) کے مصادمت کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خشیت کا مفعول جبرئیل نہیں ہیں تا کہ تصادم ہو بلکہ معنی یہ ہیں کہ خشیت ان لا احتمل اعباء الرسالۃ کیونکہ اس تحمل کے لئے خاص قوت کی ضرورت ہے اور وہ اسوقت مغلوب ہے۔ پس کچھ تصادم نہیں رہا۔ اور حضرت خدیجہ رض کے اس قول کا رد واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق) حاصل استدلال عقلی ہے عطاء قوت تحمل پر کیونکہ یہ قوت ثمرہ ہے تائید حق کا۔ اور یہ افعال جالب ہیں تائید حق کے۔ اسکے بعد حضرت خدیجہؓ کا آپ کو حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لیجانا اس غرض سے تھا کہ یہی مقصود دلیل نقلی سے بھی ثابت ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جس کا حاصل اس تحمل کی ایک نظیر بتلانا تھا نہ یہ کہ آپ کو اپنی نبوت میں شبہ تھا جو حضرت ورقہ کے قول سے رفع ہو گیا۔ پھر جب آپکی اس حالت کو سکون ہوا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے اس تحمل کا طریق یہ تجویز کیا گیا کہ وحی کا

سلسلہ جلدی جاری نہیں کیا گیا جس سے آپکے اشتیاق کو یہاں تک ہیجان ہوا کہ بخاری کی روایت میں ہے فترالوحی حتی حزن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا حزنا غدا منہ مرارا کے یتردی من رؤس شواھق الجبل فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ تبدلہ جبرئیل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقا فیسکن لذلک جاشہ وتقر نفسہ کذا فی المشکوٰۃ) اور اشتیاق سے مطلوب میں گرانی نہیں رہتی۔ یہ توضیح ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی۔ مولانا نے مثنوی میں دفتر چہارم کے بالکل ختم کے قریب اس واقعہ کی نظیر کی دوسری توجیہ فرمائی ہے جس میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا تاثر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بیان لیا ہے لیکن متاثر حقیقت محمدیہ نہ تھی بلکہ جسد محمدیہ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ کی وہ شان ہے کہ خود جبرئیل علیہ السلام اس کا تحمل نہیں فرما سکتے۔ یہ حاصل ہے ان کی تقریر کا اور یہ اختلاف ذوق کا ہے۔ تفریحا اس مقام کے چند متفرق شعر نقل کرتا ہوں ؎

مصطفےٰ میگفت پیش جبرئیل کہ چنانچہ صورت تست اے خلیل
مر مرا بنمائے محسوس آشکار تا بہ بینم من ترا نظارہ وار
گفت نتوانی وطاقت نبودت حس ضعیف است و تنگ سخت آیدت
گفت بنما تا ببیند این حس نژند ...
گفت چندانکہ کرد الحاح بنمود اندکے ہیبتے کہ کہ شود زاں مندکے
شہپری بگرفتہ شرق وغرب را از ہیبت گشت بیہش مصطفےٰ
چوں ز بیم وترس بیہوشش بدید جبرئیل آمد در آغوشش کشید
قابل تغییر اوصاف تن ست روح باقی آفتاب روشن ست

جسمِ احمدؐ را تعلق بد بداں | آں تغیر آں تن باشد بداں
نقشِ احمدؐ زاں نظر بیہوش گشت | بحر او از مہر کف پر جوش گشت
احمدؐ ار بکشاید آں پر جلیل | تا ابد مدہوش ماند جبرئیل
چوں گذشت احمدؐ ز سدرہ و مرصدش | وز مقامِ جبرئیل و از حدش
گفت او را ہیں بپر اندر پیم | گفت رو رو کہ حریف تو نیم
باز گفتہ کز پیم آے و ما ئبست | گفت رو زیں پس مرا دستور نیست
باز گفت او را بیا دپردہ سوز | من باوجِ خود نرفتستم ہنوز
گفت بیروں زیں حدائے خوش فرمن | گر زنم پرے بسوزد پر من۔ (دشت)

(منقول از روایات الطیب)

حکایت (۱۵۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا اصل مذاق تحمل تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مدظلہم) کہا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت متحمل تھے اور تم سخت ہو۔ میں نے کہا کہ مقصود دونوں کا اصلاح ہے مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بابرکت تھے اور ہم بابرکت نہیں۔ ہم جب تک حرکت نہ کریں اصلاح کا کام نہیں چلتا اسلئے ہم حرکت سے اصلاح کرتے ہیں اور حضرت برکت سے اصلاح کرتے تھے۔

حکایت (۱۵۹) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی برکت کی حکایت جو ان کے معاملہ میں ظاہر ہوئی تھی مجھ سے بیان کی کہ میں ایک آزاد شخص تھا نماز بھی نہ پڑھتا تھا۔ حضرت سے بیعت کو جی چاہا۔ حضرت سے عرض کیا کہ اعمال کی تو ہمت نہیں اگر آزاد رکھا جائے تو بیعت ہوتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ ایک تو نماز نہ پڑھوں گا اور ایک ناچ دیکھوں گا۔

حضرت نے منظور فرما لیا اور بیعت کر لیا اور فرمایا کہ ایک شرط ہماری بھی ہے کہ ہم
تھوڑا سا ذکر بتلاویں گے اس کو کر لیا کرنا۔ انھوں نے کہا بہت اچھا۔ اس ذکر کا اثر
یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعۃً بدن میں خارش شروع ہوئی اب جو تدبیر
بھی اسکے دفع کی کی گئی وہی الٹی پڑی۔ کہیں چنبیلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور
تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ
ہاتھ ہی دھوؤں۔ جب دھو چکے پھر خیال آیا کہ سب اعضاء تو دھل گئے لاؤ مسح
بھی کر لوں۔ وضو کا تمام ہونا تھا کہ خارش آدھی رہ گئی مگر پھر جی میں آیا کہ لاؤ نماز
بھی پڑھ لوں۔ کوئی یہ شرط تھوڑا ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا۔ نماز کا شروع کرنا
تھا اور خارش کا ندارد ہونا۔ پھر جب اگلی نماز کا وقت آیا وہی خارش پھر شروع
ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی جاتی رہی۔ اب سمجھے کہ بڑے میاں نے
(یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے) پھر بٹھایا ہی نمازی ہو گئے۔
پھر خیال آیا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے اور پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضری
دیتا ہے تو زنا میں کیا مسنہ لیکے جاتا ہے۔ وہ بھی چھوٹ گیا۔ خدا کے فضل سے
اسوقت انکی بہت اچھی حالت ہی نماز تہجد و اشراق وغیرہ سب کچھ پڑھتے ہیں۔

حکایت (۱۶۰) فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بزرگ امر بالمعروف
ونہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے یہ لوگ بڑے قاعدے اور ترکیب سے
نصیحت کرتے ہیں۔ ایک غیر مقلد جو کہ پیرزادہ تھا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ
کی خدمت شریف میں آیا حضرت نے فرمایا کہ حزب البحر تمہارے بزرگوں کا معمول ہو
تم اسے کیوں نہیں پڑھتے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں جو اشارات ہیں وہ بدعت
ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اشارات کو چھوڑ دو وہ تمہارے گھر کی چیز ہے برکت کی چیز ہے

انھوں نے شروع کیا تھوڑے دنوں میں ان کی غیر مقلدی سب دور ہوگئی۔

حکایت (۱۹۱) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو کہ بھوپال سے حج کو گئے تھے بیان کرتے تھے کہ میرے ہمراہ بھوپال کے ایک غیر مقلد بھی گئے تھے انھوں نے حضرت سے بیعت کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میں غیر مقلدی نہ چھوڑوں گا حضرت نے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ وہاں ایسی باتوں کو پوچھتے ہی نہ تھے۔ فرماتے تھے کہ بھائی اللہ کے نام میں برکت ہے سب علاج ہو جائے گی (اسپر حضرت مرشدی حکیم الامۃ مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ جہاں ایسی برکت ہو وہاں شرائط وغیرہ کی ضرورت نہیں) مگر ایک شرط ہماری ہے کہ کسی غیر مقلد سے کوئی مسئلہ نہ پوچھنا بلکہ مولوی ایوب صاحب سے پوچھنا۔ جو حنفی تھے۔ اسکے بعد حضرت نے بیعت فرمالیا ایک دو رات کے بعد یہ اثر ہوا کہ اس نے یک لخت آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑدیا حضرت کو اطلاع کی گئی (ایسا کسی عالم کا قصہ بھی سننے میں نہ آئے گا جیسا حضرت نے کیا) چنانچہ آگے آتا ہے۔ حضرت منصف تھے اسلئے اصلی تحقیق پر ہر مقام پر عمل فرماتے تھے۔ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ قیام مولود کیسا ہے فرمایا مجھے تو لطف آتا ہے (یعنی کوئی سنت اور قربت سمجھ کر نہیں کرتا ہوں) اور حضرت نے اپنا عوارض کا خیال نہ تھا کہ میں مقتدا ہوں میرا فعل سبب ہو جاویگا۔ سمجھتے تھے کہ جواز ناجواز کا مولوی آپ فتوی دے لیں گے (بھلا ایسا شخص بدعتی ہو سکتا ہے) تو حضرت نے اسے بلا کر فرمایا کہ اگر تمھاری رائے بدل گئی تو خیر یہ بھی سنت وہ بھی سنت۔ اور اگر پیر کی وجہ سے چھوڑا ہے تو میں ترکِ سنت کا وبال اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا۔ یہ رنگ تھا حضرت کا خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھے اپنے اپنے رنگ پر سمجھتے ہیں مگر میں سب سے جدا ہوں جیسے کسی رنگدار بوتل میں پانی بھر دیا جاوے تو وہ

پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے حالانکہ پانی بے لون ہے وفی مثل ذلک قال العارف الرومی ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نجست اسرار من
سر من از نالۂ من دور نیست — لیک چشم و گوش را آں نور نیست
در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

حکایت (۱۶۳) فرمایا کہ ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب مولوی تھے فرمایا کہ مولوی گر تھے۔ ماشاء اللہ کیا نفیس جواب ہے۔

حکایت (۱۶۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بمبئی کے سیٹھ نے حج کی دعا کے واسطے عرض کیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا وہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس روز جہاز جدہ جانے لگے اس روز دن بھر کے لئے اپنے اوپر آپ مجھے پورا قابو دیدیجئے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس روز تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں سوار کرا دوں گا وہ تمکو جدہ پہنچا دیگا۔ یہ خوب ہے کہ میں تو دعا کروں اور تم یہاں بیٹھ کر تجارت کرو۔ (اس میں حضرت نے صاف ظاہر فرما دیا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا تمنا کیساتھ ارادہ کو بھی کام میں لانا چاہئے۔ جس قدر اپنے آپ سے ہو سکتا ہے اُسے عمل میں لاوے باقی متمم حقیقی حق تبارک و تعالیٰ ہیں (جامع)

حکایت (۱۶۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے مثنوی کے بارہ میں مومن خاں شاعر سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا رومی کا کلام شاعری کی حیثیت سے چست نہیں۔ جو مومن خاں نے کہا کہ کسی جاہل کا

قول ہوگا اُن کا کلام شاعری کی حیثیت سے بھی بہت مستند ہے۔

حکایت (۱۶۵) فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیر محمد والی میں قیام فرمایا ہے (جہاں اسوقت حضرت سیدی سندی شیخی ومرشدی وسیلۃ یومی وغدی حکیم الامۃ حضرت مولانا واولٰنا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی تشنگان بادۂ محبت کو سیراب ومخمور ومسرور فرماتے ہیں نفعنا اللہ بطول بقائہ ؎

وہ سلامت رہیں ہزار برس ٭ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

الٰہ العالمین اس ناکارہ وارذل خلائق جامع کو ہمیشہ اس ذات قدسی صفات کے سایۂ عاطفت میں رکھیو یہانتک کہ ؎

نکلجائے دم اُن کے قدموں کے نیچے ٭ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے (جامع)

اسوقت یہاں سہ دری نہ تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحب سماع تھے مگر دنیادار نہ تھے سچے تھے۔ جب حضرت یہاں تشریف لائے تو انھوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اُٹھکر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اسوقت حضرت جوان تھے اور یہ بوڑھے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے حضرت میانجیو نور محمد صاحب قدس سرہٗ العزیز بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے یہاں ایک خاندان تھا اُن کی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں انکے لئے ایک سہ دری بنا دو میں دُعا کروں گا۔ انھوں نے سہ دری بنانیکا وعدہ کر لیا

وہ مقدمہ الٰہ آباد میں جاکر موافق ہو گیا۔ جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی انھوں نے حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے انھوں نے کہا حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنادینگے حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی۔ پھر الٰہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمھارے بعد پھر ضبط۔ پھر انھوں نے حضرت سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمھیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب برکت ہے جہاں جہاں حضرت کی نسبت سے تعمیریں بنی ہیں سب محفوظ ہیں حتیٰ کہ ہمارے بھائی نے جب اپنا مکان بنایا جس میں حضرت کا سکونتی قطعہ بھی آگیا انھوں نے ایک انجنیر سے نقشہ بنوایا تھا۔ اس نے نہایت آزادی سے نقشہ بنایا۔ مگر حضرت کے اس سکونتی حصہ کی عمارت کے ٹوٹنے کی نوبت نہیں آئی سچ ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

حکایت (۱۹۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی مسئلہ کی تقریر کو ختم فرمالیتے اور کوئی شخص دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے کہ اس سے (یعنی حضرت شیخی و مرشدی حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہم العالی سے) دریافت کرلو یہ سمجھ گئے ہیں۔ (اس سے ہمارے حضرت کی عظمت و جلالت وفہم وادراک کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ جامع) لوگوں کو اس سے غصہ ہوتا کہ سب باتیں یہی سمجھ جاتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ اسوجہ سے دوبارہ کوئی پوچھتا ہی نہ تھا میں نے بہت چاہا کہ ایسا نہ فرمایا کریں۔ لوگوں کو اس سے حسد ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کہنا بھی خلاف ادب تھا اسلئے عرض نہ کرسکا۔

حکایت (۱۶۷) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اسپر فخر کیا کرتے تھے کہ الحمد للہ ہمارے سلسلہ میں سب طلباء اور غرباء ہی کا مجمع ہے اور جس درویش کے یہاں بکثرت بڑے بڑے لوگوں یعنی ڈپٹی کلکٹروں وغیرہ کا ہجوم ہو تو سمجھ لو کہ وہ خود دنیا دار ہے کیونکہ قاعدہ ہے؟ **الجنس یمیل الی الجنس**۔

حکایت (۱۶۸) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چار مسئلوں میں شرح صدر ہے ایک مسئلہ قدر دوسرا روح تیسرا مشاجرات صحابہ چوتھا وحدت الوجود۔ اور جب ان چاروں مسئلوں پر حضرت تقریر فرماتے تو سامعین پر ایک اطمینان اور وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

حکایت (۱۶۹) فرمایا حاجی مرتضےٰ خاں صاحب لکھنوی کہتے تھے کہ ایک عالم نے جو کہ اپنے شیخ سے مثنوی پڑھے ہوئے تھے حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی آکر شروع کی اُن سے ایک روز میں نے پوچھا کہ تم نے حضرت حاجی صاحب کی پڑھائی میں اور اپنے شیخ کی پڑھائی میں کیا فرق دیکھا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم کچھ پڑھے ہوئے ہو کہا کچھ نہیں ایسے ہی تھوڑا سا پڑھا ہوا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ تم ایک مثال سے سمجھو کہ جیسے ایک مکان نہایت شاندار ہے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ اور ہر قسم کے فرنیچر سے بھرا ہوا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے کہ کسی کو اسکے دروازہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا اور اس کا تمام نقشہ ایسا بیان کر دیا کہ کوئی چیز نہ چھوڑی اور ایک شخص وہ ہے کہ جس نے زیادہ بیان تو نہیں کیا لیکن دروازہ سے اندر لیجا کر مکان کے بیچ میں کھڑا کر دیا اس طرح کہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ حاجی صاحب کا پڑھانا تو ایسا ہی ہے کہ مجھے اندر لیجا کر کھڑا کر دیا اور میرے شیخ کا پڑھانا ایسا ہے جیسا کہ باہر سے پورا نقشہ بتا دیا۔

حکایت (۱۷۰) فرمایا کہ مشتاق احمد صاحب پٹواری کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اسقدر رفیع ہیں کہ میرے قابو میں نہیں آتے اسلئے آپ (یعنی مرشدی مدظلہم) کچھ لکھئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں یہ پتہ بھی نہ تھا کہ اور لوگ بھی حضرت کے حالات کو اسدرجہ کا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امداد المشتاق اس فرمائش کے بعد ہی لکھی گئی۔

حکایت (۱۷۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو عالم روحانیت سے مناسبت ہو جاتی ہے تو اس کے وقت میں برکت ہو جاتی ہے۔

حکایت (۱۷۲) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مثنوی کا درس ہو رہا تھا۔ اور جلسہ عجیب جوش و خروش سے پُر تھا۔ اس روز حضرت نے پکار کر یوں دُعا فرمائی (اے اللہ ہم لوگوں کو بھی ایک ذرہ محبت عطا فرما۔ آمین۔ پھر دُعا کے بعد فرمایا کہ الحمد للہ سب کو عطا ہو گیا (الہام ہوا ہو گا) پھر دوسرے جلسہ میں فرمایا کہ بھائی ذرہ سے زیادہ کا تحمل بھی نہیں ہو سکتا ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم
بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

حکایت (۱۷۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مثنوی کا درس ختم فرماتے تو یوں دعا فرمایا کرتے تھے (اے اللہ جو جو اس کتاب میں لکھا ہے اس میں سے ہمیں بھی حصہ دیدے) آمین (جامع)

حکایت (۱۷۴) فرمایا کہ جب مثنوی کے درس کا وقت آتا تو حضرت حاجی صاحبؒ یوں فرمایا کرتے تھے کہ آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کرلیں۔ ایک شعر ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی ؛ ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اس کا لوگوں نے اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں زیادہ مضامین قرآن شریف کے ہیں۔ لیکن حضرت نے عجیب تفسیر فرمائی۔ کہ بھائی قرآن سے مراد کلامِ الٰہی ہے اور کلامِ الٰہی کبھی وحی سے ہوتا ہے اور کبھی الہام سے ہوتا ہے تو معنے مصرع کے یہ ہیں کہ مثنوی کلامِ الٰہی یعنی الہامی ہے۔ (حضرت اس تفسیر کی بنا پر تلاوت کا لفظ استعمال فرماتے تھے) (جامع)

حکایت (۱۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مثنوی پڑھاتے تو خوب زور شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہو جاتا تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ ارے بھائی کچھ شربت بنا لو سر دبا دو بس حالت تھی

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم ؛ ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

عشق قوی تر می شود خمر کہن ؛ خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

بڑھاپے میں قوتِ روحانی بڑھ جاتی ہے۔ جو کیفیت کہ بڑھاپے میں بھی جاتی رہے تو وہ روحانی ہے اور جو بڑھاپے میں زائل ہو جاوے تو سمجھو نفسانی تھی۔ گو مجھ کو بھی پہلے ذوقاً معلوم ہوتا تھا۔ اب بحمد اللہ تحقیقاً سمجھ میں آ گیا۔

حکایت (۱۷۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک دو کافیہ لکھدیں مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصطلاحات تو ضرور نہیں بولتے تھے۔

حکایت (۱۷۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے اندر اسقدر حسنِ ظن تھا کہ اتنا کسی کے اندر نہیں دیکھا جن لوگوں کو ہم کافر سمجھتے تھے حضرت انکو صاحب

باطن فرماتے۔ حاجی ..... کو فرماتے تھے کہ صاحب باطن ہیں مگر غلطی ہو گئی۔ ..... کی بابت فرماتے تھے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اسی قدر اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔ عبدالوہاب شعرانیؒ نے زمخشری کی بابت لکھا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمخشری کو عذاب کرینگے اور یہ جو اس کا خلق افعال کا عقیدہ ہے اسکا منشا صرف تنزیہ باری تعالیٰ ہے گو غلطی ہو گئی۔

حکایت (۱۷۸) فرمایا کہ جب حاجی صاحبؒ یہاں (یعنی خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ میں) تشریف رکھتے تھے تو ایک کھالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے۔ صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہم ساتھ ملکر کھایا کرتے تھے اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ اسوقت مشائخ اس مسجد کو دوکان معرفت کہتے تھے اور ان تینوں کو اقطاب ثلثہ۔ حضرت حاجی صاحبؒ دہلی کے شہزادوں میں علماء میں بزرگ مشہور تھے مگر پیر بھائیوں سے چھینا جھپٹی کرتے تھے۔

حکایت (۱۷۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں، عاشقِ ذات وصفات نہیں۔ جبتک احسان ہے محبت ہے اور جہاں ذرا توقف ہوا۔ بس شکایت ہونے لگی۔ اسی پر یہ تفریع فرمائی کہ اگر کسی کے پاس کچھ روپیہ پیسہ حلال کا ہو اسکو احتیاط سے صرف کرے تاکہ ناداری سے پریشانی نہ ہو۔ اسی طرح جس کے پاس حج کیلئے کافی خرچ نہ ہو اور سفر کے مشاق پر صبر نہ کر سکے اسکو حج کے لئے سفر کرنا مناسب نہیں۔

حکایت (۱۸۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گذار دیتے تھے ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ٭ گر بدم ہم سرِ من پیدا مکن

یہ حافظ عبد القادر سے سنا ہو۔

حکایت (۱۸۱) فرمایا ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھے رونا نہیں آتا حالانکہ اور ذاکرین پر کثرت سے گریہ طاری ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا ہاں جی اختیاری بات نہیں کبھی آنے لگتا ہے۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ جب مولانا ذکر کرنے بیٹھتے تاب نہ ہوتی۔ پسلیاں ٹوٹنے لگتیں۔ پھر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت پسلیاں ٹوٹی جاتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ بھی ایک عارضی حالت ہو جاتی کبھی رہتی ہے۔ پس پھر یہ گریہ یکدم موقوف ہوگیا۔ پھر حضرت سے شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ پسلیاں ٹوٹ جائیں گی رو کر کیا کروگے۔

حکایت (۱۸۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اسکے ذریعے سے سب منور ہو جاتے ہیں۔ حضرت کے یہاں زیادہ اہتمام قلب کا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ الا وھی القلب۔

حکایت (۱۸۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کہنے لگتا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے۔ مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (بلکہ) تم جھوٹے ہو (جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از ظہور الحسن عفرلہ ولوالدیہ

(حکایت (۱۸۴) ایک دن ارشاد فرمایا کہ مرشدنا حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ رامپور کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرا گھوڑا کھو گیا آپ دعا کیجئے کہ مل جاوے۔ حضرت اسوقت مثنوی معنوی دست مبارک میں لئے ہوئے تھے اس کو کھول کر پڑھنے کا جو ارادہ کیا تو سرِ صفحہ یہ شعر نکلا ؎

گر بُرد مالت عدوّ پر فنے ؎ دشمنے را برد و باشد دشمنے

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۱) حضرت مولانا مملوک العلی صاحب محدث نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۸۵) حکیم صاحب ممدوح نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی (والد ماجد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جب تحصیل علم کیلئے دہلی تشریف لے گئے ہیں تو صورت یہ تھی کہ جس استاد سے پڑھنا شروع کرتے وہ کچھ قلتِ مناسبت محسوس کرکے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق نہ پڑھاتا تھا مولانا سخت ملول اور غمگین تھے۔ اسی پریشانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا غم سُنایا کہ میں علوم کے شوق میں وطن چھوڑ کر آیا ہوں جس سے پڑھنا شروع کرتا ہوں ایک سبق کے بعد پڑھانے کا نام نہیں لیتا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا کل آنا۔ مولانا اگلے روز حاضر ہوئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہدایت النحو کا ایک سبق پڑھا دیا۔ اور فرمایا کہ جاؤ اب جس استاد سے پڑھو گے۔ وہ پڑھانے سے انکار نہ کرے گا۔ چنانچہ پھر ایسے چلے کہ بڑے بڑے اکابر مثل حضرت گنگوہی و حضرت نانوتوی وغیرہما اُن کے شاگرد ہوئے۔ (منقول از روایات الطیب)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۶) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب میں استاذی مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھتا تھا میرے تمام بدن کے اوپر خارش نکل آئی۔ میں ہاتھوں میں دستانہ پہنکر سبق پڑھنے کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان ایام میں بھی ایک دن سبق ناغہ نہیں کیا۔ ایک روز مجکو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھ کر حضرت استاذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میاں رشید تمھارا تو وہ حال ہو گیا بقول شخصے ؎

گلشن وصل آرزو دل بچہ مدعا دہم ۞ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۲) حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۱۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے۔ اول درجہ کے مولوی

مظفر حسین صاحب دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی صاحب تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خاں صاحب۔ اسکے بعد فرمایا کہ ایکمرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحب نے شاہ اسحٰق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی شاہ اسحٰق صاحب نے منظور فرمائی۔ اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے بھی مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا اور انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کی بھی دعوت کی تھی مگر انھوں نے انکار کر دیا شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہو گئی۔ کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے۔ انھوں نے عرض فرمایا حاشا و کلّا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا، پھر تو کیوں انکار کرتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب نے آپکی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور اُن کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پالکی میں لیجائیں گے۔ اس میں بھی ضرور صرف ہو گا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر نواب زادہ ہیں وہ دعوت میں ضرور نوّابانہ تکلف بھی کرینگے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں پس جب مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کرینگے۔ وہ اُن کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں انکا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آ گئی۔ اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین اب ہم بھی تمھارے یہاں کھانا نہ کھائینگے۔

حاشیہ حکایت (۱۸۷) قولہ ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں قول

کہ اعانت بعیدہ ہے مطل فی ادا القرض کی۔ کیا دقیق تقویٰ ہے اور استاد کیسے مقدس کہ یا تو شاگرد کو لتاڑ رہے تھے یا اُن ہی کا اتباع کر لیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کو چھوڑنا نہ چاہئے۔ (شت)

حکایت (۱۸۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود حسن صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا بوجھ کسی قدر زیادہ تھا۔ اسوجہ سے اس سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لیجانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اُس بڈھے نے اُن سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو۔ انھوں نے کہا بھائی رہیں کاندھلہ رہوں اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں غرض بہت تعریفیں کیں۔ مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔ اُس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بڈھا اُن کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا اس نے اس بڈھے سے کہا کہ بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں اسپر وہ بڈھا اُن سے لپٹ کر رونے لگا مولوی صاحب بھی اسکے ساتھ رونے لگے۔

حاشیہ حکایت (۱۸۹) قولہ اس سے بوجھ لے لیا اقول ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست (شت)

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۱۸۹) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو پہلے مالک کو سب چیزیں دکھلادیا کرتے تھے۔ اگر بعد میں کوئی خط بھی لانا ہو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے لہٰذا تم مالک سے اجازت لیلو۔

حکایت (۱۹۰) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ کو تشریف لا رہے تھے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں۔ اس بہلی والے سے بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو۔ اور کیا بچت ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بہلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں۔ بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے (کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لادی ہوگی مولانا کو پتہ نہ تھا) اب مولانا کا دقیق تقوی دیکھئے فوراً نہ اُترے تاکہ اس کی دلشکنی بھی نہ ہو۔ تقوی بھی برتنا ہر شخص سے نہیں آتا۔ ذرا دیر کے بعد بولے کہ بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے۔ اس نے بہلی روکی۔ آپ نے اُتر کر پیشاب کیا اور اسکے ساتھ استنجا سکھلاتے چلے۔ کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینک دیا۔ اُس نے کہا بیٹھ جائیے۔ فرمایا ٹانگیں شل ہو گئی ہیں ذرا دور پیدل چلوں گا۔ تھوڑی دور چلکر اس نے پھر عرض کیا۔ پھر ٹالدیا، پھر کہا پھر ٹالدیا، پھر وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے آپ اس میں بیٹھیں گے نہیں پھر لیجانے سے کیا فائدہ؟ حکم دیجئے لوٹ جاؤں۔ فرمایا ہاں بھائی بیٹھوں گا تو نہیں مگر تم کو کاندھلہ چلنا ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اسکے پاس کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو سکتا خوامخواہ

نقصان ہوگا (یہاں پر شبہ ہے کہ جب کرایہ دینا ہی تھا تو پھر کاندھلہ تک خالی
بہلی کیوں لائے تو بات یہ ہے کہ بعضی طبیعتیں بلا کارگذاری کے لینا گوارا نہیں
کرتیں یا اسکے سوا کوئی اور وجہ ہو) لہذا آپ کاندھلہ تک ویسے ہی پیدل آئے
اور ہر منزل پر بیلوں کو گڑ اور گھی اور گھاس دانہ کا ویسا ہی انتظام کیا اور مکان پر
آکر اس کو کرایہ دیکر واپس کیا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۹۱) حضرت مولانا مولوی مظفر حسین صاحبؒ مولانا محمود بخش صاحب
کے صاحبزادے اور حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے بھتیجے تھے۔ آپکا سلسلہ
نسب اس طرح ہے۔ مولوی مظفر حسین صاحبؒ بن مولوی محمود بخش بن مولوی حکیم
شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین بن شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد شریف بن مولوی
محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابن بن بہاء الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن
شیخ قطب شاہ۔

ابتدائی تعلیم حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ کرنے پائے تھے
حضرت مفتی صاحب نے اس دار فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی۔ اس
بقیہ تعلیم ظاہری و باطنی دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے پوری فرمائی
جو کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے اور شاگرد رشید تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکی سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انھی
سے مرید بھی تھے بسلسلۂ درس و تدریس نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے
کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ گاڑھے کا کرتہ یا

ململ لنگی یہ آپ کا لباس تھا۔ میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی حضرت مولنا صاحبؒ
فرماتی تھیں کہ ایکبار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کے لئے سیا اول تو زیب تن
فرمانے سے انکار کیا۔ بعد میں میری خوشنودی کو پہنا۔ مگر جمعہ کی نماز پڑھکر فوراً اُتار دیا
اور فرمایا میرا گاڑھے کا کرتہ دیدو۔ اس میں عُجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر کبھی سوار
نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے اور سامانِ سفر لوٹا۔ لنگی۔ لکڑی مشکیزہ ہوتا تھا۔
جہاں شام ہو جایا کرتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شام ایک
ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے کوئی مسلمان نہ تھا۔ وہاں والوں سے
کہا کہ رات کو رہنے کے لئے کوئی جگہ بتادو۔ تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر
بتادیا۔ آپکے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے
لئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سُنا۔ تمام شب بیتابی سے گذاری اور
صبح کو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی
پڑھادے۔ اسکے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اس کے بچے بیوی وغیرہ سب
مسلمان ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی گذر ہوا۔ ایک مسجد ویران پڑی
تھی۔ وہاں نماز کیلئے تشریف لاکر پانی کھینچا وضو کیا۔ مسجد میں جھاڑو دی۔ بعد میں
ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ جی سامنے خانصاحب
کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار
نمازی ہو جائیں۔ آپ اُن خاں صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی
ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھے آپنے خانصاحب سے فرمایا کہ بھائی خانصاحب اگر تم
نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائیگی۔ خانصاحب نے

---

۵ اس سے مراد راوی یعنی مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی ہیں ۱۲ (ظہور الحسن کسولوی)

کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپنے فرمایا کہ بے وضو
ہی پڑھ لیا کرو۔ اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اسپر اُس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ
لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لیگئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں
خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرز
ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ اول یہ کہ آپنے شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ دوسرے
یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے فرمایا کہ سجدہ میں میں نے جناب باری سے التجا
تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔ اُن خانصاحب
کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا۔ اپنا عہد یاد آیا
پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کرلیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے
غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ بعد نماز باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب بھی
وہیں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے۔ طوائف موجود تھیں۔ اوّل کھانا کھا
کر گھر میں گئے۔ بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ اُن کی شادی کو سات سال ہو
تھے اور آجتک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اُس کی صورت دیکھی تھی۔ فوراً باہر
آئے۔ رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں
بھیجدو۔ سُنا ہے کہ ان خاں صاحب کی پچیس سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی

حکایت (۱۹۲) ایسے ہی ایک مرتبہ گڑھی پختہ تشریف لیگئے۔ ایک خانصاحب سے
نماز کے لئے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور روز
سے یہ اُتر جاتی ہے۔ آپنے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو۔ خانصاحب نے کچھ روز تک
نماز پڑھی۔ پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع
کردی۔ اور اللہ و رسول کے حکم سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اسکے بعد ہمیشہ

وضو نماز پڑھنے لگے۔

کایت (۱۹۳) آپ نے سات حج کئے اور پیدل۔ ایکمرتبہ حج سے واپس تشریف
رہے تھے۔ پانی پت سے چلکر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا
اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی
ٹھیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے
تعاقب کے لئے آئے اور جھنجانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو۔ آپنے فرمایا
جھنجانہ کے تھانہ میں نہ لیچلو اور کہیں چلو۔ اسپر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور
جھنجانہ ہی کے تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا جس نے حوالات
آپ کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور
لیا۔ عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اُنکی جان کے
ے ہو گئے۔ تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا
وم کے دوست تھے۔ اور مولوی صاحب سے خوب واقف تھے۔ بہت مشکل سے جان
کر تھانہ آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی۔ پھر لوگ
ں پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا۔ آپنے
اجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو۔ اسکے ساتھ دو تین آدمی کر دو
اسکو بخیریت پانی پت پہنچا دیں۔

کایت (۱۹۴) ایکمرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے ایک شخص مل گیا۔ اس سے
یافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ اس نے جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے
ں۔ اُس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے۔ آپنے اس سے سامان لیکر
پنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو

بہت پشیمان ہوا۔ آپ نے فرمایا اس میں حرج کیا تھا۔ میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے ہوئے آرہے تھے۔

حکایت (۱۹۵) آپ محتاط بہت زیادہ تھے کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور اگر بھولے سے یا غلطی سے کھالیتے تھے تو فوراً قے ہوجاتی تھی۔ زمانہ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے۔ اسلئے میں سالن نہیں کھاتا۔ آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔ ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے۔ قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود تشریف لیگئے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے اسلئے میں تمھارے مال سے پرہیز کرتا تھا اب تم بالغ ہوگئے اسلئے اب مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

حکایت (۱۹۶) ایکمرتبہ مولوی نورالحسن صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو دیئے کہ خود جاکر ان کا سامان کھانے کے لئے لاویں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا اس میں فیرینی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی۔ مولوی نورالحسن صاحبؒ بہت پریشان ہوئے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے ادھار میں لے آیا تھا۔

حکایت (۱۹۷) آپ بہت زاید منکسر المزاج تھے۔ ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر

مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے اُن میں تشریف لیجاتے۔ اگر کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہو تو پوچھکر وہ لادیتے۔ پیسہ اُس زمانہ میں کم تھا۔ جو شے آتی تھی غلہ کی آتی تھی۔ آپ غلہ کبھی کرتے کے پلّے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔

حکایت (۱۹۸) ایک دفعہ رامپور تشریف لیگئے ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا۔ آپنے اس کا پتہ دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروزپور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کرکے ہدایت کی کہ آئندہ خرچ ہمیشہ بھیجا کرو۔

حکایت (۱۹۹) بیوہ کے نکاح کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہیئے۔ اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابوالقاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ آپنے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور انکو اولاً ترجمہ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے ترجمہ شروع کیا۔ پھر ایک موقعہ پر انھیں نکاح ثانی کی ترغیب دی۔ انھوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کردینگے۔ آپنے فرمایا کہ تم شہید ہوگی۔ اسپر انھوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کرو تو میں تیار ہوں۔ مگر میں اور تم دونوں مارے جاُئینگے۔ آپنے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرمالیا اور ایک موقعہ پر دوچار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد حمل ٹھیر گیا۔ کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی ہر جگہ زنا کا شور مچگیا۔ تھانہ بھون والے چڑھکر آئے۔ لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی شخص مولوی مظفر حسین صاحب کا سر اُتار کر لادیگا اسکو ایک ہزار روپیہ ملیگا۔ آپ کاندھلہ سے دہلی تشریف لیگئے۔ اتفاق کی بات کہ اُن کی والدہ سخت علیل ہوگئیں۔ قاضی صاحب یعنی اُن کے والد بہت پریشان

ہوئے۔ ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بالکل مایوس ہوگئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ ضامن صاحب سے یہ کہلادو کہ اچھی ہوجا۔ پھر اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں سب لوگ حافظ ضامن صاحب کے سر ہوگئے وہ انکار کرتے تھے۔ قضیانی حافظ صاحب کی بہن تھیں۔ بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کاندھلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلالو تب کہوں گا۔ اول تو بہت پس وپیش ہوئی۔ بعد میں مجبوراً بلانا پڑا ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہوگئی۔ اب مولوی مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

حکایت (۲۰۰) کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی۔ آپ نے انھیں اہل السنت والجماعت ہونے کی ترغیب دی۔ انھوں نے کہا اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کرلونگی آپ نے منظور فرمالیا یہ بھی بیوہ تھیں۔ انھوں نے کہا کہ جب موقعہ ہوگا میں خط لکھونگی تم آکر لیجانا۔ محرم کے موقعہ پر جب سب عورتیں قصبہ سے باہر تعزیئے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا × آپ نے دادا مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی لیکر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جاکر ان کو لے آئے۔ جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے تعاقب کیا۔ یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے۔ مگر مولوی محمد صادق ان کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت کو بہت سخت تکالیف پہنچائیں مگر آپ سب سہتے تھے۔ اکثر رات کو دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لنگی بچھاکر نماز میں وہ وقت گذارا کرتے تھے۔ اول حصہ میں دوسری بیوی کو جو بہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں ان کے یہاں جاکر

تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حکایت (۲۰۱) آپ نے چھ حج پیدل کئے۔ جس میں ایک مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کے ساتھ اور ایک ہمراہ اہل وعیال۔ بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولوی نورالحسن صاحب نے چھپالیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً روانہ بیت اللہ ہوگئے۔ یہ روانگی ۲۳ جمادی الثانیہ روز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ موت آوے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آگیا۔ آپ مراقبہ کیجئے۔ انھوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائینگے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہوگئے۔ اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمانؓ مدفون ہوئے۔ کرتہ۔ پاجامہ۔ لنگی مشکیزہ۔ لوٹا آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کردیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کردی گئی۔ اور کرتا پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیجدیا۔ جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کردیا گیا۔ اور کرتہ مبارک موجود ہے فقط (منقول از تذکرۃ الخلیل)

(۲۲) جناب مولٰنا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۲۰۲) فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ وعظ میں لغات بہت بولتے تھے اور اسکی تفسیر یعنی سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولٰنا میرٹھ تشریف لے گئے تو

ایک شخص کی نسبت دریافت کیا کہ یہ کنابیہ میرٹھ سے ہیں یا احابیش میرٹھ سے ہیں۔
(ہمارے حضرت ...... نے فرمایا) کہ مگر ہم نے اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کو
پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ علماء ہیں۔ گفتگو بہت معمولی آدمیوں کی طرح کرتے تھے۔ ہاں
تقاریر کے اندر اصطلاحات ضرور بولتے تھے۔ (وہاں اسکی ضرورت ہوتی تھی۔ جامع)
(منقول از اشرف التنبیہ)

(۲۳) حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی

حکایات

حکایت (۲۰۳) فرمایا کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
پاس آتا تو فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولنا شیخ
محمد کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب اُن سے پوچھ لے۔ اور اگر تجھے
مُرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے
ہیں حاجی صاحب اُن سے مُرید ہو جا۔ اور اگر حُقہ پینا ہو تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

حکایت (۲۰۴) فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
اگر کوئی آکر کہتا کہ حضرت میں نے اپنے لڑکے کو حفظ شروع کرا دیا ہے۔ دعا فرمادیجئے
تو فرماتے ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا۔ یہ تنبیہ ہے اسپر کہ عمر بھر اسکی حفاظت
واجب ہوگی۔ اگر اسکی اُمید نہ ہو تو ناظرہ ہی پڑھا دو۔ اور حفظ سے روکنا نہیں ہے۔
مگر پیرایہ ظرافت کا ہے باعتبار مذاق مخاطب کے کہ کہیں اخیر میں اس کو مصیبت
نہ سمجھنے لگو۔

حکایت (۲۰۵) فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ فاتحہ کسی مُردہ پر پڑھیو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔

حکایت (۲۰۶) فرمایا کہ حافظ محمد ضامن رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت میانجیو رح کے ہمراہ ان کا جوتہ بغل میں لیکر اور توبرہ گردن میں ڈالکر جھنجانہ جاتے تھے اور اُن کے صاحبزادے کی سُسرال بھی وہیں تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت سے جانا مناسب نہیں وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ حافظ صاحب رح نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی۔ میں جانے میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑونگا۔

حکایت (۲۰۷) فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحب رح کی خدمت میں آنے لگا تھا۔ حضرت کی برکت سے اسکی کچھ حالت بدلنے لگی۔ اس کے باپ نے حافظ صاحب رح سے شکایت کی۔ کہ جب سے لڑکا آپکے پاس آنے لگا، بگڑ گیا۔ حافظ صاحب نے جوش میں فرمایا۔ کہ ہمکو تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے۔ ہم کسی کو بُلاتے تھوڑا ہی ہیں۔ جسکو سنورنا ہو تو وہ ہمارے پاس نہ آوے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

حکایت (۲۰۸) فرمایا کہ حافظ محمد ضامن رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر حضرت میانجیو رح نے بیعت سے اول انکار کر دیا تھا۔ مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اصرار مطلق نہیں کیا۔ جب تقریباً دو تین مہینے آتے جاتے گذر گئے تو ایک دن حضرت میانجیو رح نے حافظ صاحب رح سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے حافظ صاحب رح نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوتا ہوں مگر خلاف

ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا۔ اسپر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ۔ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرما لیا۔
(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۲۰۹) ایکبار ارشاد فرمایا کہ حضرت ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے ان کی دعوت کی۔ وہ لکڑہارا تھا، آپنے قبول فرمائی۔ کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی التجا قبول ضیافت کی۔ چنانچہ وہ بھی قبول کر لی۔ ایک شخص نے کہا حضرت وہ پہلا ناراض ہوگا۔ تو حضرت حافظ صاحب نے ہنسکر فرمایا کہ ہم اُسکا مُنہ توڑ دینگے اور کہا کہ وہ لاویگا کیا پانچ چھ روٹیاں اور پیالہ بھر دال سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہوگا۔ ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے اور دوسرے کا لایا ہوا بھی اور پھر کھاوینگے۔ چنانچہ وہ لکڑہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ۔ حافظ صاحب نے اس کو رکھ لیا اور لکڑہارے کو رخصت کر دیا۔ جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپنے پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو ملا کر کھایا۔

حکایت (۲۱۰) حضرت حافظ صاحب رح کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایکبار فرمایا۔ حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایکبار ندی پر شکار کھیل رہے تھے۔ کسی نے کہا "حضرت ہمیں"

آپنے فرمایا" ایکے ماروں تیری" (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۲۴) مولٰنا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۲۱۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نہایت سیدھے اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے۔ میں اُن سے بہت ہی مرتبہ ملا ہوں لیکن جب کبھی اُن سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اُسے چاہیئے کہ اسکو اطلاع کردے اسلئے میں بہ تعمیل ارشاد نبوی تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ اُن کا ہر ملاقات میں معمول رہا۔ اور کبھی اس میں تخلف نہیں ہوا۔

حاشیہ حکایت (۲۱۱) قولہ تخلف نہیں ہوا۔ **اقول** یہ جوش ہی اتباعِ سنت کا جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو۔ ورنہ کافی ایکبار اطلاع کرنا بھی تھا (شت)

(منقول از امیر الروایات)

(۲۵) حضرت قاسم العلوم والخیرات جناب مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۲۱۲) جناب خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی مرادآباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحب ہر سال جا کر امتحان لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دفتر کی چھت پر جو مکان ہے آپ اس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں

بھی حاضر تھا (میں اس زمانہ میں چھتاری میں ملازم تھا اور مجھے حضرت سے اور حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا اسلئے میرا معمول تھا کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لانے والے ہیں تو میں مرادآباد پہنچ جاتا تھا) اُسوقت مولٰنا کچھ بزرگوں کا ذکر کر رہے تھے اور جس مجلس میں یہ عاجز ہوتا تھا اکثر مجھ ہی کو مخاطب بنا لیا کرتے تھے۔ گو اس وقت مجمع کثیر تھا مگر آپ نے مجھ ہی کو مخاطب بنایا اور فرمایا خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے ایک عورت اُن کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچے کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے مُنہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اسوقت آپ پر شانِ عبدیت غالب تھی۔ اسلئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ غرضکہ تین چار مرتبہ یوں ہی ردوبدل ہوئی۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں ہے تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلدئے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا تو کون اور عیسیٰ کون اور موسیٰ کون پیچھے لوٹ اور اسکے منہ پر ہاتھ پھیر نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ ما می کنیم آپ یہ سُنکر لوٹے اور ما می کنیم ما می کنیم فرماتے جاتے تھے اور جاکر اسکے مُنہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ ما می کنیم خود کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ بلکہ جب کوئی کسی گوئیے سے کوئی عمدہ شعر سنتا ہے تو اسکو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی

لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامی کنیم" بار بار دہراتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۲۱۲) قولہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے اقول منصور حلاج کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے احقر نے بھی سنی ہے بس اتنا فرق ہے کہ مجکو اُن بزرگ کا نام لینا یاد نہیں اور اول بار جو اس عورت کو جواب دیا اُس کا لہجہ جوش کا یاد ہے وہ یہ کہ میں عیسیٰ ہوں جو اندھوں کو اچھا کروں اور مامی کنیم کی جگہ ماکنیم یاد ہے۔ (شت)

حکایت (۲۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفر حج میں تھے اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں۔ اس لئے آپ جہاز سے اُتر کر اُن کی خدمت میں روانہ ہو گئے جب اُن کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی۔ تو مولٰنا کو اُن کی شہرتِ علم کی تصدیق ہو گئی اور آپنے اُن سے حدیث کی سند کی درخواست کی اُن عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے۔ وہ عالم شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے۔ اسلئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا شاہ اسحٰق صاحب سے۔ وہ شاہ اسحٰق صاحب سے بھی واقف نہ تھے۔ اسلئے پوچھا کہ شاہ اسحٰق صاحب نے کس سے پڑھی ہے۔ مولٰنا نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب سے۔ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے جب اُن کا نام سُنا تو فرمایا کہ اب میں تمکو سند دیدوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے۔ بس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اسکی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں۔ یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا

سلسلہ ہے وہاں جنت ہو اور جہاں اُن کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے مولانا کو حدیث کی سند دیدی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۱۳) قولہ انکی خدمت میں روانہ ہوگئے اقول باوجود کامل ہونے کے دوسرے اہلِ کمال سے استفادہ فرمانا کمال تواضع و حرصِ دین کی دلیل ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ (شت)

حکایت (۲۱۴) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے۔ اگر کوئی بہت ہی اصرار کرتا تو کہدیتے تھے۔ ایکمرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہو سکتا ہے۔ وعظ کا کام تھا مولنا اسمٰعیل صاحب شہید کا اور انہی کا وعظ موثر بھی تھا۔ دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اسوقت تک بےچینی رہتی ہے جبتک وہ اُن سے فراغت حاصل نہ کرلے۔ اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اسوقت بھی اسکے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اسکی اُسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لئے جاؤں۔ سو وعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ موثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا اسلیئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ موثر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے

اُن کو چین نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اسلئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ موثر بھی ہوتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۲۱۴) قولہ اُن کو چین نہ آتا تھا۔ اقول یہ اثر لازم ہے شفقتِ کاملہ کا اور اس بےچینی کے ممنوع ہونے کا ان آیات سے شبہ نہ کیا جاوے قولہ تعالیٰ۔ واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون۔ وقولہ تعالیٰ۔ لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین۔ وقولہ تعالیٰ۔ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ۔ وقولہ تعالیٰ۔ من اہتدیٰ فانما یہتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیہا وما انت علیہم بوکیل ونحوھا من الآیات۔ کیونکہ مراد ان آیات میں وہ درجہ ہے جس کا اشتغال محتمل ہو افضاء الی الاخلال فی الضروریات الدنیویۃ او الدینیۃ کو (اشت)

حکایت (۲۱۵) خاں صاحب نے فرمایا حکیم عبد السلام ملیح آبادی کو مولینا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تو حضرت مولانا کی خدمت میں جاوے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے چلنا۔ لیکن مجھ بدنصیب کے دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان اور گویا آدمی ہیں۔ واجد علی شاہ کے طبیب خاص بھی رہے ہیں اور حضرت مولانا کی خوش بیانی اور پُرگوئی (یعنی بسط فی الکلام) یا تو وعظ میں ہوتی ہے یا سبق پڑھانے میں اور معمولی گفتگو اُن کی قصباتی ہے۔ اور یہ زمانہ مولانا کی علالت کا تھا اور اسباق نہ ہوتے تھے اسلئے ایسا نہ ہو کہ مولانا سے ملنے کے بعد یہ ان کو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے بداعتقاد ہو جائیں اور اختلافِ خیال کے سبب میرے اور اُن کے لطفِ صحبت

ییں رخنہ واقع ہو بنابریں جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کو ساتھ
نہ لے گیا۔ جب میں واپس آیا تو بہت ناخوش ہوئے۔ اتفاق سے میرا دوبارہ مولٰنا
کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ہوا مگر اس مرتبہ بھی میں نے ان سے اطلاع نہیں
کی لیکن حکیم صاحب کو کسی ذریعے سے میرا ارادہ معلوم ہو گیا۔ اور وہ خود بخود ہاتھ میں
بیگ لئے ہوئے میرے پاس آ گئے اور کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ اب تو میں
مجبور ہو گیا اور ہم تین آدمی، میں اور حکیم صاحب اور محمد خاں صاحب خورجوی مولانا
کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ جس وقت ہم دیوبند پہنچے ہیں اُسوقت آفتاب غروب
ہو گیا تھا اور ہمنے مغرب کی نماز اُس مسجد میں پڑھی جہاں یکے کھڑے ہوتے ہیں
نماز پڑھ کر ہم تینوں پیدل حضرت مولانا کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ مولٰنا اس زمانہ
میں مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر رہتے تھے۔ جب مولوی محمود الحسن صاحب کے
مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں محمد خاں کو حکیم صاحب کے ساتھ چھوڑ کر آگے
بڑھ گیا اور اُن سے پہلے مولانا کے پاس پہنچ گیا مولانا کا لباس اسوقت یہ تھا
سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا۔ جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی
کا زمانہ تھا اسلئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بٹن
لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا (کرتا پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگرکھا تھا اور ایک
رضائی اوڑھے تھے جو نیلی رنگی ہوئی تھی اور جس میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی
جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تہی اور کہیں بالکل اُڑی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کر
مصافحہ کیا۔ اور عرض کیا کہ حکیم عبد السلام حضور کی زیارت کے لئے آرہے ہیں۔
مولٰنا یہ سمجھے کہ یہ مولوی عبد السلام ہسوی ہیں جو احمد سعید صاحب کے خلیفہ اور شاہ
عبد الغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبد السلام

مولوی نہیں بلکہ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ہیں جو مفتی حسین احمد صاحب کے لڑکے ہیں۔ مولانا مفتی صاحب سے واقف تھے اس لئے انھوں نے ان کو پہچان لیا۔ یہ گفتگو ہو چکی تھی۔ اتنے میں محمد خاں حکیم صاحب کو لئے ہوئے مولانا کی خدمت میں آپہنچے۔ جسوقت یہ دونوں آئے ہیں اسوقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں۔ اور مولنا ایک طرف کو چارپائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی۔ اسی مجلس میں مولوی عبدالکریم پنجابی مولانا کے شاگرد بھی تھے۔ جب حکیم عبدالسلام پہنچے سب لوگ اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں تمام شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر مولانا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے بتلایا کہ مولانا یہ ہیں وہ مولانا سے مصافحہ کرکے اُن کے قریب ہی بیٹھ گئے اور نہایت لسانی سے گفتگو شروع کردی اور عشاء کی نماز کے بعد تک برابر گفتگو کرتے رہے۔ کبھی لکھنؤ کے مناظروں کی کیفیت بیان کرتے، کبھی مرزا حسن علی محدث کے حالات بیان کرتے، کبھی اور کوئی قصہ بیان کرتے۔ غرضکہ پورا جلسہ انہی کی گفتگو میں ختم ہو گیا اور مولانا کچھ نہیں بولے۔ حضرت مولانا کی باتوں پر کبھی جی ہاں حضرت، اور کبھی بجا ہے، فرمادیتے تھے۔ جب جلسہ برخاست ہوا تو مولنا نے محمد خاں اور حکیم صاحب کو چھتے کی مسجد میں حاجی محمد عابد صاحب کے حجرہ کے اوپر جو مکان تھا اس میں ٹھہرا دیا۔ اور میں رات کو مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر سو یا۔ صبح کو چھتے کی مسجد میں مولوی محمد یعقوب سے ملاقات ہوئی

ہم لوگ کچھ اُن کے پاس بیٹھے کچھ حاجی محمد عابد صاحب کے پاس بیٹھے۔ پھر مولانا کے یہاں جا بیٹھے۔ اور کھانے کے وقت تک مولانا ہی کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ اسوقت بھی حکیم صاحب ہی باتیں کرتے رہے۔ تیسرے پہر کو حکیم صاحب مدرسہ کی سیر کو گئے اور تھوڑی دیر سب مدرسوں کے درس میں بیٹھے مگر مولوی محمد یعقوب صاحب کے درس میں سب سے زیادہ بیٹھے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ حکیم صاحب پر ابتک مولانا کی حالت منکشف نہیں ہوئی تو مجھے اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اور میں نے اسکی کوشش کی کہ کوئی علمی گفتگو ہو اور مولانا کچھ کھلیں۔ اس کے لئے میں نے مولوی محمود حسن صاحب سے بھی کہا کہ تم کوئی علمی بات مولانا سے دریافت کرو اور مولوی عبدالکریم صاحب سے بھی۔ مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ مولانا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اگر حکیم صاحب مولانا کے معتقد ہو جاویں تو کیا اور اگر غیر معتقد ہو جاویں تو کیا۔ ہمتو مولانا کو تکلیف نہ دینگے۔ تمہارا جی چاہے تم خود پوچھ لو۔ میں نے اُن پر بہت زور دیا مگر کسی نے نہ مانا حتیٰ کہ میری اُن صاحبوں سے لڑائی اور تو تڑاق بھی ہو گئی۔ مگر انھوں نے کسی طرح نہ مانا۔ حکیم صاحب نے مدرسین کی حالت دیکھ کر محمد خاں سے کہا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب حدیث ایسی پڑھاتے ہیں جیسے میرے والد پڑھاتے تھے مگر مرزا حسن علی محدث کیسی نہیں پڑھاتے۔ اور حضرت مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو مجھے بہت ملال ہوا۔ اور میں نے مولوی محمود الحسن صاحب کو بھی بُرا بھلا کہا اور مولوی عبدالکریم سے تو لپاڈگی ہوگئی (دوستی کے اور احکام ہیں اور مقتدا ئیت کے اور احکام) اور میں نے کہ میں نہ کہتا تھا کہ مولانا سے کوئی علمی بات پوچھ لو مگر تم نے میرا کہنا نہ مانا۔ دیکھو حکیم عبدالسلام ایسا کہتے ہیں۔ انھوں نے اسپر بھی یہی کہا کہ ہمتو مولانا کو تکلیف

رینگے چاہے حکیم عبدالسلام معتقد ہوں یا غیر معتقد۔
خدا کی شان کہ اسی روز حکیم مغیث الدین صاحب سہارنپوری کے صاحبزادے
حکیم مشتاق احمد صاحب مولانا کی خدمت میں آپہنچے اور مولنا سے عرض کیا کہ
ب پادری نے آکر قرآن پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وانجیل کی نسبت
رف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور قرآن ہی میں اس کا بھی اقرار ہے کہ خدا
ے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ قرآن کا صریح تعارض و تناقص بیان ہے۔
سنکر مولانا کو جوش ہوا اور تقریر جواب شروع فرمادی اور دن کے آٹھ بجے
ے کھانے کے وقت تک تقریر فرمائی۔ اور حکیم مشتاق احمد صاحب کھانیکے
ر چلے گئے۔ ظہر کے بعد حکیم عبدالسلام نے پھر یہی مضمون چھیڑ دیا اور مولانا نے
ر سے عصر تک یہی مضمون بیان فرمایا اور مغرب سے عشا تک یہی مضمون بیان فرمایا
عشاء کے بعد پھر یہی مضمون شروع کردیا اور حکیم عبدالسلام نہایت شوق سے
مضمون کو سنتے اور بجا ہے حضور، بجا ہے حضور، کہتے رہے۔ جب میں نے یہ دیکھا
رات بہت گذر گئی تو میں نے اشارہ سے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ اب اٹھ چلو
وہ نہیں اٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر کہا، پھر بھی نہ اٹھے۔ جب بارہ
بجگئے تب میں نے زور سے کہا کہ حکیم صاحب اٹھئے بہت دیر ہوگئی۔ اور اب
لانا کو آرام کرنے دیجئے۔ تب حکیم عبدالسلام اٹھے اور تقریر ختم ہوئی۔ مولنا کو
انسی کا مرض تھا مگر آج ایسا اتفاق ہوا کہ اثنائے تقریر میں ایک مرتبہ بھی
انسی نہ اٹھی اور تقریر کی برجستگی میں ذرا بھی خلل نہ آیا۔ اب تو حکیم صاحب مولنا
ے نہایت معتقد ہوگئے اور وہاں سے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے اٹھے۔ مجھے
کی حالت تو معلوم ہوگئی مگر میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ صبح کے وقت

حکیم عبدالسلام اور ہم سب روانہ ہوئے۔ حکیم صاحب کو پہنچانے کے لئے مولوی
محمود حسن صاحب، حافظ احمد، مولوی عبدالکریم اور دوسرے اشخاص اسٹیشن
تک آئے۔ اسٹیشن پر پہنچکر میں نے حکیم عبدالسلام کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور میں
نے کہا کہ پرسوں جو کچھ آپ نے محمد خاں سے فرمایا تھا وہ میں سُن چکا ہوں اب فرمائیے
کہ آپ نے مولانا کو کیسا پایا۔ اسپر حکیم صاحب نے فرمایا اس کا جواب ایک قصہ پر
موقوف ہے پہلے وہ قصہ سُن لو۔ وہ قصہ یہ ہے کہ باوجود نقشبندی مجددی ہونے
کے اور باوجود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ غلام علی صاحبؒ سے مستفید
ہونے کے میرے والد کے اندر چشتیت بہت غالب تھی۔ حالانکہ وہ کسی چشتی سے
مستفید نہ ہوئے تھے۔ اور اس بنا پر اُن کی یہ کیفیت تھی کہ جس جگہ یہ سُنتے تھے
وہاں فلاں شے خوبصورت ہے تو سفر کر کے اُسے دیکھنے جاتے تھے۔ چنانچہ
ایک مرتبہ انھیں معلوم ہوا کہ جیپور میں کوئی تصویر بہت حسین ہے بس وہ اس
دیکھنے کے لئے جے پور روانہ ہو گئے اور جاکر اسے دیکھ آئے۔ حالانکہ یہ سفر بہت لمبا
بالخصوص اس زمانہ کے لحاظ سے۔ اسی طرح ان کو معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے بہت
مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے
سُنکر اس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچکر اس اونٹنی کو دیکھا۔ اور
گردن میں ہاتھ ڈالکر اس کا سر جھکایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا کہ
ظہور فرمایا ہے۔ غرض یہ انکی حالت تھی۔ اب سنو کہ لکھنؤ کے اطراف میں ایک
پر ایک عالم رہتے تھے وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اور اسکو بہت محبت سے پڑھا
تھے۔ جب والد صاحب کو اسکے حُسن کا قصہ معلوم ہوا تو وہ حسب عادت اُسکے دیکھنے
کے لئے چلدئے۔ جس مسجد میں وہ رہتے تھے اسکے جنوب میں ایک سہ دری تھی

اس سہ دری کے اندر جانب غروب ایک کوٹھری تھی اور اس کوٹھری کے آگے شمالاً اور جنوباً ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس وقت والد صاحب پہنچے ہیں تو اسوقت ... لڑکا کوٹھری کے اندر تھا اور وہ عالم اس چارپائی سے کمر لگائے ہوئے اور کوٹھری کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے گئے۔ جب یہ سہ دری میں پہنچے ہیں تو وہ لڑکا انکو دیکھکر کوٹھری میں سے نکلا۔ والد صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑ گئی جس سے ہاتھ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے۔ ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ یہ مصافحہ کرنا چاہتے تھے مگر مصافحہ نہیں کر سکے۔ تو انھوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ لڑکا کھڑا ہے اور یہ اسکے دیکھنے میں مصروف ہیں۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت بھی ہمارے ہمرنگ ... معلوم ہوتے ہیں تو انھوں نے اس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے مصافحہ کرو۔ وہ لڑکا آیا اور اُس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اُسوقت ان عالم صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

این ست کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را ٭ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

یہ قصہ تو ختم ہوا اب جواب سُنو میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت دے کہ میں مرزا حسن علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے زندہ کرکے لاؤں اور ان کو مولانا کی تقریر سُنواؤں اور اس شعر کو یوں پڑھوں ؎

این ست کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

حاشیہ حکایت (۲۱۵) قولہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا الخ
اقول. غالبًا یہ اشارہ ہو لا مبدل لکلماتہ کی طرف اور مولانا نے جو
جواب ارشاد فرمایا ہو چونکہ وہ اس قصہ میں مذکور نہیں اسلئے ضرورت ہوئی کہ اسکا
سہل جواب بھی عرض کر دیا جاوے. وہ جواب یہ ہے کہ یہاں کلمات سے مُراد
خاص قرآن مجید ہے بقرینہ شروع آیت وھو الذی انزل الیکم الکتاب
مفصلاً اور اس کی عدم تبدیل کا سبب دوسری آیت میں ہو وانا لہ لحافظون
اور کلمات سے مراد کلام ہے جیسا حدیث میں ہے اصدق ما قال الشاعر
کلمۃ لبید ای کلام لبید قولہ کوئی تصویر الخ اقول مغلوبین معذور
ہیں قولہ کہاں ظہور فرمایا ہے اقول دوسرے کو ایسا کہنا تقلیداً جائز نہیں

نقمہ و نکتہ است کامل را حلال ٭ تو نۂ کامل مخور ہی باش لال

قولہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اقول دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ٭ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قولہ دیکھنے میں مصروف ہیں اقول اوپر گذر چکا ہے کہ ہر خوبصورت شے کے
دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتیٰ کہ سفر کر کے اونٹنی کو دیکھنے گئے. یہ صاف دلیل ہے کہ
ان کی نظر شہوانی نہ تھی. (شت)

حکایت (۲۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی
محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور
مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے اُن سے چھوٹے مولوی محمد منیر صاحب اور
سب سے چھوٹے مولانا محمد یعقوب صاحب تھے. یہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں نے
دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے تھے

ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیرالدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے۔ مولوی محمد منیر صاحب تو صرف قاسم ہی کہکر خطاب کرتے تھے مگر مولوی امیرالدین صاحب تو ا بے تبے سے گفتگو کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی امیرالدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کے ساتھ اسقدر گستاخی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کچھ تو خیال کیا کیجئے۔ تو مولوی امیرالدین صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر میں اس انداز سے گفتگو نہیں کرتا اور ادب سے کام لیتا ہوں تو بولنا چھوڑ دیتا ہے اسلئے میں ادب پر اس کی خوشی کو ترجیح دیتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۲۱۶) قولہ ادب پر اسکی خوشی کو الخ اقول ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں ؎ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اندرونِ کعبہ رسم قبلہ نیست ؎ چہ غم ار غواص را پاچیلہ نیست

اور کیا ٹھکانا ہے اتباع رضا کا کہ غیبت میں بھی وہی عنوان پسندیدہ محبوب اختیار کیا (شت)

حکایت (۲۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیرالدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا ابے قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپئے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ پھر کس بنا پر جاؤں۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

حاشیہ حکایت (۲۱۷) قولہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بنا پر جاؤں۔ اقول پہلا جملہ کمال معرفت کی اور دوسرا جملہ کمال تقویٰ کی کر

جب بناء خدمت متحقق نہ ہو تو خدمت کو قبول نہ کیا جاوے یہ صریح دلیل ہے سبحان اللہ یہ ہے علم وعمل (شت)

حکایت (۲۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحمٰن خورجوی جو مورچہ والے مشہور ہیں اُن کے نانا احمد خان خورجوی مورچہ والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے مگر مولوی محبوب علی صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے تھے اور مولوی محبوب علی صاحب مولوی محمد اسحٰق صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب پر نہایت فریفتہ تھے حنفی نہایت پکے اور بہت خوش عقیدہ تھے۔ اتنا قصہ میں اتنی بات اور سُن لو کہ میں مولٰنا نانوتوی سے بیعت بھی ہوا تھا اور ان کا نہایت معتقد بھی تھا لیکن ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اسلئے میں انکی بزرگی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اکثر تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ مولانا کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ان کی کس بات کی تعریف کرتے ہیں۔ اب پھر قصہ سنو۔ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے۔ مولٰنا نانوتوی بھی خورجہ میں تشریف لے آئے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا۔ مولانا ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان کے سامنے مونڈھے پر بیٹھا تھا۔ اتنے میں احمد خاں مورچہ والے بھی تشریف لے آئے اور آکر مولانا کی پائیتیوں بیٹھ گئے۔ اور بیٹھنے کے بعد مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت بعض اشعار مولوی رومی کے اور شیخ فریدالدین عطار کے اور شیخ سعدی کے اور بہت سے شعر حافظ کے ایسے ہیں جو قریب قریب کفر صریح کے ہیں۔ لیکن اچھے اچھے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ ان اشعار کو حد کفر سے خارج کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں اور ممکن سے ممکن تاویل ان کی تصحیح کے لئے

کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمدؒ ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی مخالفت
کرتے ہیں اور ابو حنیفہؒ کے قول کی توجیہ نہیں کرتے۔ علیٰ ہذا بعد کے لوگ جب امام
ابو حنیفہؒ کے قول کو کمزور پاتے ہیں تو اس کو چھوڑ کر امام ابو یوسفؒ کے یا امام محمدؒ
کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ صاحبؒ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔
اس میں کیا راز ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نے مجھے مخاطب بنایا اور
ایک لمبی تقریر کی جس کا خلاصہ مجھے یاد رہ گیا ہے اور تقریر بعینہ محفوظ نہیں رہی
اور خلاصہ یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ کے ایمان کے مقابلہ میں ان حضرات کے ایمان
بہت ضعیف ہیں۔ اسلئے اگر ان کے اقوال کی توجیہ نہ کی جاوے تو لوگ بید ریغ
اُن کی تکفیر کر دینگے۔ اور ابو حنیفہؒ کا ایمان اسقدر قوی ہے کہ اگر ان کے تمام
مسائل کو بھی ضعیف کر دیا جاوے تب بھی اُن پر کسی بدگمانی کا خطرہ نہیں ہو سکتا
اس لئے ابو حنیفہؒ کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور اُن بزرگوں کے
اقوال کی توجیہ کی ضرورت ہوئی اور مجھ پر مولانا کی اس التفات آمیز تقریر کا یہ
اثر ہوا کہ میں مولانا کی تقریر کو سمجھنے لگا اور میرا وہ خطرہ دور ہو گیا کہ لوگ انکی اسقدر
تعریف کیوں کرتے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۲۱۸) قولہ ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں الخ **اقول** یہ جواب سائل کے
خاص مذاق کے اعتبار سے ہوگا اور عام مذاق کے اعتبار سے یہ جواب ہے کہ ان
حضرات کے ایسے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر ہے اور انکی مقبولیت جو دلائل
صحیحہ سے ثابت ہو منافی کفر ہے۔ اسلئے تاویل ضروری ہوئی کہ معانی ظاہری مراد
نہیں بخلاف ائمہ مجتہدین و علماء ظاہر کے ان کے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر
نہیں بلکہ صرف موجب خطا ہیں اور ان کے کمالات جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہیں

منافی خطا نہیں اسلئے تاویل کی ضرورت نہ ہوئی۔ بلکہ معانی ظاہرہ کو مراد لیکر ان کو خطا کہدیا جاویگا۔ (شت)

حکایت (۲۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحٰق خاں نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور ذاکر وشاغل تھے۔ یہ صاحب مولٰنا نانوتوی سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایکمرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہو گئے ہیں اسلئے میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کے لئے نہیں آئے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا ہوں مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے۔ اور جب بیلوں کے سانٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے لگتا ہے۔ اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکّی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلہ میں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھپر دوڑتے ہیں۔ اس لئے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکّی کی آواز سُن سکتا ہوں اسی لئے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں۔ اور میں نے کانوں میں روئی ٹھونس رکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا (نانوتوی) کو اطلاع دو۔ انھوں نے کہا کہ تم ہی لکھدو۔ میں نے کہا کہ تم لکھکر مجھے دیدو میں اپنے خط میں بھیجدونگا انھوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی اور میں نے اپنے عریضہ کے ساتھ اس کو مولانا کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے مولانا نے جواب دیا کہ اس کا جواب تحریر سے نہیں ہو سکتا تم اُن سے کہدو کہ وہ میرے

پاس چلے آئیں۔ چنانچہ یہ گئے۔ مولٰنا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دئے یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۲۲۰) قولہ کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دئے۔ **اقول**۔ احقر کا وجدان یہ ہے کہ مولانا نے تصرف فرمایا ہے اور اخفاء تصرف کے لئے اوراد و اشغال کے اوقات بدلے ہیں واللہ اعلم باسرار عبادہ۔ (شت)

حکایت (۲۲۱) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی تھی۔ اس خواب کو انھوں نے مولوی محمد یعقوب صاحب برادر شاہ محمد اسحٰق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انھوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہو گی اور وہ پکا حنفی ہو گا اور اس کی خوب شہرت ہو گی۔ لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہو جاوے گا۔ اور میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سُنی ہے۔ مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا۔ لیکن خاص لوگوں سے فرما دیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے۔ جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا اسوقت میں اکیلا تھا۔ اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے بے تکلف مجھ سے اپنا نام لیا تھا۔

حاشیہ حکایت (۲۲۱) قولہ جلدی انتقال ہو جاویگا **اقول** یوں ہی واقعہ ہوا۔ (شت)

حکایت (۲۲۲) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خاں کے یہاں ایک

قصہ خواں نوکر تھا۔ اور یہ قصہ خواں بہادر شاہ کا قصہ خواں تھا۔ اور اس سے بڑھکر دہلی میں کوئی قصہ خواں نہ تھا۔ نواب صاحب کے یہاں اسے تیس روپئے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہکلا یا توتلا یا اور کسی قسم کا آدمی ہو اس کی اس طرح نقل کر دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لائے اور اعظم خاں نے مولانا کی دعوت کی۔ یہ قصہ خواں رافضی تھا اس نے مولانا سے سوال کیا کہ حضرت میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے اجازت دی۔ اس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس میں تھی اور ابوبکر صدیق کیسے خلیفہ ہو گئے جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خلیفہ نہ بنایا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ میں جواب عرض کرتا ہوں مگر تم اسکے درمیان میں نہ بولنا۔ جب میں تقریر ختم کر چکوں اسوقت جو کچھ شبہ ہو اس کو پیش کرنا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ مولانا نے فرمایا اگر کوئی پہلوان یا پھکیت یا بنگیت بیمار ہو جاوے اور اسوجہ سے کشتی یا پھکیتی یا بنگیتی خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آوے اسوقت اپنے کسی شاگرد سے کہدے کہ تو سکھلا یا کوئی رئیس یا اہلکار کہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا کسی عہدہ دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا اور اشخاص ماموریں اس خدمت مفوضہ کو انجام دیں تو یہ استخلاف عملی ہوگا اور اس قسم کا استخلاف اس استخلاف سے کہیں بڑھکر ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلاں میرا خلیفہ ہے۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب دوسرا مقدمہ سنو اور اس کو ذرا غور سے سنو۔ ارکانِ اسلام چار ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ۔ مگر دو ان میں اصل ہیں اور دو اُن کے تابع۔ نماز اصل ہے اور زکوٰۃ اسکے تابع۔ کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے اور وہ اس کے

دربار کی حاضری اور اسکی تعظیم اور اس سے عرض معروض کا نام ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بلا واسطہ محتاجوں اور فقراء سے ہے پس نماز کے مقابلہ میں زکوٰۃ ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اہل دربار کو اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا حکم دے اور یہ بھی حکم دے کہ ہماری طرف سے جو انعامات وصلات تم کو وقتاً فوقتاً ملے ہیں اُن میں سے کچھ ہماری غریب رعایا کو بھی جو دربار کے راستہ میں خیرات کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں دیدیا کرو۔ سو ظاہر ہے کہ حاضری دربار مقصود ہے اور صدقہ وخیرات اسکے تابع اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تقریباً ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کے بعد بیان فرمایا ہے اور یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ اور اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرمایا۔

اسی طرح حج کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے کیونکہ اسمیں محبوب کے در دولت پر حاضر ہوکر اپنے عشق ومحبت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسر شوکت نفس ہے جو مانع ہے اس محبت وعشق سے اور ان خامیوں کو دفع کرتا ہے جو اس ناصح نامہربان نفس امارہ کی بدولت اسکی خدمات میں پیدا ہوگئی ہیں۔ اسی لئے روزے تیس مقرر کئے گئے اور حج کا وقت رمضان کے بعد سے شروع کیا گیا۔ کیونکہ آخری وقت حج سے (کہ ۹۔ ذی الحجہ ہے) رمضان تک (بادخال غایت) دس مہینے ہوتے ہیں (بحذف کسر کہ ثلث ماہ سے بھی کم ہے) پس ہر مہینے کے لئے تین مسہل (یعنی روزے) تجویز کئے گئے اور ان سب کو ایک مہینہ میں (یعنی رمضان میں) جمع کردیا گیا (کہ تیس روزے فرض کردئے) تاکہ دس مہینوں میں جسقدر نفس امارہ کی وجہ سے عشق ومحبت کے جذبات میں خامی

اور خلل آگیا ہے ان مسہلوں سے اس کی تلافی ہو جاوے اور وہ اس قابل ہو سکے کہ محبوب کے درِ دولت پر حاضر ہو کر صحیح طور پر اپنی محبت کا اظہار کر سکے اور جب رمضان میں وہ ان مسہلوں سے اس قابل ہو گیا تو اب یکم شوال سے اسکو اجازت ہوئی کہ اب آؤ اور آکر اپنی محبت کا اظہار کرو۔ یعنی اسوقت سے حج کا وقت شروع ہو گیا اور اسکی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ اپنے اہلِ دولت کو جشن شاہی کی شرکت کیلئے دعوت دے اور اسکے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دھو کر اور اعلیٰ اعلیٰ خوشبوئیں لگا کر اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہنکر غرض پوری طرح شرکتِ جشن کے قابل ہو کر شریکِ جشن ہوں۔ سو ظاہر ہے کہ شرکتِ جشن مقصود ہے اور باقی امور اسکے تابع۔ جب یہ بھی ذہن نشین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ نماز اور حج ارکانِ مقصودہ ہیں اور زکوٰۃ اور روزہ ان کے تابع۔ تو اب اصل مقصود سنو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صدیق اکبر کو امیرِ حج بنایا اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپکے سوا کسی اور کو مامور نہیں فرمایا۔ پس اسلام کے ایک رُکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلافِ عملی ثابت ہو گیا اور اس کے ضمن میں اسکے تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا۔ پھر آپنے اپنے مرض وفات میں خدمتِ امامتِ صلوٰۃ آپ کے سپرد کی۔ اور سترہ وقت کی نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑھوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیق اکبر کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں فرمائی۔ پس نماز کے متعلق آپ کا استخلافِ عملی ثابت ہو گیا۔ تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہو گیا۔ اب کونسی وجہ ہے کہ صدیق اکبر کو خلیفہ برحق نہ مانا جاوے اور کس طرح کہا جاوے کہ خلافت کی انہیں اہلیت نہ تھی۔

اور اہلیتِ خلافت حضرت علی میں تھی اور وہی خلیفہ تھے۔ مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور اسقدر دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی تقریر اسقدر دلکش نہیں سنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اس لئے اس کا قریب قریب خلاصہ بیان کردیا گیا ہے۔ اس تقریر کا اس قصہ خواں پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت رفض سے تائب ہو کر سُنی ہو گیا۔

حاشیہ حکایت (۲۲۲) قولہ فی آخر القصہ قریب قریب خلاصہ الخ

اقول جب مقارب اور خلاصہ اس غضب کا ہے تو عین کیسا کچھ ہو گا (شت)

حکایت (۲۲۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت احادیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے۔ کہیں حضرت عائشہ رضؓ کو احب فرمایا ہے۔ کہیں حضرت فاطمہ رضؓ کو۔ کہیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو وغیرہ وغیرہ لیکن ابوبکر صدیق رضؓ کی نسبت حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اور یہ بات (جس میں مادہ خلت ہو) کسی اور کے لئے نہیں فرمائی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادوں کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں۔ مثلاً جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فاء فعل کی جگہ) ش ہو گا اس کے معنی میں علو کے معنے پائے جائینگے۔ جیسے شرف، شرر، شیطان وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے اس میں علیحدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائینگے جیسے خلوت خلو بیت الخلا خلیفہ خلال وغیرہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اسکے بیچ میں ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں

کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں جو قلب
کے اندر ہوتا ہے۔ جب یہ بھی معلوم ہوگیا تو اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے
جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر
بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق رضی کی محبت کو ہوتی اور
جب ابوبکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضرور ہے کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد
ہوگی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردوں سے ہوگا۔ اور
ابوبکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوف قلب سے قریب تر ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۲۳) قولہ کسی کو خلیل بناتا۔ **اقول** اگر اس پر
یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل
کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اسکے عکس کا شبہ ہوتا ہے
جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے محاورات میں خلیل
کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر (تشت)

حکایت (۲۲۴) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی جب مرض وفات
میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود الحسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی
لاؤ۔ مولوی محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف
ایک ککڑی چھوٹی سی ملی۔ اس کی خبر کسی ذریعہ سے لکھنؤ مولوی عبدالحی صاحب
فرنگی محلی کو ہوگئی کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے اس پر مولوی عبدالحی صاحب
نے لکھنؤ سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند
مرتبہ بھیجیں۔

حاشیہ حکایت (۲۲۴) قولہ کہیں سے ککڑی لاؤ **اقول** اسکو منافی

زہد سمجھنا تقشف خلاف سنت ہے۔ خود احادیث میں بعض اشیاء کی رغبت کا ظاہر فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلیٰ درجہ کی عبدیت و محبت مع المنعم ہے۔ (شت)

حکایت (۲۲۵) خاں صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اس کا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا۔ اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے اس کا ہدیہ لینے کو جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار ہی پیسے ہوں۔

حاشیہ حکایت (۲۲۵) قولہ جو شخص ہمکو محتاج الخ اقول وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا عادۃً ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے۔ اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدی الیہ کو ذلیل سمجھا جاوے۔ (شت)

حکایت (۲۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اُس زمانہ میں اُن کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے رندانہ وضع تھی۔ چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ ڈاڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر مولانا نانوتوی سے اور ان سے نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولنا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو اُن کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولانا کے مقدس دوست مولنا کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اسکی کچھ پرواہ

نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا۔ اور حافظ جی نے مولنا کو۔ جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا کہ حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمھارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور۔ اس لئے میں بھی تمھاری ہی وضع اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے۔ تم اسکو بھی چڑھا دو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اُتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سُنکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے۔ میں آپکے کپڑے پہنونگا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اسکو آپ اتار دیجئے۔ اور مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اُتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بنگئے۔

حاشیہ حکایت (۲۲۶) قولہ میں بھی تمھاری وضع الخ اقول مولنا کو یقین تھا کہ اس فرمانے سے اُن پر وہی اثر ہوگا جو کہ ہوا اس لئے اس فرمانے پر اعتراض نہیں ہو سکتا یہ اصلاح کے طریقے ہیں جنکو حکماء الٰہی سمجھتے ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ایک بی بی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایکبار نوحہ کرنے کی اجازت ہونے کا یہ اثر ہوا کہ اُس نے فوراً توبہ کرلی۔ (شت)

حکایت (۲۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی کا قاعدہ تھا کہ سفر میں ہدیہ نہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے تنہائی میں کہا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا سمجھ گئے کہ کچھ دینا چاہتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ ایک عرض میری ہے پہلے اُسے سُن لیجئے۔ میرا معمول ہے کہ میں سفر میں ہدیہ نہیں لیا کرتا اور مصلحت یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ سفر میں اپنے دوستوں سے ضرور ملاقات ہوتی ہے۔ اب کسی نے پہلے سفر میں کچھ دیا تھا لہذا اس سفر میں اس کے

ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو یا تو وہ ملنے سے کترائیگا یا اگر ملے گا تو جھینپ اور شرمندگی کے ساتھ ملے گا۔

حاشیہ حکایت (۲۲۷) قولہ مصلحت یہ ہو الخ **اقول** کسی مصلحت سے ہدیہ نہ لینا مخالف سنت کے نہیں جیسے کم فہم سمجھتے ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سے عذر ہیں جنکو صاحب معاملہ سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ وہ عذر احکامِ شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہو۔ (شست)

حکایت (۲۲۸) خان صاحب نے فرمایا کہ جن بزرگوں کا اخلاق بہت بڑھ جاتا ہے اُن سے مخلوق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اور فرمایا کہ مولانا نانوتوی گو نہایت وسیع الاخلاق تھے مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے۔ اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے۔ ایکمرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے۔ مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا۔ میری زبان سے بجائے فضل رسول (بضاد معجمہ) فصلِ رسول (بصاد مہملہ) نکل گیا۔ مولانا نے ناخوش ہوکر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا فضلِ رسول۔ آپنے فرمایا کہ تم فصلِ رسول کیوں کہتے ہو۔

حاشیہ حکایت (۲۲۸) قولہ ناخوش ہوکر فرمایا **اقول** یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتی کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔

حکایت (۲۲۹) نواب محمود علی خاں صاحب مولوی محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بیحد متمنی تھے۔ مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علیگڑھ۔ مگر جب مولانا کو اُن کے آنیکا

علم ہوتا۔ مولانا شہر چھوڑ کر کسی طرف چل دیتے تھے اور فرماتے کہ نواب صاحب سے دو باتیں کہدینا۔ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوادیں۔ اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی۔ اگر وہ ایسا کرینگے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کو سنکر تو نواب صاحب ہنسنے لگے۔ اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۲۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے پٹھانوں میں ایک شخص رن مست خاں نامی نہایت خوش گلو اور فن سرود سے واقف تھے وہ ایک دفعہ میرے پھوپھا کے پاس آئے۔ پھوپھا صاحب کھانا پکانے کے شوقین تھے اسوقت بھی یہی مشغلہ تھا۔ کوئی پیاز کتر رہا تھا، کوئی مصالحہ پیس رہا تھا، کوئی آگ جلا رہا تھا، بہشتی پانی بھر رہا تھا کہ رن مست خاں نے اچانک حضرت حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی ؎

غلام نرگس مست تو تاجدارانند

کچھ ایسا سماں بندھا کہ پیاز کترنے والے کے ہاتھ پیازوں پر رہ گئے بہشتی کا ہاتھ مشک اور گھڑے پر رکھا رہ گیا۔ غرض جو جس حالت میں تھا اُسی میں ششدر وحیران بنا رہ گیا۔

یہی رن مست خاں مولانا نانوتویؒ کی مجلس میں آئے اور مولوی عبداللہ صاحب ساکن گلاوٹھی نے (جو مولانا کی پشت پر تھے) رن مست خاں کو (جو مولانا کے مواجہہ میں تھا) اشارہ کیا اور ذرا مستعدی کے ساتھ اشارہ ابرو سے حکم دیا۔

اس نے یہی حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھکر خود بخود رک گیا اور
کہا مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے۔ اور بعد میں کہا جب ارادہ کرتا تھا
جب ہی کوئی انگلی زبان پر آکر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی۔ لیکن مولانا نے
ان کے گلے کی تعریف فرمائی۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا نے مولوی عبداللہ
کی طرف خلافِ عادت چیں بجبیں ہوکر دیکھا اور فرمایا مولوی صاحب یہ کیا بات
ہے کہ آپنے بغیر میرا ایما معلوم کیئے اس سے ایسی فرمائش کی۔ اور پھر فرمایا کہ
میں جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھپر لگا
ہوا ہے۔ اسلیئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید
نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا۔ جانوروں کے گھونسلا بھی ہوتا ہے
میرے یہ بھی نہ ہوتا۔ اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔

حاشیہ حکایت (۲۳۰) اسی طرح مولویت کا الخ یہ ہو جامعیت کہ
سب کا مناسب حق ادا کیا جائے ونعم ما قیل ؎

برکفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن (شت)

حکایت (۲۳۱) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی کو حرام
کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اس کا احساس بھی بہت جلد کرتے
تھے مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی منظور فرما لیتے تھے اور پھر اگر قے کرتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۲۳۱) دعوت کی منظوری حرام بین ہونے کی
صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جو فتوی سے حلال تھی۔
کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی (شت)

حکایت (۲۳۲) خاں صاحب نے فرمایا ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت نے مولانا نانوتویؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل تو تھے ہی کوئی ہمارے اسمٰعیل کو بھی دیکھے۔

حاشیہ حکایت (۲۳۲) منہ پر مدح کرنا جبکہ اسمیں کوئی مفسدہ نہ ہو جائز ہے۔ اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو تو پھر جائز سے بڑھکر اولیٰ ہے۔

حکایت (۲۳۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ کو یوں تو ولی اللّٰہی خاندان کے ایک ایک فرد سے محبت اور فدائیت تھی مگر مولانا شہیدؒ سے عشق تھا ان کا ذکر سن نہ سکتے تھے۔ کسی نے تذکرہ چھیڑا تو اسکی بات کاٹ کر خود ان کا تذکرہ شروع کر دیتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۲۳۳) یہ بات کاٹنا ایسے لطیف طور پر ہوتا تھا کہ بات کرنے والے کو ناگوار نہ ہو۔ (شت)

حکایت (۲۳۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس کا التزام کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف دیکھ کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں لیکن شاہ صاحب کی کتاب میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی اول ہی دفعہ میں فرما دیتے تھے۔ بارہا اس کا تجربہ کیا۔

حکایت (۲۳۵) حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جسمیں رامپور کا

ایک خاندان بھی شامل تھا۔ جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی۔ حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعدِ جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرانے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغرسانی اور تفتیش حالات کیلئے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لئے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رامپور، جلال آباد قرار پائے اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا۔ حکام نے دورے کئے۔ اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچکر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اجازت دی اور کہلوا دیا کہ جوتہ نکال کر آئیں۔ حاکم آیا اور بیٹھا نہیں۔ بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اس نے حکومتِ ہند کو رپورٹ دی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقضِ امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لے جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور رداء مبارک میں لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا

نہیں چاہتے۔ سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی
اور شر سے تحفظ منظور ہے۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں
بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے۔ اور حضور کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر
ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے
تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل
نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی

حاشیہ حکایت (۲۳۵) قولہ سوتے جاگتے الخ یہ ایک کشف صحیح ہے
جس میں کچھ استبعاد نہیں اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے سمجھی شاید ذہانت
سے ماخوذ ہو مگر صرف احتمال کافی نہیں۔ اصل مبنی وجدان ہے۔ (اشرف)

حکایت (۲۳۶) حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ رامپور کے اسی مخالف و
معاند خاندان کے دو رکن دو بھائی تھے جن سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن
سے میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب رامپور تشریف لیجاتے تو ان دونوں
بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملتے۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب
کے مکان پر آتے۔ اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے زمانہ میں بھی حضرت
کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کو ناگوار ہوتا تھا کہ اب حضرت
ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے خود حضرت ہی پر
کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت
گنگوہی اور حضرت نانوتوی دونوں کا رامپور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسب عادت
اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحب نے حضرت گنگوہیؒ کے سامنے
ناک چڑھا کر فرمایا کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے حضرت

مکراتے رہے۔ جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا
حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ اُنکے
قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرماتے۔ جس شخص کے قلب میں ایمان کی طرح یہ
راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل وخوار کوئی ہستی نہیں ہے تو
ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں جانے سے روک سکتے ہیں اور کہیں چلے جانے
سے ان پر اثر کیا ہو سکتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۳۶) حکیم صاحب کی رائے کا منشا دین کی حفاظت کے
ساتھ کہ دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے تدین کا شبہ نہ ہو جائے ایک گونہ جذبہ نفس
بھی ہے گو مباح ہے۔ چنانچہ ان کا یہ خیال کہ انھوں نے کیا کیا زبردست الزام
لگائے ہیں اس کی دلیل ہے کہ حضرت گنگوہی رح کے جواب کا منشا ان کا غلبۂ حال
تواضع سے معذور ہونا ہے۔ باقی تدین کا شبہ سو اللہ تعالیٰ ایسے مغلوب الحال
بندوں کو سبب بننے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں اور اُن کا عذر سب پر واضح فرما دیتے
ہیں اور حضرت گنگوہی کے اس ارشاد میں کہ ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے اثر کو عام
لے سکتے ہیں اثر لازم ومتعدی کو۔ (شئت)

حکایت (۲۳۷) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جب مباحثہ شاہجہانپور
ہو چکا اور حضرت مولانا نانوتوی مظفر ومنصور ہو کر واپس تشریف لے آئے تو مولٰنا
محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے
کیونکہ حق تعالیٰ کو اُن سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا اور وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب
کے مجمع میں اسلام کی ایک منادی ہو جائے اور خدا کی حجت اسکے بندوں پر
پوری ہو جائے سو وہ اس میلہ خدا شناسی (مباحثہ شاہجہان پور) میں ہو چکی۔

چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وفات ہوگئی۔

حاشیہ روایت (۲۳۷) یہ استدلال ذوقی ہے اور اسکی نظیر حضرت عمرؓ
حضرت ابن عباسؓ کا سورۂ نصر کے نزول سے قرب وفاتِ نبوی پر استدلال ہے۔
رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ النصر۔ (شت)

حکایت (۲۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
جب دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں رورکی تشریف لیگئے تو علاوہ اور خدام کے
منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہجی عاشق علی بھی ہمراہ تھے۔ منشی نہال احمد کو
(جو نہایت ذکی تھے) دیانند کے پاس شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لئے بھیجا گیا
منشی صاحب اسکی قیام گاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کے لئے
کھانا لایا گیا۔ کئی بڑی بڑی تھالیں پوریوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی جس کو یہ کئی
آدمیوں کا کھانا سمجھے مگر وہ اس اکیلے کے لئے آیا تھا اور اسی تنہا نے سب تھالیں
صاف کر دیں۔ منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے
ہوئے بطور مزاح کہا کہ اگر ہمارے مولانا سے علم و فضل میں مناظرہ ہوا تو انشاء اللہ
مولانا غالب آئینگے ہی۔ لیکن اگر کہیں کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا؟
(کیونکہ حضرت نہایت قلیل الاکل تھے) یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نہال احمد صاحب
بلائے گئے۔ حضرت قیامگاہ کی چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑے تھے کہ یہ حاضر ہوئے
اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا سوال ہوگا۔ اور کہیں وہی بات
پہنچ گئی ہے تو دیکھئے کیسی ڈانٹ پڑے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ منشی جی تم نے کیا
کہا تھا میں تمھاری زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔ انھوں نے وہی مقولہ دبی زبان
سے دہرا دیا۔ فرمایا کہ اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوگا تو

ساتھ ہو۔اب دوسری بات جو حقیقت ہے وہ سنو۔ تمہارے دل میں یہ سوال
اکیوں ہوا۔ اور یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا کہ اگر ترکِ اکل اور فاقوں میں مناظرہ
کا تو کون غالب ہوگا۔تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے بہائم اور جانوروں
۔اور نہ کھانا کس کی صفت ہے حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی۔ تو تم مجھ سے مناظرہ
بت میں کرانا چاہتے ہو۔ مناظرہ علم میں ہوتا ہے۔یا جہل میں۔ اگر اسی میں مناظرہ
دکسی بھینسے یا ہاتھی کو لا کر دیانند کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ
نا ہے۔

شیہ حکایت (۲۳۸) قولہ ، تمہارے دل میں یہ سوال پیدا کیوں
الخ **اقول** یعنی ایسا احتمال پیدا ہونا جس میں اپنے معتقد فیہ کے مغلوب
کا احتمال ہو۔ دعویٰ محبت وعقیدت اور رجاء من اللہ کے خلاف ہے اور گو
وسوسہ پر مواخذہ نہیں خصوص جب مطائبہ کی حیثیت سے ہو لیکن جو اس کا
رہے یعنی محبت وعقیدت ورجاء میں کمی اس کا تدارک تو اختیار میں ہے کرنا
ئے اور اسکے تدارک کی طرف اس قول میں اشارہ فرمایا کہ یہ سوال کیوں نہ پیدا
الخ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس دوسرے سوال کے استحضار و تکرار سے اس
سوال کا تدارک کرنا چاہیئے۔ (شرت)

ایت (۲۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ کسی عامی نے حضرت نانوتوی رح
چھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں اس سے
ئدہ۔ جبکہ نہ کسی کی برائی کسی پر پڑے گی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آئیگی یہ سائل
بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا حضرت
رمایا کہ بھائی تم اس مجمع میں پنکھا کس کو جھل رہے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ

حضرت آپ کو۔ فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں مگر حسب قرب و بعد پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی۔

حاشیہ حکایت (۲۳۹) قولہ مگر حسب قرب و بعد الخ یہ تشبیہ صرف پہنچنے میں ہے گو یہ تفاوت ہے کہ پنکھے کی ہوا پہنچنا فاعل کے اختیار سے نہیں اور رحمت پہنچنا فاعل کے اختیار سے ہے وہاں کا قانون ہے ھم قوم لا یشقی جلیسھم جو اپنے عموم سے ہر حالت کو شامل ہے مقاصد حسنہ ایک روایت ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین الخ نقل کر کے اور راوی سلیمان ابن موسیٰ سے اسکو مجروح کر کے کہا ہے ولکن لم یزل عمل السلف والخلف علی ھذا وما یروی کون الارض المقدسۃ لا تقدس احدا انما یقدس المرء عملہ فلا ینافیہ اھ اور ظاہر کہ اسپر سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں۔ خواہ کوئی خاص روایت ثابت نہ ہو۔ لان انتفاء الخاص لا یستلزم انتفاء العام۔ (شت)

حکایت (۲۴۰) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کے پاس مظفرنگر تشریف لیگئے۔ ڈاکٹر صاحب اس زمانہ جیل کے ڈاکٹر تھے حضرت جیل کی سمت تشریف لیجا رہے تھے۔ ساتھ میں لوگ مجمع تھا۔ جیل کو جب تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا تو کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کی پیشنگوئیاں بسا اوقات اپنے وقت سے ٹل جاتی ہیں اور انبیاء

کی پیشینگوئی اپنے وقت سے نہیں ٹل سکتی۔ تو کیا اولیاء اللہ کو غلط کشف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ سامنے کونسی عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا جیل ہے۔ فرمایا کہ اس میں کوئی شک ہے یا یہ بات یقینی ہے۔ عرض کیا کہ نہیں بلا شک جیل ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آپکے اندازہ میں اس جیل کو یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا۔ عرض کیا کہ تقریباً سو قدم۔ فرمایا سو کے بجا نوے یا ایک سو پانچ بھی ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بیشک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تخمینہ ہی تو ہے۔ فرمایا کہ یہی حال ہے کشفِ اولیاء کا کہ وہ شے بالکل حق ہوتی ہے جو دیکھتے ہیں۔ مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اس لئے اس کی توقیت یعنی زمان و مکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے اس میں غلطی بھی ممکن ہے۔ اسکے بعد جب جیل کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہ تقریباً دو قدم پر تھا تو فرمایا کہ یہ کیا عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ یہ جیل۔ پھر فرمایا کہ یہ کتنی دور ہے۔ عرض کیا کہ صرف دو قدم۔ فرمایا کہ دو کے تین یا ایک تو نہیں ہو سکتے عرض کیا کہ اب تو دو قدم یقینی ہے۔ فرمایا کہ یہ حال ہے کشفِ انبیاء کا وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انھیں اس شے کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں اسلئے اُن سے تخمین و تعین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

حکایت (۲۴۱) مولانا عزیزالرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند مرحوم نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا وہی کا خیال مجھے گذرتا تھا۔ اور حضرت قبلہ والد مرحوم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایا بلکہ اہتمام کیلئے مجھے طلب فرمایا

اور بس وہی کرتا ہوں جو انھیں مکشوف ہوتا ہے علم اُن کا ہے عمل میرا ہے اُن کے منشاء علمی و کشفی کو میں سمجھ کر فوراً عملدرآمد کرتا ہوں۔

حکایت (۲۴۲) مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدرآبادی مرحوم نے جو مولٰنا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے احقر سے فرمایا جبکہ احقر حیدرآباد گیا ہوا تھا کہ مولٰنا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولٰنا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالادرجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

حکایت (۲۴۳) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے اور بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے غایت بے تکلفی میں ہمعصرانہ طریق پر حضرت نانوتوی رح کو فرمایا بے جا گنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ تو جا کر ہل جوت کھیتی کر۔ حضرت نے ہنس کر جواب دیا۔ ایک بھینسا تو موجود ہے (اشارہ تھا مولٰنا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور دوہری تھے) دوسرا ہو جائے تو ہل جُت جائے گا۔

حاشیہ حکایت (۲۴۳) ایسا بے تکلف مزاح دونوں حضرات کے غایت تواضع کی دلیل ہے متکبرین ایسے عنوانات کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔

حکایت (۲۴۴) والد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ چھتّے کی مسجد میں مولٰنا فیض الحسن صاحب استنجے کے لئے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے کہ تو بہ سارے لوٹے مختون ہی ہیں۔

حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ " پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے "(گویا مختون سے کیا ڈر ہے)

حاشیہ حکایت (۲۴۴) اس مزاح میں ایک تو رمز یہ ہے ایک پہلو تو وہی ہے جس کی طرف ماتن نے بین القوسین اشارہ کیا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹونٹی کے ٹوٹ جانے سے پانی کم سماتا ہے اور گرتا بھی زیادہ ہے جو بعض اوقات بڑے استنجے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ پس اس مزاح کو فحش نہیں کہہ سکتے۔ (ش ت)

حکایت (۲۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب .... بڑے معقولی تھے اور کسی کو اس میدان میں اپنا ہمعصر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دن حضرت نانوتوی رح کا وعظ ہوا اور اتفاق سے سامنے وہی تھے اور مخاطب بن گئے اور معقولات ہی کے مسائل کا رد شروع ہوا۔ وعظ کے بعد انھوں نے کہا اللہ اکبر یہ باتیں کسی انسانی دماغ کی نہیں ہوسکتیں یہ تو خدا ہی کی باتیں ہیں۔ مجھ پر تو یہ اثر ہوا ہے کہ خودی مٹ رہی ہے۔ اسی مجلس میں حضرت سے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح کی طرف سے بیعت کرتا ہوں جب آپ جائیں تو پھر وہاں تجدید بیعت کرلیں۔ چنانچہ جب مولانا گئے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کرلی۔

حاشیہ حکایت (۲۴۵) اول تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قصداً ان مسائل کا رد شروع فرمایا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی ہو تو مدعی کی اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔ (ش ت)

حکایت (۲۴۶) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی بھی شریک تھے
اور ختم وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا اُن کے ہوتے ہوئے کوئی واعظ وعظ کہکر کیا ایسی
تیسی کھائے گا۔ یہ علوم کہاں سے لائیگا اور یہ اثر کہاں سے آئیگا۔

حکایت (۲۴۷) حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے
فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں
باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمۃ اور منازعۃ
کی صورت اختیار کرلی۔ اور مولانا محمود حسن صاحب گو اصل جھگڑے میں نہ شریک
تھے نہ انھیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورتِ حالات ایسی پیش آئی
کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جُھک گئے اور یہ قصہ
کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بُلایا (جو دارالعلوم
دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے
موسم سخت سردی کا تھا۔ مولنا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ
میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا۔ اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا
کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی مولنا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری کے ساتھ میرے
پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تربتر
ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہدو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے
یہ کہنے کے لئے بُلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب رح نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے
ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اسکے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حاشیہ حکایت (۲۴۷) یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اسکی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جسدِ مثالی تھا۔ مگر مشابہ جسدِ عنصری کے۔ دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا ہو۔ مگر وقت گذر جانے پر پھر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے۔ (شت)

حکایت (۲۴۸) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم حضرت نانوتوی رحؒ کے اخلاقِ مربیانہ اور شفقت و رحمت کی توصیف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بس حضرت کے اخلاق کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوا ہوں ظاہر ہے کہ مجھ سے انھیں کتنا اُنس ہوگا۔ اچانک میں گرفتار ہو کر دائم الحبس کر دیا جاؤں کہ پھر میری واپسی اور ملاقات کی کوئی توقع ماں باپ کو نہ رہے ظاہر ہے کہ ان پر کس درجہ غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑینگے۔ کہ گویا وہ قبل از مرگ ہی مر جائینگے اور پھر میں اچانک رہا ہو کر آؤں اور اک دم ماں باپکے سامنے پہنچ جاؤں تو تم بتلاؤ کہ اسوقت کی خوشی و مسرّت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ میں اگر دن میں دس مرتبہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تو مجھے دیکھکر ہر مرتبہ اتنے ہی خوش ہوتے تھے جتنا کہ میرے ماں باپ اس وقتِ خاص میں خوش ہو سکتے تھے۔

حکایت (۲۴۹) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحؒ عموماً بیعت اپنے مرشد کی طرف سے کرتے تھے۔ چند ایک ہی لوگ تھے جنکو براہ راست اپنے سے بیعت فرمایا۔ ایک دیوان محمد یسین مرحوم دیوبندی کہ جب انھوں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ جاؤ گنگوہ جاکر بیعت ہو۔ وہ فوراً گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہی

کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گنگوہ سے واپس ہو کر پھر درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے گنگوہ جا کر بیعت نہیں کی۔ عرض کیا کہ کر لی۔ فرمایا کہ پھر اب دوبارہ بیعت کیسی عرض کیا کہ حضرت وہ تو تعمیل ارشاد تھی۔ مگر بیعت تو حضرت ہی کرینگے۔ آخر کار خود حضرت نے بیعت فرمایا۔

حاشیہ حکایت (۲۴۹) قولہ وہ تو تعمیل ارشاد تھی الخ پس یہ صورتِ بیعت تھی۔ مگر چونکہ مقدمہ حقیقتِ بیعت تھی۔ اسلئے بیکار نہ تھی۔ اور چونکہ قرائن سے یہ متیقن تھا کہ شیخ اول کو یہ ناگوار نہ ہوگا۔ اسلئے خلافِ طریقت نہ تھی۔ (دشت)

حکایت (۲۵۰) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے یہ سارے بزرگ آفتاب و ماہتاب تھے۔ ایک سے ایک اعلیٰ و افضل تھا۔ لیکن بہرحال جس کی قیامگاہ پر جا کر دیکھا ضروریاتِ زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا۔ حضرت گنگوہی کے حجرہ میں بہرحال سامانِ مباح میں سے ضروریات تھیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے حجرہ میں بہرحال کچھ نہ کچھ اشیاء نظر پڑتی تھیں۔ لیکن اس منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرہ میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی گویا عمر بھر کے لئے اسی ایک چٹائی کو منتخب فرما لیا تھا۔ نہ کوئی صندوق تھا۔ نہ کبھی کپڑوں کی گٹھڑی بندھی تھی۔ سفر میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے۔ کپڑے رکھاتے۔ سامانِ سفر مہیا ہوتا۔ اہتمام ہوتا۔ لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا۔ اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی کے پاس رکھوا دیا۔ ورنہ عموماً اسی ایک جوڑے میں سفر ہوا

وتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی۔ جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اُتار لئے اور خود ہی دھو لئے اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کے ساتھ رہتا تھا۔ بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن (یا انگرکھا) ور پاجامہ۔ سردی ہوتی تو مختصر سا معمولی عمامہ ورنہ عموماً ایک کنٹوپ تمام سردی سر پر رہتا تھا۔ مدۃ العمر کسی کپڑے میں بٹن کبھی نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لئے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کے لئے سب کچھ تھا۔ اگر اُن کے پاس کوئی دنیا ہی کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا۔ بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لئے۔ اور یہی فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۵۰) مقصود درجہ طریق میں جمعیت قلب ہے فقط۔ کسی کو ترکِ اسباب میں جمعیت ہوتی ہے کسی کو مباشرتِ اسباب میں پس دونوں میں تفویض ہے محبوب کی تجویز تکوینی کی طرف اور تشریعاً دونوں امر مخیر فیہ ہیں۔ اور بٹن سے اجتناب یہ احتیاط ہے۔ باقی شیوع عام جس سے دیکھنے والے کو شک نہ ہو۔ رافع تشبہ ہے۔ (شت)

حکایت (۲۵۱) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خاں صاحب مرحوم مراد آبادی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے بہت پختہ تھے۔ اس لئے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی پختگی اور انہماک کے ساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انھوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا۔ اور اسقدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ

رات دن اسی کے تصور میں گذرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہوگئی۔ تمام کاموں
میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا لیکن سبحان اللہ تربیت
ونگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ
برتاؤ شروع کیا اور اسے اسقدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا
کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ لڑکا
تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں۔ میں شرم وحجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا
کہ نہیں بھائی۔ یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے
غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار
کرالیا۔ اور کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ دلجوئی فرمائی۔ اس مخصوص
بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا
اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام
امور سے بیکار کر دیا کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی
خدمت میں پہنچا۔ اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرمائیے۔ میں
تنگ آگیا۔ اور عاجز ہو چکا ہوں۔ ایسی دعا فرمادیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک
میرے قلب سے محو ہو جائے۔ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے
بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا
نکما ہو گیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لئے میری امداد فرمائیے
فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔
میں نمازِ مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے

فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب. میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔
میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا
ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اسطرح رگڑا
جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے
نیچے ہوں۔ اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے گویا میں
دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اسوقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھپر یہ کیفیت
اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گذر گیا
اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا
تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی۔ فرمایا جاؤ۔ میں اُٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد
حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس
لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔ فرمایا۔
اللہ کا شکر کرو۔ والحمد للہ علی ذلک۔

حاشیہ حکایت (۲۵۱) قولہ عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں الخ یہ ایک
اثر تھا تصرف کا مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے عن ابی بن کعب
(فی قصۃ اختلاف القرأتین وتصویبہ صلی اللہ علیہ وسلم کلیہما) فلما
رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری
ففضت عرقاً وکانما انظر الی اللہ فرقاً الحدیث (باب بیان القرآن انزل
علی سبعۃ احرف) ونقل النووی عن القاضی ضرب صلی اللہ علیہ وسلم
فی صدرہ تثبیتاً لہ حین راٰہ قد غشیہ ذلک الخاطر المذموم اور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اگر وحی سے تھا تو اسکے تصرف ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اجتہاد سے تھا تو غالب یہی ہے کہ تصرف تھا۔ البتہ ایسے تصرفات کا وقوع بہت ہی نادر منقول ہے۔ اور اس میں بھی شبہ ہو غیر تصرف ہونیکا پس وقوع تصرف کا حکم جازم محتاج دلیل ہے۔ اور مشائخ چونکہ صاحب وحی نہیں اُن کے ایسے افعال قرائن سے تصرفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے محققین نے اس کو کمالاتِ مقصودہ میں شمار نہیں کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تصرفات کا صدور قوتِ نفسانیہ سے ہوتا ہے اور جس طرح قوتِ جسمانیہ کمالاتِ مقصودہ سے نہیں جیسے مضارعت اسی طرح قوتِ نفسانیہ بھی اور اسی وجہ سے یہ قوت اہل باطن میں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عارف را ہمت ذہینی تصرف نباشد۔ تو وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور وجہ اسکی یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس میں شانِ عبدیت سے بُعد ہے۔ اور یہ وجہ افعال جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اس میں اسبابِ مادیہ کی طرف احتیاج ظاہر ہے جو عین عبدیت ہے اور تصرفاتِ نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں اسلئے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے۔ نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے۔ اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عُجب کا خطرہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ش ت)

حکایت (۲۵۲) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند جاری ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہ بنی تھی۔ بلکہ کرایہ کے مکانوں میں مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتو

کی رائے یہ ہوئی کہ کرایہ کے مکانوں سے کام نہ چلیگا۔ بلکہ اب ایک مستقل جگہ مدرسہ
کے نام سے ہونی چاہیئے۔ سب نے اس رائے پر لبیک کہا۔ لیکن حاجی محمد عابد صاحب
مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف
برداشت کرنے کی جامع مسجد کی عمارت کافی ہے۔ اسکے ہر چہار سمت حجرے
بنا دئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں۔ لیکن بقول حضرت شیخ الہند
رحمۃ اللہ علیہ حاجی صاحب مرحوم کے سامنے وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آرہا
تھا۔ ان کی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور پھر مدرسہ سے دارالعلوم ہونیوالا
تھا۔ اسلئے حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب مدرسہ کے لئے الگ ہی جگہ مناسب ہے
مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا۔ یہ طلبہ
کی قوم آزاد ہوتی ہے۔ کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے کبھی فریاد
ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہوگئیں ٹوٹ گئیں۔ لالٹینیں نہ رہیں۔ غرض بیسیوں
دشواریاں ہونگی۔ اسلئے یہی مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ
ہی ہو لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور چونکہ
طبیعت کا ایک خاص انداز تھا۔ اس لئے اپنی رائے پر اصرار تھا۔ لوگوں کے چہرے
بدلے ہوئے تھے مگر حضرت نانوتوی کے حلم کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ بھی نہ سکتا تھا۔

آخر کار حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لئے اشتہار
جاری کر دیا جائے۔ اس اشتہار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو کہ مکان الگ بنے گا یا
مکانِ مسجد میں مدرسہ رہیگا۔ یہ وقت پر ہوتا رہے گا۔ اتنے عرصہ میں حاجی صاحب
بھی موافقت کرلیں گے۔ یہ رائے طے ہوگئی۔ اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ سنگِ بنیاد

رکھنے کے لئے مختلف جگہ کے مسلمانوں کو جمع کیا جائے۔ اور صورت یہ ہو کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد حضرت وعظ فرمائیں اور وعظ ختم ہوتے ہی سارا مجمع شہری اور بیرونی حضرات کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے اس جگہ پر آ جائے جو مدرسہ بنانے کے لئے تجویز کی گئی اور چار آنہ گز کے حساب زمین کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کا اشتہار ملک میں بھیج دیا گیا۔ اطراف و اکناف سے لوگوں کے خطوط آمد کے متعلق آنے شروع ہوئے۔ معینہ جمعہ کے دن بیرونی حضرات کا جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ علیگڈھ سے بھی بعض سر برآوردہ لوگ آئے اور زیادہ تر حضرت کے وعظ و تقریر کے اشتیاق میں یہ مجمع ہُوا تھا۔ بہرحال جمعہ کے بعد حسب تجویز مشتہر شدہ حضرت نے وعظ فرمایا۔ وعظ کے آخر میں فرمایا کہ مکانِ مدرسہ کے لئے سب حضرات فلاں جگہ تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھ دیا جائے۔ بس یہ سُنتے ہی حاجی صاحب مرحوم کو غصہ آیا اور زور سے فرمایا۔ ہائیں کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ۔ حاجی صاحب یوں ہی مناسب ہے آپ تشریف تو لے چلیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا میں کیوں چلوں۔ کیا ضرورت ہے اس اسراف کی اور کیوں یہ بیکار اتنا بڑا کام اُٹھایا جا رہا ہے۔ یہ الفاظ غصہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلے۔ حضرت نے فرمایا۔ حاجی صاحب آپ سنبھلیں یوں ہی مصلحت ہے کہ مدرسہ الگ بنے۔ اسپر پھر حاجی صاحب زور سے بولے۔ حضرت نے فرمایا حاجی صاحب کو اختیار ہے۔ سب حضرات چلیں اور سنگ بنیاد رکھیں۔ یہ ایما پاتے ہی تمام شہری اور بیرونی لوگوں کا جمِ غفیر چلا۔ حاجی صاحب تو چھتہ کی مسجد میں آ گئے اور لوگوں کا مجمع حضرت کے ساتھ چلا۔ لیکن حضرت بجائے اسکے کہ پہلے جائے بنیاد پر آتے

سب سے پہلے چھتہ کی مسجد میں تشریف لائے اور حاجی صاحب سے پکار کر فرمایا کہ حاجی صاحب! آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپکے چھوٹے ہیں۔ یہ آپنے اپنے چھوٹوں کے ساتھ کیا بے رُخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی۔ کچھ ان الفاظ کا ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آکر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل پڑیں اور کہا کہ مولنا للہ میرا قصور معاف فرمائیے۔ حضرت نے حاجی صاحب کو اُٹھا کر گلے لگایا اور فرمایا حاجی صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ تو ہمارے بڑے ہیں۔ بزرگ ہیں۔ حضرت، حاجی صاحب کو لیکر بنیاد پر پہنچے جو کھُد کر تیار تھی۔ اسوقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اسوقت وہاں نہو سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر جمع فرمادیا تھا۔ اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے۔ حضرت کا اسوقت ایک خاص امتیاز تھا۔ لوگوں کی رائے ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہونے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے۔ کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے۔ کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے اور آگے کسی کو فرمادیتے تھے۔ مدرسہ قائم ہوا۔ اس کے انتظامات ہوئے۔ اس میں علمی کارنامے ظاہر ہوئے۔ اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا۔ لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے نام پر کرایا بغرض کام میں سب کے روح رواں تھے۔ اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔ بہرحال جب بنیاد رکھنے کے لئے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا۔ فرمایا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میاں جی مُنّے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب دام ظلہٗ کے نانا تھے، اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور

بزرگ بھی ہیں۔ اور پھر حاجی صاحب مرحوم اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر۔
چنانچہ یہی ہوا۔ اول ان دو حضرات نے اینٹ رکھی۔ پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
کو بڑھایا کہ آپ اینٹ رکھیں۔ انھوں نے رکھی۔ لوگوں نے کہا حضرت آپ بھی تو
اینٹ رکھیں۔ فرمایا۔ ہاں میں بھی آپ سب کے ساتھ حاضر ہوں۔ اور پھر خود بھی
اینٹ رکھی۔ اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجب خوشی
تھی اور سب کے دل فرحت سے مالامال تھے۔

حاشیہ حکایت (۲۵۲) مدرسہ کے لیے مستقل عمارت نہ ہونے کی رائے کا
منشا تذکرۃ العابدین میں اس طرح لکھا ہے کہ وقت بنائے جانے مسجد کے یہ بات
قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہیگا۔ علیحدہ نہیں بنوایا جائیگا۔
مگر کئی سال بعد اہل شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جائے۔ اسوقت حاجی
صاحب نے کہا تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت
نہ تھی۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عذر کیا کہ مجھکو علم
نہیں تھا کہ اہل شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور نہ خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے۔
میں معافی چاہتا ہوں۔ اس سے دونوں حضرات کا عذر بالکل ظاہر ہے۔ اور دونو طرف
سے معافی کی استدعا دونوں حضرات کے کمال تواضع کی واضح دلیل ہو۔ (اشت)

حکایت (۲۵۳) عم محترم مولنا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا جب حضرت
نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں تعلیم پاتے تھے جس راستہ کو جاتے تھے اس میں ایک مجذوب پڑا
رہتا تھا۔ ایک دن اس نے بلایا۔ مولانا کے ہاتھ میں کتاب تھی کہا۔ تیرے ہاتھ
میں کیا ہے۔ مولانا نے کتاب سامنے کردی۔ اس نے اوراق الٹ پلٹ کرکے کچھ

من من کی پھر کتاب بند کر کے کہا جا تو بڑا عالم ہے۔

حکایت (۲۵۴) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف وحالات تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لئے تعویذ مانگتا بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا۔ یا لڑکی ہوگی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں فرمایا کہ کیا کروں بے حجابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ روپوش ہو کر پنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں۔ اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا۔ اس پر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں ہم نے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم صاحب) کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو ادھر کی صف لوٹ گئی۔ جب بایاں سلام پھیرا تو اُدھر کے آدمی گر گئے نہ حلقہ تھا نہ مجلس غرض عبداللہ شاہ اس رتبہ کے تھے۔ اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اُن سے اکثر ملنے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور اُن کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے ملتے ہی کہتے کہ آؤ حاجی قاسم! اس پر مولانا فرماتے کہ حضرت میں تو حاجی نہیں ہوں تو فرماتے کہ بھائی زبان سے یوں ہی نکل جاتا ہے۔ جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو براہِ پنجاب فیروز پور کے دریا سے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے پہلا حج فرمایا ہے۔ راستہ میں پنجلاسہ کا علاقہ بھی پڑتا تھا۔ مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اور حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ فرمایا کہ بھائی میں تو پنجلاسہ ضرور جاؤں گا۔ اور راؤ عبداللہ شاہ

صاحب سے ضرور ملوں گا۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ آؤ حاجی قاسم۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کو جا رہا ہوں۔ فرمایا کہ پھر میں نے تمھیں حاجی ہی کہا تھا۔ رخصت کے وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیے۔ اسپر فرمایا کہ بھائی میں تمھارے لئے کیا دُعا کروں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمھیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکایت (۲۵۵) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی رح دہلی میں مولانا مملوک علی صاحب سے جب تعلیم پاتے تھے تو وہاں کے کالج میں نام مولٰنا کا داخل تھا۔ مگر بطور خود پڑھتے تھے لیکن امتحانات کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آیا تو رامچندر جو بڑا مہندس تھا اور ہندو سے کرسٹان ہو گیا تھا ہندسہ کا اوستاد تھا اس نے مولانا کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا۔ لیکن مولٰنا مملوک علی صاحب نے اس سے فرمایا کہ قاسم درس میں تو داخل نہ ہوگا۔ مگر امتحان میں ضرور شریک ہوگا۔ اور یہ محض اپنی کمال فراست اور تجربہ کی بنا پر فرمایا تھا نیز مولانا نے گوارا نہ کیا کہ میرا اُستاد غیر مسلم ہو۔ اور اس سے کراہت کی۔ بہرحال جب امتحان کا زمانہ قریب آگیا تو مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اقلیدس کے مقالے اور اشکال دیکھ لینا امتحان دینا ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا نے صرف ایک شب میں اقلیدس دیکھی اور چودہ پندرہ شکلیں دیکھی تھیں کہ اس سے جی گھبرا گیا تو چھوڑ دی اور پھر نہیں دیکھی۔ کالج میں اسکی شہرت تھی کہ فلاں طالب علم ہندسہ میں بے پڑھے امتحان دے گا۔ حتیٰ کہ رامچندر کو بھی اس کا علم ہوا۔ تب اُس نے اپنے مایۂ ناز شاگرد

مولوی ذکاءاللہ صاحب کو جو فن ہندسہ میں صاحب تصانیف بھی تھے بُلا کر چند مشکل سوالات سمجھا دئے اور حضرت کی خدمت میں بطور امتحان بھیجا۔ انھوں نے سوالات کئے اور حضرت مولانا نے فرفر جوابات دینے شروع کئے۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ چند سوالات میں بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ کئے۔ مگر وہ جواب سے عاجز رہ گئے۔

حکایت (۲۵۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ایک انگریز مہندس نے اشتہار دیا تھا کہ اگر کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور تقسیم کر دے تو ڈیڑھ لاکھ روپئے انعام ہے۔ مظفر نگر کے منصف صاحب بھی فن ریاضی اور ہندسہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ انھوں نے اس پر دلائل قائم کئے اور اپنے زعم میں اس کو ثابت کر دیا۔ لیکن میرٹھ پہنچے اور وہاں کے کسی حاکم اعلیٰ کو وہ دلائل دکھائے۔ اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہیں۔ آپ اس کا اعلان کریں ضرور آپ اس انعام کے مستحق ہونگے۔ لیکن ان کے دل میں کوئی اطمینان پیدا نہ ہوتا تھا چاہتے تھے کہ اگر اس پر مولانا ایک نظر ڈالدیں تو مجھے اطمینان ہو جائے۔ مولانا کا مظفر نگر ہوا۔ ان منصف صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے (جو حضرت مولانا کے خاص لوگوں میں تھے) کہا کہ کوئی ایسا بھی وقت میسر آسکتا ہے کہ میں مولانا کو یہ تحریر دکھا دوں۔ انھوں نے کوشش کی مگر وقت نہ نکل سکا۔ یہانتک کہ روانگی کا وقت آگیا اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ لیکن گاڑی دس بیس منٹ لیٹ تھی۔ اس وقت فوراً ان منصف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب میری تحریر سنوا دو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا اور بعد منظوری منصف صاحب نے وہ تحریر سُنائی اسکو سرسری حضرت نے سُنا۔ سب سے آخر میں فرمایا کہ سب صحیح ہے۔ مگر دلیل کا فلاں مقدمہ نظری

ہے۔حالانکہ اقلیدس کی تمام دلائل کی انتہا بدیہی مقدمات پر ہوتی ہے۔ اور اسی لئے اس کے تمام دلائل قطعی سمجھے جاتے ہیں۔چونکہ وہ صاحب فن تھے فوراً سمجھ گئے۔اور وہاں سے واپس ہوئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے بطور مذاق فرمایا کہ تمھیں کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ مولانا کو یہ تحریر سنائی اور اپنی ساری کاوش دماغ کو غلط ثابت کر دیا۔ تم اعلان کر دیتے۔ اشتہار دینے والے اسے کیا سمجھتے۔ لیکن یہ انکی دیانت تھی کہ جب انکی تحریر میں غلطی نکل آئی تو پھر انھوں نے اس کی اشاعت نہ کی۔ اگرچہ وہ ایسی غلطی تھی کہ عموماً اس کا سمجھنا دشوار تھا۔

حاشیہ حکایت (۲۵۶) یہ احقر اس زمانہ میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا میں نے اشتہار کے مضمون کو اس عنوان سے سنا تھا کہ زاویہ کی تنصیف تو دلیل سے ثابت ہوگئی ہے مگر اسکی تثلیث کا نہ وقوع ثابت ہوا نہ امتناع۔ اگر اس کا کوئی وقوع ثابت کردے وہ ایک لاکھ روپئے کے انعام کا مستحق ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس ثانی دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ نے اسکی تغلیط میں مفصل تحریر لکھی تھی۔ سوان دونوں جزؤوں کو واقعہ مذکورہ روایت ہذا سے کوئی تعارض نہیں۔

حکایت (۲۵۷) مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے چند دن اقلیدس کا درس بھی دیا ہے۔ چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اٹھا کر اور زمین پر انگلی سے شکل کھینچکر سمجھا دیتے تھے نہ پرکار تھی نہ اور اوزار تھے۔

حکایت (۲۵۸) مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی

میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے۔ اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آ نکلے۔ انھوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین جو مثنوی میں بیان فرمائے جا رہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش اگر اس شخص کو اس ظاہر علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا۔ اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں۔ اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرماویں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اسپر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولنا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی الوجہ الاتم موجود ہے۔

حکایت (۲۵۹) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبدالعدل صاحب یا کسی اور نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جب آپ سے کوئی کسی بات کا سوال کرتا ہے تو آپ برجستہ فرما دیتے ہیں کہ اسکے تین جواب ہیں یا پانچ جواب ہیں تو کیا آپ نے پہلے سے سوالوں کے جوابات سوچکر ان کی فہرست لگا رکھی ہے۔ یا آپ سوچکر آتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے اور اتنے ہی جوابات دیکر میری طبیعت رک جاتی ہے۔

حکایت (۲۶۰) مولنا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود جفاکشی اور مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ لطیف الطبع اور نازک دماغ تھے تقریر فرما رہے تھے کہ اتفاقاً ایک نہایت ہی بدہیئت شخص سامنے آکر

بیٹھ گیا تو حضرت مولٰنا کی طبیعت رُک گئی۔ بالآخر کسی انداز سے اُٹھے اور مجمع ایکدم تہ و بالا ہوا۔ اسی گڑبڑ میں وہ شخص ہی سامنے سے ٹل گیا۔ پھر آکر تقریر شروع فرمائی۔ اور اب طبیعت بے تکان تھی۔

حاشیہ روایت (۲۶۰) یہ لطافت امرِ فطری ہے بعض اغبیار کا اسپر یا اس کے آثار پر اعتراض ونکیر فطرت پر اعتراض ہے۔ بہت سے بزرگوں کے واقعات لطافت کے تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔ (شت)

حکایت (۲۶۱) مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر تقریر فرماتے ہوئے بیچ میں چند ایک منٹ سکوت فرماتے اور ایک دم رُک جاتے تھے۔ اسپر عرض کیا گیا۔ کہ حضرت مسلسل تقریر فرماتے ہوئے آپ کیوں رُک جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک ہی مضمون کے بیسیوں پیرائے اور عنوان ذہن میں اک دم آتے ہیں تو طبیعت رُک جاتی ہے اور میں اسپر غور کرنے لگتا ہوں کہ کس کو لوں اور کس کو چھوڑوں۔

حکایت (۲۶۲) مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ دہلی کے جس کالج میں حضرت مولٰنا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام داخل تھا۔ اسکے علوم عربیہ کے ممتحن مفتی صدر الدین صاحب ہوئے اور مولانا کا صدرا کا امتحان اُن کے پاس گیا۔ انھوں نے کوئی جگہ پڑھوائی۔ مولٰنا کے ذہن میں اس کا مطلب نہ تھا۔ کیونکہ وہ جگہ کبھی دیکھی نہ تھی، تو اسپر تقریر کی اور خود جان رہے تھے کہ کتاب کا یہ مقصد نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے اسپر اعتراض کئے تو مولانا نے مفتی صاحب کو اُن ہی کی تقریروں میں الجھا لیا لیکن اسپر غور کرتے رہے کہ مطلب کیا ہے۔ بالآخر اک دم ذہن میں عبارت کا صحیح مطلب

آگیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ "یہ بات" فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ اس بات کا جواب تو یہ ہے۔ میں کچھ اور سمجھ رہا تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہی تو پوچھتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۲۶۲) اور اس میں چونکہ کوئی مضرت اور مفسدہ نہ تھا نہ اسکا منشاء کبر تھا بلکہ اپنی کامیابی امتحان کی اور اپنے مدرسہ و اساتذہ کی نیکنامی کی سراسر مصلحت اور منفعت ہی تھی۔ اسلئے اس تلطف میں کوئی محذور نہ تھا اور ذکاوت پر جو کہ کمالاتِ محمودہ سے ہے دلالت جس درجہ کی ہے واضح ہے۔ علاوہ اس کے اگر اس کا اخلاق فاضلہ کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی نوعمر طالبعلموں پر ایسے مواخذات نہیں ہو سکتے جو شیوخ پر ہوتے ہیں۔ (شت)

حکایت (۲۶۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولٰنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سُنا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ کے متعلق کچھ سوال کیا۔ اسوقت حضرت مولٰنا چھتے کی مسجد کے چھپر والے حجرہ میں تھے۔ اور کوئی خاص کیفیت طاری تھی۔ مولانا نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی لیکن اس تقریر میں لفظ بھی غیر مانوس تھے۔ یہ مستعمل الفاظ نہ تھے۔ اور معانی بھی غیر مانوس جن کو میں قطعاً نہ سمجھ سکا۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ نازل تقریر فرمائیے میں قطعاً نہیں سمجھا۔ تو پھر دوبارہ تقریر فرمائی۔ جو اس سے کچھ نازل تھی۔ جس کے لفظ مانوس تھے مگر معانی قطعاً بلند اور غیر مانوس۔ جن کو میں نہ سمجھا۔ تیسری دفعہ میں نے پھر کہا کہ میں نہیں سمجھا۔ پھر اُس سے اُتر کر اور نازل تقریر فرمائی جو کچھ قریب الی الفہم آگئی تھی۔ مگر میں پھر بھی نہ سمجھا۔ اور میں نے عرض کیا کہ میں

نہیں سمجھا۔ تو فرمایا۔ کہ مولانا پھر کسی وقت پوچھئے گا۔ چنانچہ مولٰنا محمد یعقوب صاحب اٹھ کر چلے آئے۔

حکایت (۲۶۴) مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولٰنا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آبحیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ آبحیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دیئے تھے۔ کہ انہیں کوئی نہیں سمجھے گا۔ وہ مولانا محمود حسن صاحب کے پاس عم محترم نے خود دیکھے۔ لیکن اب بھی آبحیات (رسالہ) کا پانا آبحیات (چشمۂ حیات) پانے سے کم مشکل نہیں۔

حاشیہ حکایت (۲۶۲) و (۲۶۴) یہ دونوں واقعے احقر نے بھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے تھوڑے تفاوت کے ساتھ سُنے ہیں اور دوسرے واقعے کی نسبت یہ بھی سُنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ان اوراق کے جدا کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور وجہ اسکی یہ بیان فرمائی تھی کہ ان میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اول تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا۔ اور اگر سمجھ لیا تو پھر اسکا جواب سمجھ میں نہ آویگا اور شبہ ہی میں مبتلا رہے گا۔ (اشت)

حکایت (۲۶۵) مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ سے ملنے کے لئے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ ریل نہ تھی۔ مراد آباد سے اس طرح چلے کہ خود حضرت پاپیادہ ہو لئے۔ منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجبر منشی حمید الدین

صاحب کو سواری پر بٹھا دیا جس نے پوچھا کہ کون ہیں فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا اسلئے تاکہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا۔ اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولٰنا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سُنا کہ مولٰنا رامپور تشریف لیجا رہے ہیں اور خفیہ جا رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ غضب ہو گیا۔ مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی اور وہاں کے تمام اہل معقول یہ اُڑائینگے کہ چھپ کر نکل گئے۔ اسلئے اہل مراد آباد نے ایک شخص کو رامپور روانہ کر دیا۔ اور اُس نے پہنچتے ہی حضرت کی تشریف آوری اور جائے قیام کی عام شہرت دیدی۔ تمام رامپور میں یہ خبر پھیل گئی۔ مولوی ارشاد حسین صاحب مشہور معقولی جو حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد یعنی مولانا کے استاد بھائی تھے۔ گو بعض مسائل میں مختلف تھے ملنے آئے اور ایسے ہی ایک مولوی عبد العلی صاحب منطقی بھی ملنے آئے۔ اور مولوی ارشاد حسین صاحب نے قیامگاہ کے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے تلامذہ اور دوسرے علماء سے کہا کہ اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو مت چھیڑنا۔ بہرحال خبر پھیل چکی تھی لوگ جوق جوق ملنے کے لئے آنے لگے۔ اور جب شہرت ہو ہی گئی تو حضرت مولٰنا بھی

احباب سے ملنے کے لئے شہر تشریف لے گئے۔ ایک موقعہ پر جبکہ حضرت کسی سے ملنے کو تشریف لیجا رہے تھے۔ پیچھے مولانا احمد حسن صاحب تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب کے چند شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو تحذیر الناس کے بارہ میں چھیڑنا شروع کیا۔ مولوی احمد حسن صاحب حضرت مولانا کے لحاظ و ادب کی وجہ سے دب کر اور پست آواز میں کچھ جواب دیتے تھے۔ اس مکالمہ کا احساس حضرت کو ہوا۔ تو اُن طلبہ سے فرمایا کہ بھائی یہ ظاہر ہے اگر یہ (مولوی احمد حسن) عاجز ہوئے تو میں اُنکی مدد کرونگا اور اگر تم عاجز ہوئے تو تمہارے اُستاد تمہاری مدد کرینگے۔ پھر یہ کیوں نہ ہو کہ تم اپنے اُستاد کو لے آؤ۔ اور میری اُن سے گفتگو ہو جائے۔ بہرحال راستہ ختم ہوا۔ اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرمالی۔ شب کو مجلس وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ شہر کے اُمراء، رؤساء، علماء، عمائد شہر، طلباء غرضکہ ہر طبقے کے لوگ بھر گئے تھے اور لوگوں کا ایک میلہ سا لگ گیا۔ حضرت مولانا نے تقریر فرمائی بس اُس دن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہونگی۔ ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آگیا تھا اور اس آیت کا وعظ فرمایا اذا وقعت الواقعۃ لیس لوقعتہا کاذبہ اور اس آیت کے تحت میں فلسفہ کے اُن تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا رد فرمادیا۔ اور اسی آیت سے جزو لایتجزی کا اثبات، قیامت کا ثبوت حدوث عالم وغیرہ امور مہمہ ثابت فرمائے اور ایک غیر معمولی جلال اور خوشی کی شان سے بیان فرمایا۔ یہ جوش کی شان اسوقت سے پیدا ہوئی تھی جبکہ اُن طلبہ نے مولوی احمد حسن صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ مولانا مملوک علی صاحب نے اقلیدس کا ایک ترجمہ کیا تھا۔ جس پر مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی نے رکیک الفاظ میں اعتراض

کئے تھے۔ اُن سب کا جواب بھی اس تقریر میں ارشاد فرمایا اور نہایت جوش میں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں۔ مگر ہرگز یہ توقع لیکر نہ آئیں کہ وہ فارسے سےہم عہدہ برآہو سکینگے پھر فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔ غرضکہ مسائل مناطقہ وفلاسفہ کا نہایت زبردست رد اس وعظ میں فرمایا شہر کے تمام مشاہیر علماء سوائے مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی کے اس وعظ میں موجود تھے۔ مگر بولنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔

اس کے بعد نواب کلب علی خاں نے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر عثمان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت کا میں مشتاق ہوں مجھ سے مِل لیں۔ حضرت نے اول تو اعذار شروع کئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف۔ لیکن وزیر نے اپنی نہایت شستہ اور سجل تقریر میں عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کرینگے۔ حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ رہینگے۔ تب آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں۔ میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں۔ اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں۔ اُن کے پیروں میں تو مہندی نہیں لگی ہے۔ بہرحال نہ جانا تھا نہ گئے۔ اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرزِ عمل رہا ہے۔ نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری ساری عمر اسی تمنا میں رہے کہ کسی طرح مِل لوں۔ مگر حضرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ اگر حضرت کے علیگڈھ آنے کی خبر سُنکر وہ علی گڈھ آئے تو مولانا جھٹ خورجہ تشریف لیگئے جو خورجہ

گئے تو حضرت میرٹھ آئے۔ اسی طرح بغیر نواب صاحب کی درخواست مانے ہوئے رامپور سے واپس تشریف لے آئے۔

حکایت (۲۶۶) مولانا حبیب الرحمن صاحب نے حافظ انوار الحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں حجرے کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبد الکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لئے دیوبند آئے۔ مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رُخ دوسری طرف پھیر لیا۔ گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے وہ آکر ہاتھ باندھکر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ہاتھ میں رومال ہیں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب انھیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تو حضرت مولنا نے اُن کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں۔ مزاج اچھا ہے۔ انھوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں پر ڈالدیا۔ حضرت نے اُسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انھوں نے ہاتھ باندھ کر بمنت قبول فرما لینے کی درخواست کی۔ بالآخر بہت سے انکار کے بعد انھوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈالدیا۔ حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے۔ اور حافظ انوار الحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہلِ دنیا بھی دنیا کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے۔ اور دنیادار اسکے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انھیں ٹھکراتی ہے۔ اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔

حاشیہ حکایت (۲۶۵ و ۲۶۶) امراء کے ساتھ معاملہ کی ایک یہ شان ہے

ایک دوسری شان بھی ہے۔ جو بعض اوقات بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ دلجوئی کے لئے اُن سے مل لیتے ہیں اور ان پر لطف فرماتے ہیں جو مصلحت جس وقت غالب ہو اسوقت اسی پر عمل کرنا محمود ہوتا ہے کسی پر ملامت نہیں اور دوسرے واقعہ میں تو دونوں شانیں جمع فرمادیں۔ (شت)

حکایت (۲۶۷) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین صاحب مرحوم دیوبندی نے فرمایا کہ قاضی پور میں جب حضرت نانوتوی تشریف لے گئے ہیں اور عشرہ محرم تھا اور روافض نے حضرت مولانا کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی حضرت نے فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ مجلس میں کہہ سُن چکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں گے۔ وہ اسپر آمادہ نہیں ہوئے اور وہیں کچھ مذہبی گفتگو کرتے ہوئے ان سب روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہمکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیں اور حضور اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمادیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جاوینگے۔ فرمایا کہ تم سب اسپر پختہ رہو تو میں بیداری ہی میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔

حاشیہ حکایت نمبر (۲۶۷) یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہو گی یا لو اقسم علی اللہ لابرہ پر اعتماد ہوگا وبحمد اللہ ھہنا انتہت الحواشی الملقب بسقایات الصبیب المزیلۃ الغواشی المتعلقۃ بروایات الطیب۔ (شت)

حکایت (۲۶۸) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا کچھ مجمع تھا کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ عرض کیا گیا کیا حادثہ پیش آیا

فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے۔ مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اسلئے میں بچ گیا۔ نماز کے بعد جب میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا۔ کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسرونکے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا۔ جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کئے ہوئے ہوگا۔

حکایت (۲۶۹) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہیر امت میں تین قسم کے افراد گذرے ہیں بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول وعرض میں چلتا ہے جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں اور ترتیب وتفصیل وتہذیب مواد میں زیادہ مستغرق ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے جیسے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ حقائق میں اسقدر بلند پرواز ہیں کہ اصحاب ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن عمق کی طرف زیادہ دوڑتا ہے جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں کہ سینکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں

(منقول از روایات الطیب)

حکایت (۲۷۰) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب کچھ تصنیف فرماتے تو ایک جزو لکھ کر نقل کے لئے دیتے تھے۔ اور آپ کے مضمون کے ناقل دو ہوتے تھے ایک بتلاتا اور دوسرا لکھتا۔ وہ جزو نقل ہونے نہ پاتا تھا کہ حضرت دوسرا جزو تصنیف فرما دیتے تھے۔

حکایت (۲۷۱) فرمایا کہ امیر شاہ خاں صاحبؒ کہتے تھے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے خدام تو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضوں کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خدام آپ کے عاشق تھے ؎

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است   بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

حکایت (۲۷۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس آپ کے خادم مولوی فاضل حاضر تھے۔ مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کے واسطے فرمایا (کیونکہ مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوئی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے) انھوں نے تقسیم کر دی۔ آخر میں اتفاق سے اس میں تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی۔ تو آپ نے فرمایا الفاضل للقاسم (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی تقسیم کنندہ کی) انھوں نے جواب دیا، الفاضل للفاضل والقاسم محروم (یعنی فاضل مٹھائی تو مسمّی فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں یا یہ کہ بچی ہوئی صاحب فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے) اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں۔

حکایت (۲۷۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح سُنا دیا کرتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا

خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا رح سے آدھے تھے اسلئے کرامت بھی آدھی ہو گئی۔

حکایت (۲۷۴) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح فرماتے تھے کہ تین کتابیں البیلی ہیں۔ ایک کلام اللہ۔ ایک بخاری شریف۔ ایک مثنوی شریف کہ ان کا کسی سے احاطہ نہیں ہو سکا۔ بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی کہیں جلی۔ سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہ ہوا۔ ایسے ہی قرآن شریف اور مثنوی شریف کا بھی۔

حکایت (۲۷۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ نبو پہلوان نے جو دیوبند کا رہنے والا تھا باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور فرمایا ہم بھی نبو کو اور اس کے کرتب کو دیکھیں گے۔ حافظ انوار الحق کی بیٹھک میں اسے بلایا اور سب کرتب بھی دیکھے۔ مولانا بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے۔ اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے جو اس وقت بالکل بچے تھے بڑی ہنسی کیا کرتے تھے۔ کبھی ٹوپی اتارتے، کبھی کمربند کھولدیتے تھے۔

حکایت (۲۷۶) فرمایا سیوہارہ میں ایک جماعت نے جن میں مسئلۂ مولد میں نزاع ہو رہا تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ اسوقت وہاں تشریف رکھتے تھے مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ حکایت مولوی

محمد یحییٰ سیوہاروی رح سے سُنی ہے۔

حکایت (٢٧٨) فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بآست رامپور تشریف لے گئے۔ نواب کلب علی خاں مرحوم نے مولانا کو اپنے پاس بُلانا چاہا تو مولانا نے یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں آدابِ شاہی سے واقف نہیں۔ اسپر نواب صاحب کا جواب آیا کہ آپ کو آداب سب معاف ہیں۔ آپ ضرور کرم فرمائیں ہم لوگوں کو سخت اشتیاق ہے۔ اسپر مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے اشتیاق تو آپ کو ہو اور ملنے میں آؤں۔ غرضیکہ تشریف نہیں لے گئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

حکایت (٢٧٩) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رح کے یہاں ایک بدعتی درویش مگر صاحب حال مہمان ہوئے تو آپ نے اسکا بڑا اکرام کیا اس کی خبر ایک شخص نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو کی۔ تو مولانا نے فرمایا بُرا کیا اس شخص نے یہ مقولہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر کہا تو مولانا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کفّار مہمانوں کا اکرام کیا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو پھر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر نقل کیا۔ تو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے۔ بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے۔ اس نے پھر اس جواب کو مولانا نانوتوی سے جاکر کہا۔ تو مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ڈانٹ دیا کہ یہ کیا واہیات ہے۔ اِدھر کی اُدھر۔ اُدھر کی اِدھر لگاتے پھرتے ہو جاؤ بیٹھو اپنا کام کرو۔

حکایت (٢٨٠) مولٰنا محمد قاسم صاحب رح نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا

کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے ہیں۔ تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگین سامنے رکھے۔ اور یہ کہا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں۔ اس میں ایک نگین بہت خوشنما اور کلاں ہے۔ اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ ایسے ہی مولانا نے ایک خواب ایام طالب علمی میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اس خواب کی مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۱) ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ اُمیدیں تھیں۔ کچھ کماتا تو افلاس دور ہو جاتا۔ تم نے اُسے خدا جانے کیا کر دیا نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اُسوقت تو ہنسکر چُپ ہو رہے۔ پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ بڑے بڑے اس کی خادمی کرینگے۔ اور ایسی شہرت ہوگی کہ اس کا نام ہر طرف پکارا جائیگا! ور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو خدا تعالیٰ بے نوکری ہی آتنا دے گا کہ ان سو سو بچاس بچاس روپیہ کے نوکروں سے اچھا رہیگا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۲) ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایام روپوشی میں دیوبند تھے۔ زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں۔ زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں جاتا ہوں۔ عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔ بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پہنچے تو دوڑ سرکاری آدمیوں کی

پہنچ گئی۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۳) مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان مملوک میں چھیلوں کے کوچہ میں تھا جا رہا تھا۔ مولوی صاحب (یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ) میرے پاس آ رہے۔ کوٹھے پر ایک چھلنگا پڑا ہوا تھا۔ اسپر پڑے رہتے۔ روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی وقت تلک اُسے ہی کھا لیتے تھے میرے آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دیدیا کرو۔ مگر بدقت کبھی اس کے اصرار پر لیتے تھے۔ نہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۴) مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا (اسکے بعد مولانا محمد یعقوبؒ تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے اس قدر تھے کیا ان میں سے ظاہر ہوئے آخر سب کو خاک ہی میں ملا دیا۔ اپنا اپنا کر دکھایا۔ (انتہی بقول مولینا محمد یعقوبؒ)

حکایت (۲۸۵) مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اسکو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا۔ اور اس میں بھر کر پیا۔ تو پانی کڑوا پایا ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپ نے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی چکھا وہ بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے

سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمۂ طیب جس قدر جس سے ہو سکے پڑھو اور حضرت نے
بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور نہایت ہی
خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا مانگ کر ہاتھ مُنہ پر پھیر لئے۔ اسکے بعد بدھنا اُٹھا کر
پانی پیا تو شیریں تھا۔ اسوقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم
کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر
عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔

(از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۶) ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے
فرمایا کہ مولانا محمد قاسم رح کو گلاب سے زیادہ محبت تھی۔ جانتے بھی ہو کیوں
تھی۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرقِ مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا۔ ہاں
اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔ مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۷) مولوی محمد نظر خاں نے ایک پرچہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
کو بغرض بیعت لکھ کر دیا۔ مولانا نے اسکو پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔ اتفاق سے مولانا
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نانوتہ تشریف لائے۔ مولوی محمد نظر خاں خبر پا کر نانوتہ آئے
اور وہی مضمون لکھ کر مولانا گنگوہی کو پیش کیا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس مضمون
کو میں نے مولانا نانوتوی رح کو بھی لکھا۔ مگر کچھ جواب نہ دیا۔ جس وقت یہ تحریر دی ہے
تو مولانا اسوقت ظہر کا وضو کر رہے تھے۔ پاس ہی مولانا نانوتوی بھی وضو بنانے
آ بیٹھے۔ اتفاق سے مولوی محمد نظر خاں سامنے ہی کھڑے تھے۔ مولانا گنگوہی رح نے

مولانا نانوتوی کیطرف تبسم فرماکر مولوی محمد نظر خاں سے فرمایا کہ (ایسے گونگے پیر کو خط کیوں دیا تھا جنہوں نے جواب بھی نہ دیا) مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہنسے اور فرمایا کہ (لو اب بولتے پیر کے پاس آ گیا۔ اب جواب مل جائیگا)۔ از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی جلیل احمد صاحب علیگڈھی در اشرف التنبیہ

حکایت (۲۸۸) مولوی صدیق صاحب رح انبہٹوی کے صاحبزادے مولوی فاروق صاحب زاد مجدہم حضرت سے بیان فرما رہے تھے کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی (جو مولوی فاروق صاحب کے اُستاد تھے) مجھ سے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا قاسم صاحب رح جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے۔ اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اسکے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔

حکایت (۲۸۹) مولوی فاروق صاحب موصوف الصدر فرماتے تھے کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب مولانا محمد قاسم صاحب رح نے سُنا کہ مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی میرے اساتذہ تک کی شان میں کچھ کلمات فرماتے ہیں تو خود رامپور مولوی عبدالحق صاحب سے گفتگو کرنے تشریف لے گئے تو مولوی عبدالحق صاحب نے گفتگو کا موقعہ نہیں دیا۔ مگر اُن کے بعض طالب علم مولانا محمد قاسم صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ گفتگو کرنا چاہی۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ بھائی تم میری بات کو سمجھو گے نہیں۔ اور مولوی عبدالحق صاحب (میری بات) سمجھ تو لیں گے۔ جب مولوی عبدالحق صاحب نے سُنا تو ان طلبا کو ڈانٹا کہ تم کیا جانو مولنا

محمد قاسم صاحبؒ کیا چیز ہیں۔ میں جانتا ہوں۔

حکایت (۲۹۰) پھر مولانا احمد حسن صاحب نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ کی ایک جولاہے نے دعوت کی اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ خود اُس جولاہے کے یہاں تشریف لیگئے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اسلئے میں دعوت کا انتظام نہ کرسکا۔ مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا تمھارے یہاں کچھ پکا بھی ہے اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے۔ فرمایا کہ بس وہ ہی کھائیں گے۔ چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرماکر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی تمھاری دعوت ہوگئی۔

حکایت (۲۹۱) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولنا احمد حسن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں اول اول مولانا قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (مولنا احمد حسن صاحب نہایت خوش لباس خوش پوشاک تھے عالی خاندان تھے سید تھے) تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں ایک جولاہا آیا اور دعوت کیلئے عرض کیا مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا اتنا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی۔ کہ بھلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کرلی۔ مولانا قاسم صاحبؒ نے یہ بات محسوس کرلی۔ پھر جو کوئی دعوت کے لئے آتا تو پہلے یہ شرط کرتے کہ اسکی (یعنی مولنا احمد حسن صاحب کی) بھی دعوت کرو تو منظور ہے یہانتک کہ جب بالکل میرے قلب کے اندر سے ناگواری نکل گئی تو مولانا نے میری دعوت کی شرط کو ترک کردیا۔

حکایت (۲۹۲) نیز مولانا امروہی نے فرمایا چونکہ میں بہت خوش لباس تھا مولانا کے یہاں ایکبار ایک شخص گاڑھے کا تھان لایا جو نہایت عمدہ تھا مولانا نے قبول فرمالیا اور درزی کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں سے ایک انگرکھا ہمارے لئے سی دو اور ایک (میری طرف اشارہ کرکے) ان کے لئے سی دو۔ اسکے بعد جب وہ سل کر ہو کر آیا تو میں نے اسکو صندوق میں رکھ لیا۔ اب مولانا روز دریافت فرماتے کہ بھائی تم نے اس کو پہنا نہیں۔ آخر کار جب میں سمجھ گیا کہ مولانا نہیں مانینگے تو فوراً میں نے اسکو پہنا۔

حکایت (۲۹۳) مولوی احمد حسن صاحب امروہوی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہانپور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب بغیر کسی کے اطلاع کئے ہوئے بنفس نفیس شاہجہانپور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود الحسن صاحب نے سنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لیگئے۔ اس کے بعد میں گیا تو شاہجہانپور میں مولانا محمود الحسن صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا آگئے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں۔ مجھ کو تو ابھی نہیں ملے۔ تو میں نے کہا کہ اچھا چلو سرائے میں چلکر تلاش کریں۔ چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنے والے کا نام لکھا کرتا ہے اُس سے جاکر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص خورشید حسن[1] بھی آئے۔ اُس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔ چنانچہ ہمنے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو مولانا میدانِ مناظرہ میں تشریف لے چلے۔ راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا

---

[1] یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا ۱۲ منہ

پیدل تھے۔ تو مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اُتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا خیر مولانا نے پار اُتر کر لنگی باندھی۔ اور پاجامہ اتار کر نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا۔ اور تشریف لے چلے۔ خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے۔ اور جو پادری کہ وہاں پر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا ہو تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لے آتا۔ جب مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے تو اسوقت چونکہ شہر کے لوگوں کو اطلاع ہو چکی تھی۔ اس لئے بہت لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ دفتروں میں نوکر ہیں اس مجبوری سے ہم جناب کی تقریر کے سننے سے محروم رہے اسلئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اس سے مشرف فرمایا جاوے تو مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے (یعنی مولانا احمد حسن صاحب امروہی سے) فرمایا کہ مولوی احمد حسن تم سُنا دو۔ اب میں بہت حیران تھا اسلئے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سُنی بھی نہ تھی۔ مگر مولانا کا حکم۔ اسلئے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میں نے کہا کہ صاحبو! مولانا کی مثال دریا کیسی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی۔ جو بات سلجھی ہوئی کہوں اسکو مولانا کا مضمون سمجھا جائے اور جو الجھی ہوئی اس کو میری طرف سمجھا جائے۔ اس کے بعد میں نے تقریر بیان کی۔ مگر پھر مجکو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من وعن وہی تقریر تھی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمائی تھی۔

حکایت (۳۴۹) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب

مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو نوابزادے ریاست حیدرآباد کے آئے ہوئے تھے۔ تو مولانا قاسم صاحب رح کبھی کبھی اُن سے اپنے پیر دبوایا کرتے تھے۔ ایکبار فرمایا کہ مجھ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اُن سے پیر دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

(۲۶) قطب ربّانی جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کی حکایات

حکایت (۲۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں حاضر تھا اور جناب مولوی اشرف علی صاحب بھی اس زمانہ میں گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا۔ مگر مجھے اس کا علم نہ ہوا تھا۔ اسلئے میں اس میں شریک نہ ہوا تھا۔ اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھا رہا تھا اور آپ (یعنی خانصاحب) بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ اسپر حضرت قدس سرہٗ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ ایک عالم ربّانی وعظ کہہ رہا ہے اسکے وعظ میں جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۹۵) قولہ عالم ربّانی اقول ؎

دائے حق محبت عنایتے ست زدوست ٭ وگرنہ عاشق مسکین ہیچ خورسند۔ (اشت)

حکایت (۲۹۶) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا اور جناب مولوی اشرف علی صاحب بھی گنگوہ

تشریف لائے ہوئے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے کچھ پوچھتے ہوئے حضرت کے ساتھ حجرہ تک تشریف لیگئے اور سہ دری پر پہنچکر دونوں حضرات کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو ہوتی رہی۔ مولوی اشرف علی صاحب اس روز رخصت ہونے والے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا سے اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے مولود وغیرہ کے باب میں مکاتبت ہوئی تھی اور مجھے حضرت مولانا سے اُن کے مسلک سابق کی وجہ سے عقیدت نہ تھی جبکہ میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا حضرت مولانا کے ساتھ اس خصوصیت کا برتاؤ دیکھا تو میں نے حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ کیا مولوی اشرف علی صاحب اچھے ہوگئے تو آپنے فرمایا کہ ہاں اچھے ہو گئے۔ میں نے پھر پوچھا کہ کیا بالکل اچھے ہو گئے۔ آپنے تیز لہجہ میں فرمایا کہ بالکل اچھے ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۲۹۶) قولہ مکاتبت ہوئی تھی **اقول**۔ یہ مکاتبت تذکرۃ الرشید[ملہ] میں شائع ہوئی ہے اور میں نے اب اس کا نام ضیاء الافہام من علوم بعض الاعلام رکھدیا ہے تاکہ اگر کوئی استقلالاً شائع کرے تو اس عنوان سے پتہ دینے میں سہولت ہو۔ ملخص اس مکاتبت کا یہ ہے کہ احقر خاص اعمال کی ذات پر نظر کرکے بقید خلو عن المنکرات مباح کہتا تھا اور حضرتؒ ان کے مفاسد کی بنا پر (جو عادۃً کا للازم ہوگئے ہیں) باوجود خلو عن المنکرات کے بوجہ افضاء الی المفاسد کے منع فرماتے تھے اور اصول فقہیہ سے اسی کی ترجیح ثابت ہے اسلئے احقر نے اپنے دعویٰ سے رجوع کرلیا۔ رسالہ یاد یاران میں اسکی تقریر قدرے مفصل ہے۔

ملہ اور آج کل اس مکاتبت کو مع حضرت تھانوی کے چند مواعظ متعلق مولود کے ایک جگہ جمع کرکے بھی کا نام تلیج الصدور رکھدیا ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور سے ملتی ہے ۱۲

حکایت (۲۹۷) خاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ دیوبند سے واپسی میں سہارنپور سے رامپور تشریف لیجا رہے تھے (اور غالباً یہ وہ واقعہ تھا جس کے بعد حضرت پھر دیوبند نہیں تشریف لے جاسکے) اگلی گاڑی میں حضرت مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب تھے۔ اور پچھلی گاڑی میں میں اور مولوی مسعود احمد صاحب۔ حضرت نے گاڑی کے پیچھے کا پردہ اٹھا کر مجھ سے باتیں کرنی چاہیں۔ مگر چونکہ گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بات چیت مشکل تھی اس لئے میں اپنی گاڑی سے اتر کر اور حضرت کی گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر ساتھ ساتھ ہو لیا۔ حضرت نے فرمایا میاں امیر شاہ خاں ابتدا سے اور اسوقت تک جسقدر ضرر دین کو صوفیہ سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقے سے نہیں پہنچا۔ ان سے روایت کے ذریعے سے بھی دین کو ضرر پہنچا اور عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی۔ اسکے بعد اس کی قدرے تفصیل فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی مرتبۂ احسان حاصل ہو جاتا تھا جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب وغیرہ کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں۔ یہ انتہا ہے اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ قوت بفیض نبوی صحابہ میں بھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم۔ اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی۔ اور اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے۔ مگر جوں جوں خیر القرون کو بُعد ہوتا گیا انمیں مقصودیت

کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بیحد بدعات علمی و عملی و اعتقادی داخل ہو گئیں۔ محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہو گئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصلحین میں شیخ عبدالقادر جیلانی رح اور شیخ شہاب الدین سہروردی رح اور مجدد الف ثانی رح اور سید احمد صاحب قدست اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریق سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بھی وہی طریق منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریق سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز با جماعت وغیرہ۔ اگر کوئی سختی کیساتھ اُن کی پابندی کرے اور فرائض و واجبات و سنن مؤکدہ کا پورا اہتمام کرے۔ تو نہ خود اس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہو گیا۔ اور نہ دوسرے اُسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا۔ مثلاً چاشت۔ اشراق۔ صلوٰۃ اوابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بزرگ ہو گیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہو گیا۔ اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ نے بجائے اسکے استغراق کو مقصود بنا لیا۔

حاشیہ حکایت (۲۹۷) قولہ صوفیہ سے پہنچا ہے اقول مراد وہ لوگ ہیں جو صرف صوفی ہیں اور علوم دینیہ سے تحقیقاً یا تقلیداً اور اتباع محققین سے عاری ہیں۔ ورنہ صوفیہ جامعین سے تو بیحد نفع دین کو پہنچا ہے۔ چنانچہ قریب ہی آئندہ سطور میں ان کی شانِ صلاح اسی حکایت میں مذکور ہے۔ قولہ صحابہ نے عرض کیا۔ قول روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا السماء وان یجامعوا نساءهم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک ای قولہ تعالیٰ الا انهم یثنون صدورهم الآیہ) فیهم قولہ مگر صوفیہ نے بجائے اسکے الخ اقول وہی صوفیہ غیر محققین مراد ہیں۔ (شت)

حکایت (۲۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ، احمد رضا خاں مدت سے بیرارد کر رہا ہے۔ ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی تو سُنا دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت انمیں تو گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سُناؤ۔ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ حکایت (۲۹۸) قولہ ہم ہی رجوع کر لیں۔ اقول اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اسکے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں۔ قولہ۔ مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔ اقول هو کقول علی رض لا امحوک (شت)

حکایت (۲۹۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے آخری حج ۱۲۹۹ھ میں کیا ہے اور حج کو تشریف لیجاتے ہوئے مولانا نے دہلی میں احمد باپی کی ... میں قیام فرمایا تھا۔ اور اوپر بالاخانہ میں مقیم تھے۔ آپ کے پاس بہت سے لوگ مجتمع تھے۔ جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی بھی تھے۔ اُس بالاخانہ میں ...نی جانب ایک کوٹھڑی تھی جس میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا تھا مولوی اسمٰعیل صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ میں اب رخصت ہوتا ہوں مگر مجھے تنہا کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا ان کو ساتھ لے کر اس کوٹھڑی میں تشریف لے آئے جس میں ... موجود تھا۔ اور فرمایا کہ فرمائیے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تنہا میں عرض کرنا ہے اور یہاں یہ شخص (امیر شاہ) موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ ان کا خیال نہ کیجئے اور فرمائیے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میں بیعت تو ہوں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی ہے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباع سنت کا شوق تھا اور جو اوراد احادیث میں وارد ہوئے جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ اور بازار میں جاتے وقت یہ الی غیر ذلک۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا اسلئے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی۔ کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے۔ اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرما دیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں آپ کو مرتبۂ احسان حاصل ہے یا نہیں۔ انھوں نے

فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا پس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرتبۂ احسان حاصل ہو جانیکے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان و بوستان وغیرہ پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضییع اوقات ہے اسلئے آپ کے لئے اشغال مشائخ میں اشتغال تضییع اوقات اور معصیت ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۹۹) **قولہ** بس اب آپکو کسی تعلیم کی **اقول** یہ تحقیق اہل طریق کو حرز جان بنانے کے قابل ہے خصوص ان کو جو ذرائع کو مقاصد سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق تو اس شخص پر حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جن کو طریقت کی حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ (شت)

حکایت (۳۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے جو ۱۲۹۹ھ میں حج کیا ہے اس میں آپ کے ہمراہ یہ اشخاص تھے۔ امیر شاہ (یعنی خود خانصاحب) حافظ عطاء اللہ مرحوم۔ حاجی محمد یعقوب دہلوی۔ گھڑی ساز محمد عاشق مولوی مسعود صاحب کے پہلے سسر (جن کا نام مجھے یاد نہیں) منشی تجمل حسین صاحب انبہٹوی۔ (حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے) ہم سب لوگ ذیقعدہ کی کسی تاریخ میں بمبئی پہنچگئے تھے۔ لیکن جس جہاز کے ارادہ سے چلے تھے وہ جہاز ہم سے ایک روز پہلے چلا گیا تھا۔ دوسرا جہاز ریڈسی کھڑا تھا۔ مگر اس کے روانہ ہونے میں دیر تھی اس لئے ہمکو بمبئی میں گیارہ روز اور ٹھہرنا پڑا۔ اور ہم ۲۰ تاریخ کو جہاز ریڈسی میں سوار ہوئے ہمارے سوار ہونے کے بعد بھی وہ جہاز کھڑا ہی رہا نہ بیس کو چلا نہ اکیس کو نہ بائیس کو

اب لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اب حج نہیں مل سکتا۔ کیونکہ دن تھوڑے باقی ہیں اور ادھر اتنا لمبا رستہ قطع کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھ گیارہ شب کا قرنطینہ بھی کرنا ہے۔ اور یہ خیال کرکے لوگوں نے جہاز سے اترنا شروع کر دیا۔ جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ اُترنے لگے ہیں تو آپنے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ عزم حج فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا کیونکہ میں اپنے کو عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں دیکھ چکا ہوں۔ ہم نے اطلاع کر دی۔ اسپر کچھ لوگ تو رہ گئے اور کچھ پھر بھی اُتر گئے۔ حافظ.... بھی اس جہاز میں تھے اور انھوں نے بھی جہاز سے اُترنیکا ارادہ کیا تھا۔ مولانا کو چونکہ اُنؒ سے حسن ظن تھا اسلیئے مولانا نے حافظ عطاء اللہ سے اور مجھ سے کہا کہ حافظ.... کو سمجھاؤ کہ وہ ارادہ فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا ہمنے انھیں سمجھایا۔ اسپر وہ خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے اپنی عادت کے خلاف خود ان کو سمجھایا اور انھوں نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اُتروں گا۔ مگر باوجود اسکے بھی وہ اُتر گئے۔ مولانا کو جب ان کا اُترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپنے فرمایا کہ ناحق اُتر گئے۔ بس جی اُن کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ اسکے بعد حافظ.... ہر سال حج کا ارادہ کرتے تھے مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا تھا۔ اور تا انتقال ان کو حج میسر نہیں ہوا۔ ایک دفعہ تو یہانتک ہوا کہ تیاری پوری ہو گئی۔ یکہ بھی گھر پر آگیا۔ اور وہ سوار ہونے ہی کو تھے کہ یکایک ان کو خیال ہوا کہ ذرا دیر لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہونگے اور وہ لیٹ گئے۔ لیٹنے میں اُن کی کمر میں اتنا زور سے چنکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل نہ رہے۔ اب انھوں نے چنکا نکل جانے تک سفر کو ملتوی کیا اور اسکے بعد ارادہ ہی فسخ کر دیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ....

ہر سال ارادہ کرتے ہیں۔ مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا۔ تو میں نے ایک جلسہ میں مولانا سے عرض کیا کہ حضرت حافظ ..... ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا تھا کہ ان کی قسمت ہی میں حج نہیں ہے۔ آپ اُن کے لئے دُعا فرما دیجئے کہ ان کو حج مل جائے۔ جس جلسہ میں مَیں نے عرض کیا تھا اس میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب حافظ احمد صاحب مولوی خلیل احمد صاحب۔ مولانا محمود حسن صاحب۔ حافظ عطاء اللہ۔ نواب یوسف علی خاں وغیرہ موجود تھے۔ مگر مولانا نے دُعا نہیں فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ تمھارا خیال ہے۔ مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں نے پھر عرض کیا مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ یہ قصہ تو ختم ہوا۔

اب جہاز کی سُنئے۔ اللہ اللہ کر کے ہمارا جہاز ۳ ۲۔ کی عصر کو روانہ ہوا۔ جب عدن سے آگے پہنچا تو اس میں جسقدر ولایتی تھے سب تبر لیکر جہاز والوں پر چڑھ گئے اور کہا کہ اگر تم نے جہاز کا رُخ کامران کی طرف پھیرا تو ہم تمھیں مار ڈالینگے سیدھا جدہ لے چلو۔ جہاز والے ڈر گئے اور مجبوراً ان کو جہاز جدہ لیجانا پڑا۔ جب جہاز جدہ پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ مسافروں کو اُترنے کی اجازت نہ ہوگی اور جہاز کو قرنطینہ کے لئے کامران واپس کیا جاوے گا۔ اس خبر سے حاجیوں کو سخت پریشانی ہوئی۔ کہ اللہ اللہ کر کے تو ہمنے قرنطینہ کی قید سے نجات پائی تھی اب پھر وہیں جانا ہوگا۔ تھوڑی دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور انھوں نے کہا گودی کے افسر رشوت خوار ہیں اور وہ لینے کے لئے یہ حجت کر رہے ہیں تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انھیں دلا کر راضی کر لوں گا۔ جب یہ خبر مولانا تک پہنچی تو

آپ نے فرمایا یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے۔ ہم کو کامران واپس ہونا نہیں پڑے گا اور ہم یہیں اُتریںگے۔ لیکن آج نہیں اُتریںگے کل اُتریںگے۔ چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہو گیا کہ حاجیوں کو اُتر جانا چاہیئے اُن کا کوئی قصور نہیں۔ قصور جہاز والوں کا ہے اسلیئے اسکی سزا میں جہاز کو دونا قرنطینہ کرنا ہوگا۔ آپیر حاجی اُتر گئے اور ہم ۸۔ تاریخ کو مکہ پہنچ گئے۔ حاجی صاحب ہمکو شہر کے باہر کھڑے ہوئے ملے۔ سُنا ہے کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب اس جہاز میں نہ ہوتے تو کسی کو حج نہ ملتا۔ مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۰۰) قولہ مگر مولانا نے دعا نہیں فرمائی اقول یہ دعا مستحب تھی اس کے ترک کے لئے عدم استجابت کا مکشوف ہو جانا کافی ہے خصوص جب یہ بھی مکشوف ہو جاوے کہ جس کے لئے دعا کی درخواست ہے وہ اس عمل کا ارادہ ہی نہ کرے گا۔ (شت)

حکایت (۳۰۱) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے ایک شخص تھے جو ہاتھرس میں مطب کرتے تھے۔ نہایت صالح اور متبع سنت تھے کسی نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے۔ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ میں نے ایک مرتبہ ان کو کچھ دُبلا پایا تو اُن سے حالت دریافت کی انھوں نے فرمایا کہ میں چند روز سے سخت تکلیف میں ہوں۔ میرے اوپر بجلی گرتی ہے کبھی رات کو کبھی دن کو اور میں مرجاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرتا ہوں۔ اور اسکے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں۔ یہ بجلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہو جاتا ہوں۔ اُن کے پیر کا انتقال ہو چکا

اسلئے انھوں نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کو لکھو انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم لکھدو۔ میں نے کہا کہ آپ لکھ کر مجھے دیدیں میں اپنے عریضہ کے ساتھ اسے روانہ کردوں گا۔ انھوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی۔ میں نے اُسے مولانا کی خدمت میں روانہ کردیا۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں آنے کی نہیں ہیں ان کو میرے پاس بھیجدو۔ اسپر وہ گئے۔ اور جاتے ہی بلا کچھ کہے سنے اچھے ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۳۰۱) قولہ بلا کچھ کہے سُنے اچھے ہوگئے اقول اگر یہ کرامت تھا تو اسکے اخفا کے لئے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیسا کہ اس کے قبل کی حکایت میں اخفا ایک مذاق ہے۔ منشاء اخفا کا بعد ہے ریا سے اور منشاء عدم اخفاء کا بعد ہے وسوسۂ ریا سے یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہوا کہ اس میں ریا ہوگی ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست (شت)

حکایت (۳۰۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی اور اسپر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو کا میں نے جواب دیدیا ہے اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہونگے تو انشاء اللہ حق میری جانب ہوگا۔

حاشیہ حکایت (۳۰۲) قولہ سائے عالم اقول اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا رح کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے مولانا سے عقیدت رکھ کر کوئی اس کے خلاف کا قائل ہو وہ اس سے محجوج ہے (شت

(منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۰۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ تک شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اور اسوجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحب رح ہی سے ہوتا تھا۔ مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امداد رح ہی سے کرینگے۔

حاشیہ حکایت (۳۰۳) قولہ بیعت تو حضرت امداد ہی سے کرینگے الخ اقول۔ مدار اس کشش کا مناسبت ہے۔ اسکو تفاضل میں کچھ دخل نہیں حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف اور اسی باب میں کہا گیا ہے ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

اور ایسی ترجیحات کو تفاضل پر مبنی کرنا یا اس سے تفاضل پر استدلال رجم بالغیب ہے۔ (شت)

حکایت (۳۰۴) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں

تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے۔ حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہنکر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

حاشیہ حکایت (۳۰۴) افسوس ایسی جماعت کو معاندین بے ادب کہتے ہیں بلکہ اگر اسپر افراط فی الادب ہونے کا شبہ کیا جاتا تو گنجائش تھی جس کا جواب ہم غلبۂ حال سے دیتے اور ایسا غلبہ اخیر میں اعتدال سے مغلوب ہو جاتا ہی (شت)

حکایت (۳۰۵) حضرت والد ماجد حافظ مولانا محمد احمد صاحبؒ عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتویؒ کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے۔ اور مولانا کی طرف کو کروٹ لیکر اپنا ہاتھ اُن کے سینے پر رکھدیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔

حاشیہ حکایت (۳۰۵) اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی کیا اہلِ تصنع ایسا کر سکتے ہیں انپر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہو۔ اور مولانا گنگوہی کا یہ کمال تھا کہ رنگِ فنا خجلت پر غالب تھا۔ اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔

حکایت (۳۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے محمود (حضرت کے صاحبزادے) مرحوم کا صدمہ ضرور ہے مگر مولانا کی وفات کے صدمہ کا مقابلہ کوئی صدمہ نہیں کرسکتا۔ اور اس واقعہ کو حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا کہ حضرت گنگوہی نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو میں مولانا کے صدمہ کا تحمل نہ کرسکتا اور مرجاتا۔ اسپر مولوی محمد حسن صاحب مرادآبادی نے جرأت کرکے عرض کیا حضرت وہ بات کیا۔ فرمایا "میاں وہی" انھوں نے پھر ذرا جرأت کرکے عرض کیا کہ حضرت وہی اور وہ بات کا آخر مطلب کیا ہے۔ فرمایا کہ میاں وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو۔

حاشیہ حکایت (۳۰۶) اور میں نے بجائے اس عبارت کے کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو۔ کسی راوی سے یہ الفاظ سُنے ہیں کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ مراد نسبتِ باطنہ سے ہے کہ اس سے ایسی مقاومت کی قوت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حزنِ طبعی منافی کمال باطنی کے نہیں مگر ناقص کی طبیعت غالب ہوجاتی ہے اور کامل کی عقل اور دین (اشرف)

حکایت (۳۰۷) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا فرمائیے۔ تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرتِ امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہدوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ (اتنے[۵]) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۵] یاد نہیں رہا کہ کتنے سال خاں صاحب نے فرمائے ۱۲

میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہکر اور جوش ہوا فرمایا کہ اور کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔

حاشیہ حکایت (۳۰۷) بار بار استفسار فرمانا کہ کہدوں امتحانِ اشتیاق واہلیت مخاطب کیلئے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے ؎

بر سماع راست ہر تن چیز نیست ؛ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اسلئے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایکبار سوال کرنا اسلئے کہ طلب کے بعد حصول اوقع فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تخیل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرقِ عادت کے روح کا تمثل بشکل جسد ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کے ساتھ حاضر و ناظر ہونے کے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں۔ اور اسکے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبۂ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اسی مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اسوقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہل ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اسکی تعلیم ہے کہ یہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال ہیں و شتان ما بینہما اور اگر یہ اسکی تفسیر نہیں ہے تو اسکا اخفا فرمایا شاید افہامِ عامہ اسکے متحمل نہ ہوتے شاید تجلیاتِ ربّانیہ میں سے کوئی تجلّی ہو۔ اور اسکی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسا صوفیہ کے

ایسے اسرار میں اہل ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں (شت)

حکایت (۳۰۴) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے لاؤ شامی اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی حضرت اسوقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے انداز سے کتاب ایکدم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔

حاشیہ حکایت (۳۰۴) دہی مقام نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ بات کشف سے معلوم ہوتا ہے ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو۔ اور غلط سے مراد بے اصل ہے خطائے اجتہادی کی نفی مراد نہیں (شت)

حکایت (۳۰۵) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب لطف علی خاں رئیس چھتاری بیمار ہوئے اور مجھے مع ایک ہمراہی کے دعا کرانے کے لئے پہلے دیوبند بھیجا کہ حاجی عابد حسین سے دعائے صحت کراؤ اور پھر گنگوہ پہنچکر حضرت سے دعائے صحت کراؤ۔ میں دیوبند سے دعا کرا کر گنگوہ پہنچا۔ حضرت مجمع میں تشریف رکھتے تھے میں نے دعا کے لئے عرض کیا۔ اسپر حضرت نے ایک حکایت سنانی شروع فرمائی کہ کسی رئیس کو باجا سننے کا شوق تھا۔ ہر قسم کے باجہ بجانے والے آتے تھے۔ ایک دن جبکہ کئی قسم کے مختلف باجے بجائے جا رہے تھے ایک صاحب اپنی لاٹھی منہ میں لے کر ہو ہو

کرنے لگے۔ رئیس نے تمام باجے رُکوا کر کہا کہ اب بجاؤ۔ تو انھوں نے کہا حضور میرا باجا تو رنگڈے ہی میں بجا کرتا ہے۔ یہ حکایت سُنا کر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں کہیں کہیں رنگڈے میں یہاں بھی آنکلتے ہیں میرے پاس کیا رکھا ہے۔ پھر دوسرے وقت خلوت میں مولوی حبیب الرحمن صاحب سے فرمایا کہ مجھے تو انکی صحت کی طرف سے مایوسی ہے کیا کروں میرے دل میں تو اُن کی صحت آتی نہیں میں (حبیب الرحمن صاحب) واپس ہو گیا۔ یہانتک کہ شعبان آگیا اور مدارس کی تعطیل ہوگئی۔ نواب یوسف علیخاں صاحب نے مجھے پھر دوبارہ یہ کہکر روانہ کیا کہ دیوبند سے مولوی حافظ احمد صاحب کو ساتھ لو اور گنگوہ پہنچکر مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمن صاحب کو ساتھ لو۔ اور تم چاروں ملکر حضرت سے نہایت التجا کر کے یہ عرض کرو کہ حضرت ابو لطف علیخاں کے لئے ویسی ہی دعا کر دیجئے جیسی مکہ مکرمہ میں یوسف علی خاں کے لئے کی تھی۔ چنانچہ میں دیوبند سے مولوی احمد صاحب کو لیکر گنگوہ پہنچا اور تخلیہ میں مولوی مسعود احمد صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا اور خلوت کے منتظر رہے لیکن خلوت کا موقعہ نہ ملا۔ مُلّا شمس الدین اور مولوی ظہور الحسن صاحب حسبِ ارادہ آئے ہوئے تھے۔ اور تمام وقت صبح سے دس گیارہ بجے تک حجرہ میں رہے۔ اسی مجلس میں مَیں اور حافظ صاحب حجرہ میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت نے فرمایا خیر تو ہے کیوں آئے۔ ہمنے عرض کیا حضرت عرض کرینگے۔ ابھی تک خلوت کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ حضرت قضائے حاجت کیلئے اُٹھے اور واپس ہو کر حجرہ بند فرمایا تو پھر ملا شمس الدین اور ایک اور صاحب کواڑ کھول کر حجرہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت نے فرمایا کون! انکی جو شامت آئی بول پڑے کہ شمس الدین۔ جھڑک کر فرمایا کہ نکل جاؤ بس! نکا نکلنا

تھا کہ خلوت ہوگئی۔ فوراً مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بلا لئے گئے اور ہم سب نے ملکر ایک تمہید اٹھائی کہ حضرت لطف علیخاں ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ اور مدرسہ دیوبند کے اس قدر بہی خواہ ہیں حضرت اُن کیلئے دعائے صحت فرمائیں فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرے دلمیں تو ان کی صحت آتی نہیں پھر ہم لوگوں نے اصرار کیا حضرت نے پھر یہی فرمایا آخرکار مولوی مسعود احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بس یوں فرمادیں کہ اچھے ہوجائینگے۔ فرمایا کہ بھائی ایک تو ایسا کہنا ہوتا ہے جیسا میں نے ابھی مدرسہ کی نسبت کہا تھا اور ایک کہلوائے سے کہنا انھوں نے عرض کیا نہیں حضرت بس یہ جملہ فرما ہی دیں۔ فرمایا کہ اچھا بھائی تم کہتے ہو میں کہتا ہوں کہ انشاء اللہ اچھے ہو جائیں گے۔ تیسرے ہی دن گنگوہ خط پہنچا کہ لطف علیخاں اچھے ہوگئے اور اگلے دن اطلاع آگئی کہ انتقال ہوگیا۔

حاشیہ حکایت (۳۰۹) قولہ لوگ آتے ہیں کہیں کہیں الخ۔ یہ دوسری جگہ جانے پر نکیر نہیں بلکہ دعوی اخلاص پر نکیر ہے **قولہ** مجھے تو مایوسی ہے الخ دعا سے انکار نہیں بلکہ الحاح فی الدعا سے ایک مانع طبعی کا بیان ہے **قولہ** نکل جاؤ الخ یہ تیزی پر زجر و سیاست منجملہ آداب طریق ہے **قولہ** جیسا میں نے ابھی مدرسہ دیوبند کے متعلق کہا تھا الخ یہ ظہور تھا شان عمری ماکنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر کا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ عن علی) (کذا فی المشکوۃ) قولہ انشاء اللہ تعالیٰ اچھے

۵ھ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مجلس میں مدرسہ دیوبند کی مخالفتوں اور اس کے مخالفوں کا تذکرہ اٹھایا اور اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ان ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا جو دیوبند میں مدرسہ کے خلاف کی جارہی تھیں، حضرت سنتے رہے سنتے رہے آخر میں اکدم تکیہ سے کمر اٹھا کر سیدھے ہو بیٹھے اور انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا۔ کچھ نہیں ہوگا۔

ہو جائیں گے الخ اس میں ظہور ہے لو اقسم علی اللہ لابرہ کا کہ تھوڑی دیر کیلئے اچھے ہو گئے، پھر اصلی وارد کا ظہور ہوا کہ انتقال کر گئے۔ (شت)

حکایت (۳۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مکاشفات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تحت التکوین اس میں کافر و مسلم برابر ہیں ایک لوح محفوظ سے وہ خالص مسلمین کیلئے ہے۔ مگر اس کے لئے ہے یمحو اللہ مایشاء و یثبت وعندہٗ ام الکتاب اور ایک خالص علم اللہ سے یہ مخصوص انبیاء علیہم السّلام کیلئے ہے۔ پہلے دو میں کشفی غلطی کا احتمال ہے مگر ثالث میں امکان نہیں کیونکہ پہلے دو میں زمان و مکان کی تعیین تخمین سے ہو سکتی ہے مگر علم الٰہی میں ماضی و حال اور استقبال برابر ہیں۔ اسلئے انبیاء علیہم السّلام کے علوم غلطی سے پاک ہیں۔

حاشیہ حکایت (۳۱۰) یہ تحقیق ان روایات سے متاید ہے فی الدر المنثور اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ قال ان للہ لوحا محفوظا مسیرۃ خمسمائۃ عام من درۃ بیضاء لہ دفتان من یاقوت والدفتان لوحان للہ کل یوم ثلاث وستون لحظۃ یمحو ما یشاء و یثبت وعندہٗ ام الکتاب فیہ اخرج عبد الرزاق وابن جریر عن سیار عن ابن عباسؓ انہ سال کعبا عن ام الکتاب فقال علم اللہ ما ھو خالق وما خلقہ عاملون فقال لعلمہ کن کتابا فکان کتابا وفیہ اخرج ابن ابی شیبۃ وابن المنذر وابن ابی حاتم عن عکرمۃؓ ام الکتاب قال اصل الکتاب (تفسیر سورۃ رعد) التائید ظاھر من تفسیر ام الکتاب بمعنی اصل الکتاب بعلمہ تعالٰی الذی لا یغیر ولا یبدل ومن وقوع المحو والاثبات فی اللوح و

اما قولہ فقال لعلمہ کن کتابا فکان کتابا ام المراد بہ الجزء الخاص من اللوح الذی لا یغیر ولا یبدل وفی الآیۃ اقوال اخرے ومقصودنا الدلالۃ علی قول مولانا بالرؤیات ۔ (شت) (منقول روایات الطیب)

حکایت (۱۱ ۳) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ کے ایک استاد سے نقل فرماتے تھے جس شخص کو دنیا کا بنانا ہو اور دین سے کھونا ہو اسکو طبیبوں کے سپرد کردے ۔ اور جسکو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے کھونا ہو اسکو صوفیہ کے سپرد کردے ۔ اور جسکو دونوں سے کھونا ہو اسکو شاعروں کے سپرد کردے ۔ اسپر میں نے (یعنی حضرت مرشدی حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہ العالی) عرض کیا کہ حضرت جسکو دونوں کا بنانا ہو ۔ تو فرمایا کہ یہ ناممکن ہے ۔ (قال العارف الرومی) ؎

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں ٭ ایں خیال است ومحال است وجنوں (جامع)

حکایت (۱۲ ۳) فرمایا کہ مولانا صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کسی گرو کے پاس گیا ۔ گرو نے پوچھا کیسے آئے ہو ۔ کہا چیلہ بننے آیا ہوں گرُو نے کہا کہ چیلہ بننا بہت مشکل ہے ۔ اس نے کہا تو گرو ہی بنا دو ۔

حکایت (۱۳ ۳) فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر بکثرت ہوتا تو فرماتے کہ جب تم آجاتے ہو تو قلب زندہ ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ جب میں پہنچتا تھا تو اکثر حاجی صاحبؒ کا تذکرہ آجاتا تھا ۔ اور حضرت جانتے تھے کہ اس (یعنی مرشدی مدظلہم) نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی ہے ۔ یہ حضرت کے حالات سے مسرور ہوگا ۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا شخص جو امامِ وقت ہو وہ ایک ایسی

تھوڑے لکھے پڑھے بزرگ (یعنی قطب عالم حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ) کا ایسا معتقد ہو جائے۔

حکایت (۳۱۴) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولینا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پہ انتظام اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لا اُبالی، کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اسوقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپکے ہمراہ حج کو چلیں گے۔ آپنے فرمایا کہ زادراہ بھی ہے۔ انھوں نے کہا ایسے ہی توکل پر چلیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم منیجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھدینا۔ بڑے آئے توکل کرنے جاؤ اپنا کام کرو۔ پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تو آپنے اجازت دیدی۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگرست

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں کو دیدیتے۔ اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دیدیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھئے تو فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔ اسی سفر میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ صبح سے شام تک پھرتے ہی ہو کچھ فکر بھی ہے تو فرمایا کہ حضرت آپکے ہوتے ہوئے مجھے کیا فکر ہے۔

حکایت (۳۱۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی ذاکر نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذکر کے وقت نیند آتی ہے۔ فرمایا تکیہ رکھکر سو جایا کرو ذکر پھر کر لیا کرو۔ نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں۔

حکایت (۳۱۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں دیوبند پڑہتا تھا وہاں ایک سیّاح

ولایتی صاحب آئے وہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی
اجازت لیکر منبر پر پہنچ گئے۔ خطبہ شروع کیا۔ چونکہ ربیع الاول کا زمانہ تھا خطبہ کے
اندر مولود شریف شروع کردیا اور خطبہ نہایت طویل کہ ختم ہونے ہی پر نہ آوے۔ لوگ
پریشان ہو گئے۔ حضرت مولنا گنگوہیؒ بھی اتفاقاً تشریف فرما تھے۔ چونکہ مولنا
کو حق تعالیٰ نے ہمیشہ سے اظہار حق کی شان دی تھی۔ ان مولوی صاحب سے فرمایا
کہ مولانا خطبہ ختم کیجئے۔ وہ بولے چُپ رہو خطبہ میں بولنا حرام ہے (وہ پہچانتا
نہ تھا) مولنا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حرام و حلال کیا لئے پھرتے ہو تم اس قابل ہو
کہ منبر سے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اُتار دیا جاوے۔ پھر اُس نے بھی جواب دیا۔ چُپ رہو
مگر اس نے جلدی ہی خطبہ ختم کر دیا۔ خطبہ کے بعد لوگوں نے کہا کہ ہم اسکے پیچھے
نماز نہ پڑھینگے۔ نہ معلوم یہ کون بلا ہے۔ مولنا گنگوہیؒ سے امامت کے لئے
عرض کیا۔ مگر مولنا نماز پڑھانے کھڑے نہ ہوئے (تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ
اپنی امامت کے لئے کہا تھا) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔ مولنا گنگوہی
نے یہ دانشمندی کی کہ نماز کے بعد فوراً جوتہ اٹھا کر چلدیئے۔ اِن ولایتی صاحب نے
نماز کے بعد کہا کہ بُلاؤ اس وہابی کو جو خطبہ میں بولتا تھا اور بہت دیر تک بکتا رہا حضرت
مولانا محمد یعقوبؒ نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو غصہ بھی بہت آیا۔ لیکن تحمل کیا۔ ہمارے
حضرت نے فرمایا کہ ہماری جماعت کے حضرات فتنہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔
مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں موجود ہوا تو فساد ہو جائیگا
کیونکہ لوگ میری حمایت کرینگے۔ اسلئے دفع الوقتی فرما گئے۔ اور اب یہ حالت ہے کہ
فتنہ و فساد کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ خطبہ کی طوالت پر فرمایا کہ فقہ کی بات یہ ہے کہ

خطبہ کو خفیف کرے اور نماز کو طویل یعنی بہ نسبت خطبہ کے طویل کرے۔

حکایت (۳۱۷) فرمایا کہ مولٰنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اس جگہ (خانقاہ امدادیہ شریفیہ) سے بڑی محبت تھی۔ جب بینائی جاتی رہی ہے تو فرماتے تھے کہ اگر آنکھیں ہوتیں تو اس جگہ کو اب دیکھتا (کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہاں بود و باش رہی ہے سو جسے حضرت کو بڑا تعلق تھا۔

درمنزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد ٭ باخاک آستانش داریم مرحبائی

حکایت (۳۱۸) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی کو اطلاع کی کہ حضرت یہاں مدرسہ کی سی صورت ہوگئی ہے۔ دعا فرما دیجئے گا۔ مولٰنا نے تحریر فرمایا کہ اچھا ہے بھائی۔ مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنیوالے جمع ہوجاوینگے (جامع کہتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت کی خواہش باحسن الوجوہ پوری ہوگئی) ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ٭ مے دہد یزداں مراد متقیں

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حکایت (۳۱۹) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپی بیمار تھیں۔ آپ ان کی تیمارداری میں تھے۔ جس طبیب کے یہاں آپ تشریف لے جاتے تھے وہ بہت نخرے کرتا تھا۔ مولانا کو غصہ آگیا اور طب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا اور اچھے طبیب ہوگئے۔ جب مولوی مسعود احمد صاحب طب پڑھکر تشریف لائے ہیں تب آپنے اس کام کو چھوڑ دیا۔ کہ بھائی اب مسعود آگئے انسے رجوع کرو۔

حکایت (۳۲۰) فرمایا کہ ایک ڈپٹی صاحب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے

پاس حاضر ہوئے۔ مولانا معمولی گفتگو کر کے درس میں مشغول ہو گئے۔ ان کو اسپر رنج ہوا اور دوسروں سے شکایت کی کہ بڑے بُرے اخلاق ہیں (اسپر ہمارے حضرت نے تبسّم سے فرمایا کہ الحمد للہ مولانا کی یہ سُنّت مجکو بھی نصیب ہے اور میں بھی اسطرح بدنام ہوں) سُنا ہے کہ سال کے ختم یا شروع پر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ خطابات تقسیم ہوتے ہیں۔ تو مولانا کے لئے بھی شمس العلماء کا خطاب تجویز ہوا تھا۔ اس میں ان ڈپٹی صاحب سے بھی پوچھا گیا۔ چونکہ یہ حاکم پرگنہ تھے تو انھوں نے مخالفت کی کہ مناسب نہیں ہے۔ اسپر ڈپٹی صاحب نے خوش ہو کر مولانا کے آدمیوں سے فرمایا کہ ہم سے مولانا اچھی طرح نہ ملے ہم نے بھی خطاب نہ ملنے دیا۔ مولانا نے سُنا تو فرمایا کہ بھائی میں تو اُن کا بڑا ممنون ہوں کہ مجھے اس بلا سے نجات دی ہیں تو دعا کرتا ہوں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جب سُنا ہو گا تو بڑا کُڑھا ہو گا۔ کہ یہ کام کیا تو تھا رنج کے لئے مگر ہو گئی خوشی۔ جیسے سلیمان دارانی رحؒ نے فرمایا ہے کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو خوش ہو کیونکہ شیطان دشمن ہے۔ جب تم وسوسے سے خوش ہو گے اور وہ تمھاری خوشی چاہتا نہیں وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔

حکایت (۳۲۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر آجکل کے نوجوان مولوی اعتراض کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حالانکہ امامِ وقت تھے مگر کبھی آپکی زبان سے اعتراض نہیں نکلا۔ اور اعتراض تو کیسا مولانا تو بالکل عاشقِ فانی تھے۔ ایک دفعہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ مولوی صادق الیقین صاحب سے فرماتے تھے کہ فلاں صاحب نے کیسی بُری بات کہی کہ حضرت تو بدعتوں میں مبتلا ہیں۔ ہماری نسبت تو قطع ہو گئی۔ دیکھو کیسی رنج کی بات ہے بھلا ان باتوں سے نسبت قطع ہوتی ہے

علا حضرت حاجی صاحب بدعتی ہیں۔

حکایت (۳۲۲) فرمایا کہ جب مولوی صادق الیقین حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی (دیکھئے اِن بزرگوں کو نورِ باطن تو ہوتا ہی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نور ظاہر بھی اسقدر عطا فرماتے ہیں کہ جس کی انتہا نہیں) کہ میاں مولوی صادق الیقین جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آئیو۔ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجیو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا کہ وہاں جا کر حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھو گے اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے۔ چنانچہ انھوں نے مسلک مولانا کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جان نثار تھے۔ مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین و آسمان کا فرق ہے کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام کو ایک حرام کہتے ہیں ایک فرض کہتے ہیں۔ اس میں بھی تو کوئی تطبیق نہیں ہو سکتی۔ پھر ہم دونوں کو حق پر مانتے ہیں اور تقلید کرتے ہیں ایسے ہی یہاں سمجھو۔

حکایت (۳۲۳) فرمایا کہ مولنا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ کے قطب الدین ایک صاحبزادے تھے۔ ان کی شادی لکھنؤ ہوئی تھی اور ولیمہ نانوتہ میں ہوا تھا۔ مولنا نے بڑی خوشی میں ولیمہ کیا تھا اور اس میں پلاؤ زردہ بہت اچھا پکوایا تھا۔ کھانے میں بڑی دیر ہوگئی تھی جمعہ کا دن تھا۔ گاؤں والے بھی جمعہ میں آئے تھے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ پہلے ان گاؤں کے آدمیوں کو کھلا دو۔ کیونکہ ان کو دور جانا ہے۔ گھر کے آدمی پھر

کھائیں گے۔ جب ان کو کھانے بٹھایا تو چاروں طرف سے زردہ کی مانگ ہونے لگی
مولانا پریشان ہوئے۔ کیونکہ زردہ بہ نسبت پلاؤ کے تھوڑا پکتا ہے۔ مولٰنا
رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسکی خبر ہوئی تو مولانا فوراً تشریف
لائے اور مجمع میں آکر فرمانے لگے۔ کہ یہ پلاؤ بھی کھانے ہی کے واسطے پکا ہے اور زردہ
اندازہ سے پکا ہے۔ اور کھلانے والوں کو حکم دیا کہ اب پلاؤ دو زردہ نہ دو۔ بس سب دم
بخود ہو گئے پھر کسی نے نہ مانگا اور کام حسن وخوبی کے ساتھ انجام کو پہنچ گیا۔ ہمارے
حضرت نے فرمایا کہ مولانا کے اندر شانِ انتظام بڑی تھی کسی کے کہنے کی پرواہ نہ کرتے
تھے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ متشدد کہتے تھے ہنس کر فرمایا اور الحمد للہ اب یہ میراث
مجھے ملی ہے۔

حکایت (۳۴۴) فرمایا کہ ہمارے حضرت خلوتِ عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے
اس سے شہرت ہوتی ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولٰنا
خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح نے بھی کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ البتہ مولانا
رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پر بہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اس کا غلبہ تھا۔
(اور یہ اثر ان کے پہلے پیر کا تھا) باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول
تھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھوڑی سی دیر حجرہ بند کر کے اسمیں بیٹھتے
تھے۔ ایک دفعہ میں نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے
کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے
ایسا کیا نہیں۔ اس سے شہرت ہوتی ہے۔

حکایت (۳۴۵) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص نے

یدہ عبا بھیجی۔ آپ نہ ہنسے نہ تحقیر کی۔ بلکہ اسکو رفو کراکر نماز جمعہ اسی سے پڑھی
سے ہی مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے ایک ٹوپی چھینٹ
جسپر شالباف کی گوٹ اور گوٹہ لگا ہوا تھا بھیجی۔ آپنے اس لانے والیکے سامنے
اوڑھ لی۔ کہ مہدی سنکر خوش ہو گا۔

کایت (۳۲۶) فرمایا کہ ایکمرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
ے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے تم چلتے ہو۔ مولانا نے صاف
کار کر دیا کہ نہیں حضرت میں تو نہیں جا سکتا۔ میں تو ہندوستان میں اسکو منع کرتا ہوں
ضرت نے فرمایا جزاک اللہ۔ میں اتنا تمہارے جانے سے خوش نہ ہوتا جتنا نہ جانے
ے خوش ہوا۔

کایت (۳۲۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ
محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت تعریف فرما رہے تھے۔ بعد میں فرمایا مگر جو
ت اس شخص (میں یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ) میں تھی وہ کسی میں نہ تھی۔
لانکہ گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دے رہے ہیں۔
مقولہ خود حضرت مولانا گنگوہی سے سُنا ہے۔

کایت (۳۲۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسقدر ذکی الحس
ھے کہ ایکمرتبہ جب آپ مسجد میں عشاء کی نماز کو تشریف لائے تو فرمایا آج کسی نے
مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے مغرب کے
بعد جلائی تھی جس کا اثر مولانا کو عشاء کے وقت محسوس ہوا۔ اور آپکے یہاں عشاء
کی نماز قریب ثلث شب کے وقت ہوتی تھی۔

حکایت (۳۲۹) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایکمرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلبا رکتابیں لے لیکر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلبا رکی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔

حکایت (۳۳۰) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا عبدالرحیم صاحب نے یا انکی موجودگی میں کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ تسخیر کا عمل جانتے ہیں۔ فرمایا ہاں جبھی تو میرے یہاں مولانا عبدالرحیم صاحب جیسے لوگ آتے ہیں۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب

حکایت (۳۳۱) احقر جامع نے مکرمی مولانا مولوی احمد شاہ حسن پوری مدظلہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے مکرمی حکیم مولوی محمد یوسف صاحب گنگوہی نے بیان کیا کہ پیران کلیر میں میں نے ایک درویش صاحب کا یہ طرز دیکھا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار کے اندر نہیں جاتے تھے۔ بلکہ مزار کے قریب دروازہ سے باہر کھڑے ہو کر کچھ رویا کرتے تھے۔ یہ درویش حکیم محمد یوسف صاحب سے ملنے گنگوہ آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ہم ان کو ظہر کے وقت مسجد خانقاہ قطب عالم شیخ عبدالقدوس قدس اللہ سرہ العزیز میں لے گئے۔ وہ بزرگ درویش بعد نماز ظہر حسب عادت مزار شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر کچھ دیر تک رو کر واپس آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے ہم کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت اقدس محبوب الٰہی مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے چلیں اور ظاہر نہ کریں کہ مولانا کے مزار پر لیجاتے ہیں

حکیم صاحب نے ان درویش سے یہ فرمایا کہ جنگل کی طرف تشریف لیچلئے۔ درویش صاحب نے فرمایا بہت بہتر حکیم صاحب موصوف گنگوہ سے غرب کی جانب جنگل کو لیچلے۔ اور راستہ سے شمال کی جانب جو ایک مسجد حضرت اقدس مولنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب بنی ہوئی ہے۔ اسطرف کو لیچلے۔ فرش مسجد کے شمالی کنارہ پر جسوقت یہ درویش پہنچے نہایت زور سے اس درویش نے چیخ ماری اور کھڑے ہو کر شدّت سے روتے رہے۔ اس میں عصر کا وقت آگیا اور حکیم صاحب نے عصر کی اذان پڑھی۔ اذان کے بعد بھی وہ درویش کھڑے ہو کر روتے رہے۔ جب حکیم صاحب نماز کے واسطے کھڑے ہوئے تب وہ درویش تکبیر کے وقت نماز میں شریک ہوئے۔ نماز کے بعد جب درویش صاحب واپس ہوئے تو حکیم صاحب سے فرمایا کہ ایسا نہیں کیا کرتے ہیں جیسا آپنے میرے ساتھ کیا۔ بعض وقت ایسے موقع پر جان نکل جاتی ہے۔ انسان کو جب کسی بزرگ کے مزار کی خبر ہو جاتی ہے تو کچھ سنبھل کر جاتا ہے۔ یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے کہ حضرت ممدوح نے شریعت کے پردہ میں اپنی نسبت عالیہ کا اخفا فرمایا تھا۔

حکایت (۳۳۲) مولوی محمد قاسم فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اسکو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپنے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپنے فرمایا اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمۂ طیب جسقدر جس سے ہو سکے پڑھو۔ اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔

بعد میں حضرت نے دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا
مانگ کر ہاتھ مُنہ پر پھیر لئے۔ اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اسوقت
مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا
کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جسپر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے
عذاب رفع ہو گیا (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۳) ایکمرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حدیث کے
درس میں اہل جنت کا ذکر آیا کہ مرد سبزہ آغاز بے ریش ہونگے۔ تو ایک طالب علم نے
عرض کیا کہ حضرت مرد کے چہرہ کی زیبائش تو داڑھی سے ہے۔ یہ حسن جنتیوں کے لئے
کیوں تجویز ہوا۔ بیساختہ آپنے مسکرا کر جواب دیا کہ اس کا مزہ ان سے پوچھو جو داڑھی
منڈاتے ہیں۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۴) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بہت متبع سنت تھے
ایکمرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا
سنت ہے۔ دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اسکا
اندازہ کیا۔ جب مولنا مسجد سے نکلنے لگے تو آپنے پہلے بایاں پاؤں نکالکر کھڑاؤں پر رکھا۔
جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھونٹی انگوٹھے میں ڈالی۔ اسکے بعد بایاں پاؤں
میں کھڑاؤں پہنی۔ سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۵) مولنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں تو حاجی
صاحب کے دردنامہ میں ایک شعر پسند آیا ہے ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا ؎ تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا

(از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۶) مولٰنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۷) مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا انکے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کیخدمت میں گئے حضرت مولٰنا نے وطن دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا دیوبند۔ مولٰنا نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب ترکیوں نہ گئے اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی ہے مولٰنا نے ارشاد فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمھاری مشکلکشائی حضرت مولانا رشید احمدؒ ہی کی دعا پر موقوف ہے میں اور تمام زمین کے اولیا بھی اگر دعا کرینگے تو نفع نہ ہوگا۔ چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولٰنا نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ کیا بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ قصوروار اللہ کے ہیں، اللہ سے توبہ کریں، بندہ بھی دعا کریگا۔ چنانچہ ادھر انھوں نے توبہ کی ادھر مطالبہ سے برات کا کمشنر صاحب کے پاس حکم آگیا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۸) ایکمرتبہ مولوی یحیٰی صاحبؒ کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی تو حضرت مولٰنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے (کیونکہ اگر مولوی یحیٰی ذرا دیر کو بھی مولٰنا سے الگ ہوتے تو بار بار یاد فرماتے تھے) جب مولوی یحیٰی

صاحب آئے تو مولانا نے فرمایا ؎

مت آئیو او وعدہ فراموش تو اب بھی ٭ جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

(منقول از اشرف التنبیہ) (از تحریرات بعض ثقات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۳۳۹) ایکبار (حضرت امام ربانی مولنا رشید احمد صاحب گنگوہی نے) فرمایا کہ شیخ عبد القدوسؒ عشاء سے تہجد تک ذکر جہر کیا کرتے تھے آخر اسقدر غلبہ ہوگیا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ ان کا نام دریافت فرماتے تھے وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض کرنے نہ پاتے تھے کہ شیخ پھر مستغرق ہوجاتے تھے۔ اسی طرح کئی کئی بار سوال جواب کے بعد نوبت کلام کی یہاں پہنچتی تھی۔

حکایت (۳۴۰) ایک روز فرمایا۔ گنگوہ کے لوگوں نے حضرت شیخ عبد القدوس کی خدمت میں بمقام شاہ آباد ضلع انبالہ ایک عریضہ اس مضمون کا بھیجا کہ شاہی عامل گنگوہ میں بغرض بندوبست اراضی آیا ہوا ہے حضور تشریف لاکر اپنی اراضی جو ڈ کے قریب ہے اپنے نام درج کرالیں۔ حضرت شیخ نے اس کا جواب لکھا "بندگان را از خلق خدا چہ کار"

حکایت (۳۴۱) ایک روز فرمایا کہ شاہ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لیگئے۔ شاہ نظام رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال

ف حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے قلب کو اول میں ذکر جہر سے جو زیادہ دھنا ہے تو مجھ کو مہلت نہیں دیتا ۱۲ منہ قدس سرہ

ؤ اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے۔ وہاں پہونچکر صاحبزادہ صاحب
نے خوب خوب خاطر یں کیں۔ ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے
ن کو مسند پر بٹھاتے خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعید نے اجازت
ہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور
ر پیش کیں۔ اسوقت شاہ ابوسعید نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے
ورت نہیں ہے نہ اس کے لئے میں یہاں آیا مجھے تو وہ دولت چاہیئے جو آپ ہمارے
ں سے لیکر آئے ہیں" بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آنکھ
ں گئے اور جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جا کر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی فکر رکھو
ض یہ طویلہ میں آئے۔ شکاری کتے ان کی تحویل میں دیدیئے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں
ر صاف ستھرا رکھیں۔ کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار
تے اور یہ کتوں کی زنجیر تھامکر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں
ہتا ہے اسکو دو روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو۔ اگر شاہ ابوسعید صاحب
ب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا
کم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد ایکروز
ضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لیجائے تو اس دیوانے کے
س سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے
یسا ہی کیا پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر پڑی۔ شاہ ابوسعید کا چہرہ غصہ
ے لال ہو گیا۔ تیوری چڑھا کر بولے "نہ ہوا گنگوہ ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا۔ غیر ملک ہے
خ کے گھر کی بھنگن ہے۔ اسلئے کچھ کر نہیں سکتا" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا

حضرت نے فرمایا" ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی" پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابوسعید پر ڈالکر جواب سُنے کہ کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی۔ اس مرتبہ شاہ ابوسعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اسکو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا" ابھی کچھ بو باقی ہے" پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ" اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ٹوکرہ سر پر پھینک ہی دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں"۔ چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ مگر اب شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا اسلئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے" مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی" یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرہ میں ڈالنی شروع کی کہ لاؤ میں بھر دوں" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آکر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈالدی۔ شیخ نے فرمایا" بس اب کام ہو گیا" اُسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلینگے کُتّوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید کتوں کی زنجیر تھامے پا بہ رکاب ہمراہ ہولئے کتے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا۔ اور ابوسعید بیچارے سوکھے بدن کمزور اسلئے کتے ان کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ بہتیرا کھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے آخر انھوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کتے اسپر لپکے۔ اب شاہ ابوسعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کے کھینچے کھینچے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں

کنکر چبھی بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انھوں نے اُف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہونگے اور فرمائینگے حکم کی تعمیل نہ کی کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہو لیا۔ اُسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں "نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی" صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا۔ اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا۔ تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجاز حقیقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

حکایت (۳۴۲) ایکروز فرمایا کہ یہ جبہ جو سجادہ صاحب کے یہاں رکھا ہوا ہے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے پچاس سال تک زیب تن رکھا ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں .... عرض کیا کہ فقیری کچھ پرانے کپڑے پر نہیں ہے کہ آپ اسپر پیوند پر پیوند لگاتے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا بخدا مجھے حلال کمائی کا کوئی کپڑا دستیاب نہیں ہوتا جسکو پہنوں اور اسے اُتاروں۔ آخر آپکے چند خدام حضرت جلال تھانیسری وغیرہ نے مزدوری کر کے چوبیس ٹکے اکٹھے کئے اور اس کا کپڑا مول لیا جس میں سے ایک پاجامہ اور ایک کُرتہ بنایا ان کو شیخ نے پہن لیا۔ پھر جب یہ پُرانے ہو گئے تو اُن پر پیوند پر پیوند لگانے شروع کر دیئے۔ پھر بعد میں کوئی کپڑا نہیں بنایا۔

حکایت (۳۴۳) ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ الحمد للہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ ہیں شاید

متقدمین میں بھی ایسا مجاہدہ کرنے والا کوئی نہ ہوا ہو۔ چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں اسی پر گذارا ہے۔ اسکے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے "۔

حکایت (۳۴۴) ایکبار ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر فاقہ پر فاقے اٹھائے ہیں۔ صاحبزادے بھوک کے مارے بلکتے چیختے اور روتے تھے ان کی والدہ بہلانے کے واسطے چولہے پر خالی ہانڈی چڑھا دیتیں اور جب بچے بھوک سے بیتاب ہو کر کھانے کا تقاضا کرتے تو ان کو چمکارتیں اور تسلی دیکر فرماتی تھیں دیکھو چولھے پر کیا چڑھا ہوا ہے گھبرائے کیوں جاتے ہو۔ جب تمھارے والد آئینگے ان کے ساتھ کھانا کھائیو۔ بچے روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مچلتے ہوئے کہتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر چل کر کھانا کھلاؤ۔ حضرت ان کے ہمراہ گھر میں تشریف لاتے اور بیٹھ کر خود بھی ان کے ساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میرے گناہوں کے باعث ان معصوم بچوں پر بھی مصیبت آئی یہی قصہ دن میں دو چار دفعہ ہوتا تھا۔

حکایت (۳۴۵) ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے۔ سو جس کا ذکر اتنا لمبا ہو اس کا حال کتنا لمبا ہوگا۔

حکایت (۳۴۶) ایکبار آپنے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے لوگوں نے فاقے اُٹھائے مگر الحمد للہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

---

(۲۷) اُستاذ العلماء جناب مولٰنا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۳۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائیگا ہم اس جگہ کو آباد کر دینگے میں اسلئے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جاویں۔ خانصاحب نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی بھی موجود تھے اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس مقام کے آباد ہونے کی کیفیت مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں دربار ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۴۷) **قولہ** مجھے حکم ہوا ہے۔ **اقول**۔ یہ شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کے ساتھ قطبیتِ تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے اور مولانا کی قطبیت ارشادیہ میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ (شت)

حکایت (۳۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولٰنا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ اور میں پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ آپ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب

(مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے۔ اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے) حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ جب میرا مکہ جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت انھوں نے بہت شد و مد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو ہندوستان مت جاؤ اسواسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ سنکر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مڑ کر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور ان کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا اُن کا۔ یہاں کچھ نہیں ہونے کا...... رات کو انکی دن کو انکی، رات کو ان کی دن کو اُن کی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپیٹ جائے گا۔ جھاڑو پھر جائیگی۔ کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا۔ اسپر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ سُن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حاشیہ حکایت (۳۸۴) قولہ وہ کون ہیں۔ **اقول** یہ اُسی شانِ قطبیت کی فرع ہے۔ (رشت)

حکایت (۳۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے میں اور چند دوسرے اشخاص بھی اسوقت پہونچ گئے۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج رات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے (کچھ جواب) ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو کہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا) اسکے جواب میں ارشاد ہوا کہ بس چپ رہو کو مت۔ ایسی گستاخی۔ یہ سنکر میں خاموش

ہوگیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف ہوگیا۔ اسکے بعد آسمان سے ایک پیڑھا یا کھٹولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ آپنے کیا فرمایا تھا) اترا جسکی پٹیاں سیرو پائے سب الگ الگ تھے) میں نے عرض کیا کہ حضور میں سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا ہاں انتہا کلامہ الشریف۔ خان صاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض الموت علیل تھے۔ مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ اُفّو مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا تو بہ توبہ توبہ بھائی یہ انھیں کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں۔ اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔

حاشیہ حکایت (۳۴۹) قولہ کیونکہ وہ مجذوب ہیں اقول بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال داخل ادلال ہوکر عفو فرما دیئے جاتے ہیں اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔ احقر نے خود مولانا سے سنا ہے کہ ایک بار خط لکھ کر میں نے دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام بھول گیا۔ بجز جذب اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے (شت)

حکایت (۳۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خانصاحب خانپوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے) اور فیض محمد خاں صاحب نواب دتاولی اور میاں نجی محمدی صاحب (یہ میرے اُستاد اور سید صاحب سے بیعت تھے اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خاں صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی یہ لوگ میں نے

ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی بلکہ اُن کے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ اسپر میں ایک بات سناتا ہوں۔ مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے مجھ سے انسے بہت ملاقات تھی اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے۔ حج بھی بہت کئے تھے مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھی۔ ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی دعوت تھی۔ دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی۔ اور ہم لوگ دروازہ کے قریب بیٹھے تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو ہم دونوں باہر آکر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے۔ امام صاحب نے جو مولٰنا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بد اعتقادی تھی۔ انکی نورانی صورت انکی ولایت پر خود شاہد ہے ایسی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہو سکتی۔ اور ان پر اسوقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بیتاب ہو گئے اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انھوں نے مولانا کے قدم پکڑ لئے اور بہت روئے۔

حاشیہ حکایت (۳۵۰) قولہ انکی نورانی صورت اقول قال الرومی ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی ؎ نیک بیں باشی اگر اہل دلی

قال الکاندھلوی فی ترجمتہ ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ؎ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور (دشت)

حکایت (۳۵۱) مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے انکی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے۔ نواب صاحب اسکو سو روپئے دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بُلاتے ہیں اسلئے شاید دو سو دیدیں۔ سو دو سو روپئے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جاکر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگادینگے۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۵۲) فرمایا کہ ہمارے مولٰنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایکمرتبہ ظرافت سے فرمایا کہ دیکھو بھائی ستمبر کا نام کریما میں بھی آیا ہوا اور یہ شعر پڑھا ؎ ستمبر ضعیفان مسکین مکن۔ الخ

حکایت (۳۵۳) فرمایا کہ مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ قرآن و حدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آجائے وہ صحیح ہے اور اسکے بعد اپنے اہوار کی نفرت ہو۔

حکایت (۳۵۴) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مُہر املی کے بیج کے برابر تھی۔ لوگوں نے کہا کہ ذرا بڑی مُہر بنوا لیجئے۔ مولانا نے فرمایا کیا ہوگا۔ یہ چھوٹی سی ہی ایسی ہے کہ اول اسکو تلاش کرتے ہیں جہاں یہ نہ ہو بڑی بڑی مُہریں اینٹ سی بیکار سمجھی جاتی ہیں۔

حکایت (۳۵۵) فرمایا کہ ہمارے مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ مزاح میں فرماتے تھے کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں۔ مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں۔

حکایت (۳۵۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوبؒ صاحب سے مولوی مظہر الدین نامی نے جو میرے ساتھ موجز میں شریک تھے اور ریاست رامپور کے رہنے والے تھے۔ ایک قصہ اپنے شہر کا بیان کیا کہ وہاں ایک شخص پر ایسا قبض شدید طاری ہوا کہ انھوں نے خود کشی کا ارادہ کیا اور کچھ تعجب نہیں ؎

بے دوست زندگانی ذوقِ چناں ندارد ؛ ذوقِ چناں ندارد بے دوست زندگانی

بیچارے فن سے ناواقف تھے اسلئے وارد کی حقیقت کو نہ سمجھے۔ مولوی ارشاد حسین صاحب کے پاس پہنچے۔ اسوقت وہ مثنوی پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا تم کون ہو۔ انھوں نے کہا شیطان ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر شیطان ہو تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ یہ سنکر وہ سیدھے اٹھے ہوئے قیامگاہ کو چلے گئے اور یہ سمجھ گئے کہ اب تو ایک شیخ کا بھی یہی فیصلہ ہے واقعی میں ایسا ہی ہوں اپنے وجود ناپاک سے دنیا کو پاک کر دینا چاہیئے۔ مرید سے بلا کر کہا کہ میں اپنا گلا کاٹوں گا اگر کچھ باقی رہجائے تو تم تکمیل کر دینا۔ چنانچہ انھوں نے حجرہ میں جا کر گردن کاٹ لی جب وہ مر چکے تو مرید بھلے مانس نے جو حصہ باقی رہا تھا اسکو بھی علیحدہ کر دیا پولیس نے مرید کو گرفتار کر لیا۔ نواب صاحب والئی ریاست رامپور کے یہاں مقدمہ پیش ہوا۔ اُس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ مولوی ارشاد حسین صاحب کو خبر ہوئی اور انھوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ نواب صاحب نے اس مرید کو چھوڑ دیا ہمارے مولٰنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ سنکر یوں فرمایا کہ ان کو جواب دینا چاہیئے تھا کہ اگر شیطان ہو تب بھی کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو اسی کا ہے اس سے نسبت کہاں منقطع ہوئی اس سے قبض جاتا رہتا۔ کسی نے ہما

حضرت سے عرض کیا کہ نسبت تو مقبولیت کی مطلوب ہے نہ کہ مردودیت کی۔ فرمایا یہ ان کا علاج تھا۔ اس سے اُن کا قبض جاتا رہتا۔ ایسے وقت حقیقت کیطرف نظر نہیں جاتی ہے۔ مخاطب کی خصوصیت کے اعتبار سے علاج کیا جاتا ہے اور اس رمز کو مصلحین خوب سمجھتے ہیں۔

حکایت (۳۵۷) فرمایا کہ مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے کا جسقدر شوق ہو اس سے کچھ کم پڑھنا چاہیئے۔ شوق کو باقی چھوڑ دے اور مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب چکیئی پر تھوڑا تا گا رہجاتا ہے تو پھر لوٹ آتی ہے اور جب بالکل نہیں رہتا تو نہیں لوٹتی۔

حکایت (۳۵۸) فرمایا کہ ہمارے مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ ماہانہ امتحان نہ لیتے تھے جب مہینہ ختم ہوتا تو پرچہ امتحان کا منگا کر بلا امتحان ہی سب کے نمبر لکھدیتے تھے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت بلا امتحان ہی نمبر لکھدیتے ہیں۔ فرمایا مجھے سب کی لیاقت معلوم ہے۔ (مالک اپنے بچھڑے کے دانت خوب جانتا ہے) اور اگر کہو تو لاؤ سب کا امتحان بھی لیلوں۔ مگر یاد رکھو کہ اس سے کم ہی نمبر آئینگے۔ مولانا کا رعب بہت تھا۔ سب طالب علم چُپ ہی جو ہو گئے۔

حکایت (۳۵۹) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سبق پڑھانیکے اندر آنسو کثرت سے جاری ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ہمنے چاہا کہ مولانا سے مثنوی شروع کریں تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ انھیں مدرسہ میں بیٹھنے دوگے یا نہیں۔ اگر مثنوی پڑھانے لگے تو جنگلوں کو نکل جائینگے آگ بھڑک اٹھے گی۔

حکایت (۳۶۰) فرمایا۔ ایک مرتبہ اجمیر میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

صبح کی نماز کو تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں کان میں بھڑ بھونجوں کے دھان کوٹنے کی آواز آئی۔ بس مولانا کو وہیں وجد ہو گیا ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ٭ بر آواز دولاب مستی کنند

حکایت (۳۶۱) فرمایا کہ ایکمرتبہ مولٰنا محمد یعقوب صاحب چھتہ کی مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک طرف سے کسی غمزدہ عورت کے رونے کی آواز آئی بس وہیں وضو کرتے کرتے اس غمزدہ کی گریہ سے مولانا کی حالت بدل گئی۔

حکایت (۳۶۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی علاؤ الدین صاحبؒ میرے ساتھ پڑھے ہیں اور میرے ساتھ ہی دستاربندی ہوئی ہے اگر زندہ ہوتے تو مولانا ...... کے جانشین ہوتے۔ امتحان میں انکے نمبر مجھ سے کم تھے۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ چونکہ یہ مولانا کے صاحبزادے ہیں اسلئے دستاربندی میں مجھ سے ان کی (یعنی مولوی علاؤ الدین) کی تقدیم ہو جائے اس پر حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا جس کا استحقاق ہو وہی ہوگا۔

حکایت (۳۶۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی علاؤ الدین کا انتقال خاص بقرعید کے روز ہوا ہے نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی۔ جب نماز کا وقت آیا تو مولٰنا یہ کہکر کہ اللہ کے سپرد اللہ خاتمہ بالخیر کرے۔ نماز میں پہنچ گئے نماز میں دیر نہ کی۔ حالانکہ مولٰنا کی وجاہت ایسی نہ تھی کہ اگر کتنی ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا مگر ایسا نہیں کیا وقت پر پہنچے۔

حکایت (۳۶۴) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں وبا پھیلی ہے۔ تو

زمانۂ وبا میں مولانا محمد یعقوبؒ کے گھرانے کے چودہ آدمی مرے تھے مگر مولانا بہت ہی متحمل رہے۔ ذرا تزلزل اپنے اندر نہیں آنے دیا۔ البتہ ایک دفعہ تو وضو کرتے ہوئے میں نے یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا تھا کہ آپ ایک خاص شان سے اسکو پڑھ رہے تھے

غیرِ تسلیم و رضا کو چارہ ؎ درکفِ شیرِ نرِ خونخوارہ

حکایت (۳۶۵) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنے والی ہے۔ اگر ہر چیز میں سے صدقات کئے جاویں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یہ بلا ٹل جاوے۔ بعض اہلِ دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہو گئی ہے۔ اسکی خبر کسی نے مولانا کو کر دی تو مولانا کو اسپر بہت غیظ آیا اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند، یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ اس جملہ کو چند بار تکرار فرمایا۔ اسوقت حاجی محمد عابد صاحبؒ حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سُن رہے تھے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرما رہے ہو۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سُنا دیا کہ یوں فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہوگا۔ اسکے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی بس دیوبند خالی ہی ہو گیا۔ جب یہ وبا ختم ہو گئی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا ابھی وقت آ گیا ابھی دیر ہے۔ بس اسکے بعد اپنے وطن نانوتہ پہنچے اور وہیں جا کر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حکایت (۳۶۶) فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لیجاکر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہوگئی یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالینگے۔ ایسے ہی پڑے رہیو لوگ جوتہ پہنے تمھارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔ بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لیجانا بند کر دیا۔

حکایت (۳۶۷) فرمایا کہ میرٹھ مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہما ایک جگہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ مگر مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تو نیچے کے درجہ میں تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اوپر کے درجہ میں تھے کہ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو جو سیانی تھی اپنے ہمراہ لائی اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے (چونکہ مولانا محمد قاسم رح بہت مشہور تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اسقدر مشہور نہ تھے کسی نے انہی کا پتہ دیدیا) عرض کیا کہ یہ میری چھوکری ہے اور مدت سے بیمار چلی جارہی ہے۔ میری اوقات بسر اسی پر ہے۔ آپ اسے تعویذ یا دعا کر دیجئے (مولانا

محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے نہ اسکی دلشکنی ہو) اس سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں تم اُن کے پاس لیجاؤ۔ یہ اوپر پہنچی مولٰنا محمد یعقوب نے پوچھا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میری یہ لڑکی ہے اسکو مرض ہے اور میری اسی پر کمائی ہے۔ آپ دعا یا تعویذ کر دیجئے۔ مولٰنا محمد یعقوب نے نہ معلوم دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اُسے کس نے بھیجا ہے؟ مولٰنا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ تو فرمانے لگے کہ بڑے متقی نکلے۔ اپنے تقوے کی اسقدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیجدیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے۔ خدا کے فضل سے اسکی چھوکری کو آرام ہو گیا تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہنچی۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپکی دعا سے میری لڑکی کو صحت ہو گئی۔ یہ مٹھائی شکریہ میں لائی ہوں۔ مولانا نے فرمایا رکھدو۔ چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی۔ مولٰنا نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ حرام کمائی کی ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے۔ مساکین کا حق ہے اغنیاء کا حق نہیں جس کا دل چاہے لیلے (ہمارے حضرت نے فرمایا دیکھئے شریعت و طریقت سب جمع کر دی)

حکایت (۳۶۸) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولٰنا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اُسے بلا عمل جنت میں داخل کریگا تو یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہونگے۔ فرمایا انھیں کیا خاک مزہ ہو گا۔ وہ راحت کا لُطف کیا اُٹھائینگے۔ جو راحت بعد کلفت کے حاصل ہو اس میں لذت ہوتی ہے

جنت میں آرام و چین ہمکو ہو گا جو مختلف شدائد و آلام۔ مصائب و نوائب جھیلے ہوئے ہیں ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ؎ حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند (جامی)

حکایت (۳۶۹) فرمایا کہ ایک مشہور شعر ہے ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ؎ روز و شب در زق زق و در بق بق اند

ہمارے مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی شرح یوں فرماتے تھے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مولانا نے اہل دنیا کو کافر کہا ہے بلکہ کافرانِ مطلق کو اہل دنیا کہا ہے۔ یعنی پورے اہلِ دنیا وہی ہیں جو کافر ہیں۔ حاصل یہ کہ اہلِ دنیا مبتدا، اور کافرانِ مطلق خبر نہیں بلکہ اس کا عکس ہے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ مولانا محمد نبیہ صاحب ٹانڈی

حکایت (۳۷۰) ایکمرتبہ مولانا محمد یعقوب رحؒ گنگوہ تشریف لائے مغرب کی جماعت کھڑی تھی۔ اور غالباً مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ امامت کیلئے مصلے پر پہنچگئے تھے مولانا محمد یعقوبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے اور ان کو امام بنایا مولانا محمد یعقوب رح چونکہ سفر سے آرہے تھے پاؤں پر کچھ گرد تھی۔ مولانا گنگوہی رح نے رومال لیکر آپکے پاؤں جھاڑنا شروع کئے اور آپ تسبیح پڑھتے رہے ذرا جنبش نہ کھائی۔ (از تحریرات بعض ثقات)

(منقول از اشرف التنبیہ)

(۲۸) استاذ العلماء جناب مولٰنا محمد مظہر صاحب نانوتوی صدر مدرس وبانی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۳۷۱) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولٰنا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحؒ نے (جو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں سے عمر میں بڑے تھے) خواب دیکھا کہ ایک تخت ہے جس کے صدر پر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ تشریف رکھتے ہیں مولانا نے یہ خواب ایک عریضہ میں لکھ کر جس میں بیعت کی درخواست بھی تھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت نے جواب میں خواب کی تعبیر یہ تحریر فرمائی کہ دونوں میں سے کسی سے بیعت کرلو۔ چنانچہ مولانا محمد مظہر صاحبؒ حضرت نانوتوی کے پاس خط لیکر آئے کہ مجھے بیعت کرلو۔ انھوں نے گھبرا کر فرمایا کہ آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں۔ فرمایا کہ لو یہ خط ہے اور حکم ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آپکو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ گنگوہ تشریف لیجائیں۔ وہاں گئے اول تو حضرت گنگوہیؒ نے بھی تامل فرمایا مگر پھر بیعت فرمالیا۔ (منقول از روایات الطیب)

(۲۹) حضرت مولٰنا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۷۲) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ باطنی مدارج میں مولٰنا رشید احمد صاحبؒ سے

کم نہیں ہیں بلکہ برابر ہیں فرق صرف علم کا ہے کہ وہاں ہے یہاں نہیں۔

حکایت (۳۷۳) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی حضرت نانوتوی کے خلاف نہیں کیا۔ ایک دن میں چھتہ کی مسجد میں حاضر ہوا۔ حضرت احاطہ مسجد میں ہوئے بھنے ہوئے تناول فرمارہے تھے۔ فرمایا کہ آئیے مولانا۔ میں نے عرض کیا حضرت میرا تو روزہ ہے تھوڑی دیر تامل فرماکر پھر یہی فرمایا کہ آئیے مولانا۔ میں فوراً بلا تامل کھانے بیٹھ گیا۔ حالانکہ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ افطار کا وقت قریب تھا۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زائد آپ کو ثواب عطا فرمائے گا جتنا کہ روزہ میں ہوتا۔ چنانچہ مجھے اس افطار کے بعد کچھ ایسی کیفیات ولذات محسوس ہوئیں کہ میں نے کبھی صوم میں نہیں دیکھی تھیں۔ (منقول از روایات الطیب)

(۳۰) جناب مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی حکایات

مع رسالہ نیل المراد و رسالہ الصدق المتین

حکایت (۳۷۴) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیا دار بھی منتظم اور غیر منتظم دونوں میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے۔ مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حساب کی کوئی یادداشت ہی نہ تھی۔ ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا جو وہ بتلا دیتا

تھا وہ آپ دیدیتے تھے۔ آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے جا ہے وہ کتنا ہی بتادے۔
آپکے وصال کے بعد ایک مجلس تعزیت میں وہ بنیا آیا اور کہا کہ میرا چھ ہزار روپے
کا حساب مولانا کی طرف ہے۔ مہمانوں میں ایک راجہ صاحب بھی تھے انھوں نے
تھیلی چھ ہزار کی مولانا کی قبر پر رکھدی اور بنئے سے کہا کہ اگر تیری رقم واجب ہے
تو اُٹھالے۔ اس نے تھیلی اٹھالی۔ اور ہمارے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے
جو وصیت نامہ لکھا ہے تو اس میں یوں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض نہیں ہوا
کرتا ہے۔ حالانکہ مولانا کے یہاں بھی اول اول فاقے ہوئے ہیں مگر منتظم بڑے تھے۔

حکایت (۳۷۵) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے
کسی نے پوچھا کہ مفقود الخبر کی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ انھوں نے امام ابوحنیفہ
کا مذہب بتلادیا۔ سائل نے عرض کیا اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج نہیں
مولانا نے فرمایا کہ جہاد میں تو اس سے بھی زیادہ حرج ہے اس کا شریعت میں
حکم کیوں ہے بڑے آئے حرج حرج کرنے والے جاؤ اپنا کام کرو۔ ہمارے حضرت نے
فرمایا کہ دیکھئے مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رح
تو یہانتک فرمایا کرتے تھے کہ عارف کا ہذیان بھی عرفان ہوتا ہے۔

حکایت (۳۷۶) فرمایا ایک مولوی صاحب مولوی فضل الرحمٰن صاحب
گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد تھے حافظ بہت
اچھا تھا مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے بلکہ ڈاڑھی والوں کی مذمت بیان کیا کرتے تھے یہ
مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے
مولانا نے فرمایا تھا کہ آپکو حدیث کی سند دینا جائز نہیں ہے بس فوراً چلے گئے اور

مولنا فضل الرحمٰن صاحب سے جا کر سند لیلی۔ اور حضرت گنگوہی کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت ...... نے فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن کے یہاں غلبۂ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا۔ کبھی خیال ہوگیا تو مستحبات پر پکڑ ہوگئی ورنہ فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایکمرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھدیا۔ بس اُسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کردیا۔ مولانا ... سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مُرید تھے اور اسپر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔

حکایت (۳۷۷) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف تھے۔ مگر کشف دائمی نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ ان کے پیچھے ایک شخص بالو کی ٹوپی اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ بعد سلام اُسے دیکھکر فرمایا کہ ارے ننگے سر نماز مکروہ ہوتی ہے اس نے عرض کیا کہ حضرت ننگے سر نہیں ہوں بالو کی ٹوپی اوڑھ رہا ہوں بس چپ ہو گئے۔ (جامع کہتا ہے) ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم ٭ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

حکایت (۳۷۸) فرمایا کہ مولنا فضل الرحمٰن پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا۔ ایکمرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہورہے تھے۔ پوچھا یہ آدمی کیسے جمع ہورہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپکے پوتے کی شادی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا۔ فرمایا۔ ہاں ابھی تو ہمنے پوچھا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا لوگوں نے وہی عرض کردیا۔ فرمایا ہاں ابھی تو ہمنے پوچھا تھا۔ اچھا اب سے ہمیں جواب نہ دینا۔ بار بار کوئی کہاں تک بتائے۔

حاجی وارث علی شاہ بھی ان سے ملنے گئے تھے وہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ سُنا ہے کہ وہاں جاکر پڑھی تھی۔

حکایت (۳۷۹) فرمایا کہ ایک دفعہ لفٹنٹ گورنر نے مولنا فضل الرحمن صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپنے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں انکے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا اچھا ایک کرسی منگالینا۔ لفٹنٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہوگیا۔ اور آپ لوگوں سے یہ کہکر بھول بھی گئے یہانتک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے۔ سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھی۔ مولانا نے ایک اُلٹے گھڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ بی تو اسپر بیٹھ جا۔ لفٹنٹ گور نے کچھ تبرک مانگا۔ آپنے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دیدو۔ اس میں کچھ چورہ مٹھائی کا نکلا۔ بس سبکو تھوڑا تھوڑا تقسیم کردیا۔ سبنے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہوگئے۔ چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی فرمایا کہ ظلم مت کرنا۔

حکایت (۳۸۰) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص مٹھائی کا دونہ لایا اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ گانے بجانے کا کام کرتا ہوں۔ فرمایا مردود ہمیں حرام کھلاتا ہے۔ اور اس زور سے ٹھوکر ماری کہ دونہ کتنی دور جاکر گرا۔

حکایت (۳۸۱) فرمایا کہ زمانہ جنگ روم و روس میں مولنا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص زیارت کو آئے اور ساتھ ہی ایک شخص کا خط

بھی رومیوں کی فتحیابی کے لئے لائے کہ حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ رومیوں کو
روسیوں کے مقابلہ میں غلبہ دے۔ ان کے خط دینے سے پہلے ہی حضرت نے فرمانا
شروع کیا کہ واہ صاحب بڑے آئے ہیں دعا کردو دعا کردو۔ کیا روسی خدا کے
بندے نہیں ہیں رومی ہی ہیں ایک آدمی توشہید ہوتا ہے تمہارا کیوں دم نکلتا ہے
(پھر اس شخص کو خط دینے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ جواب تو ہو ہی گیا)

حکایت (۳۸۴) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ مجذوب صاحب حال
تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دُعا کو حاضر ہوا۔ ابھی آپ دعا کرنے نہ پائے تھے
کہ فریق مخالف بھی دعا کے لئے حاضر ہوا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ یہ فریق ثانی ہے
اب انکار کس سے کریں۔ یہ کیسے معلوم ہو کون حق پر ہے۔ بس فوراً ہاتھ اٹھا کر
دعا کی (اے اللہ جس کا حق ہو اُسے دلوادے) اب یہ کس کا منہ تھا کہ غیر حق کے
واسطے دعا کو کہے۔ ان حضرات کے اندر عقل بھی کامل ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہیں عرفاء
عقلاء۔ حالانکہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ احقر ظہور الحسن غفرلہ

نیل المراد فی السفر الیٰ گنج مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد ۱۴ رمضان ۱۳۵۲ھ کو دوشنبہ کے دن صبح کے
وقت حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی الطریقۃ مولٰنا الحافظ الحاج المفتی

مولوی اشرف علی صاحب نے بمقام خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون فرمایا کہ مجھکو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یقین کے ساتھ تو ماہ و سنہ یاد نہیں ہیں لیکن گمانِ غالب سے کہتا ہوں کہ اوّل مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں ۱۳۰۱ھ تھا اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ تھا۔ کیونکہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کانپور کے کچھ بعد تھی اور تعلق کانپور کا زمانہ آخر صفر تھا جو قرب میلاد کا زمانہ تھا اور اکثر لوگ میلاد کے مسئلے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ میں نیا نیا مدرس ہوکر کانپور گیا تھا۔ بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا۔ گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رُکنا پڑا۔ اسی زمانہ میں جبکہ کانپور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں۔ کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم مہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے انکو ہمراہ لیکر مرادآباد کے قصد سے روانہ ہوا۔ اُناؤ تک ریل سے مسافت طے کی باقی راستہ ٹٹو سے قطع کیا۔ راستہ کچھ اچھا نہ تھا ایسا ہی تھا کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی اور اس پر طرّہ یہ کہ ہم دونوں راستہ سے واقف نہ تھے نہ کوئی پتہ نشان نہ کسی سے پوچھا تھا یونہی چل کھڑے ہوئے تھے۔ اور ٹٹو والا اینوں تھا وہ پینک میں کہیں پیچھے رہگیا ہم اکیلے چلے جارہے تھے لیکن ہم دونوں راستہ سے ناواقف تھے۔ ناواقفی کی وجہ سے کئی جگہ راستہ بھولے۔ جب کوئی گاؤں نظر آتا۔ اس میں جاکر راستہ پوچھتے پھر آگے چلتے۔ غرض کئی جگہ شبہ ہوا اس شبہ اور دھوکہ ہی میں دن ختم ہوگیا۔ اور راستہ ہی

میں آفتاب غروب ہو گیا۔ رات ہو جانے کے بعد ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ
ہو گیا۔ لیکن برابر چلتے ہی چلے گئے۔ کیونکہ شوق زیارت کا شدت کا تھا۔ خدا خدا
کر کے پہنچے۔ عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ مولانا مسجد سے حجرہ میں تشریف لیجا چکے تھے
خادم کے ذریعے سے اطلاع کرائی گئی۔ حضرت نے بلا لیا اور میں نے رفیق کو اسباب
کے پاس چھوڑا۔ اور خود اسی خادم کے ہمراہ حاضر ہو گیا۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک
جانب تخت بچھا ہوا تھا جس کے پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا۔ اور حضرت مولانا
ایک دوسری جانب چارپائی پر تشریف فرما تھے میں سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور سلام
عرض کیا۔ جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین
سوال کئے۔ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت مولانا کا لہجہ طبعی طور
پر سادہ تھا۔ مزاج میں سادگی بہت تھی۔ عرفی تکلف کے پابند نہ تھے صاف طبیعت
تھے گفتگو میں لہجہ ذرا تیز ہوتا تھا۔ خصوص اسکے ساتھ جو معتقد ہو کر جائے جیسے
میں گیا تھا اور وہاں تو اکثر لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے۔ ایسا لہجہ تھا کہ اگر
کوئی اجنبی شخص دیکھے تو یہ گمان کرے کہ مولانا غصہ فرما رہے ہیں حالانکہ یہ بات
نہ تھی۔ جسکو دو چار بار حاضری کا اتفاق ہو جاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا۔ کہ
حضرت کا لہجہ ہی ایسا ہے۔ لطف و عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت
ہوتی تھی۔ غرض مولانا نے تیز لہجہ میں یہ تین سوال ایک ساتھ کئے۔ کون ہو؟ کہاں سے
آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ میں نے بھی علی الترتیب ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں
کے جواب میں عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں۔ کانپور سے آیا ہوں۔ زیارت کو
حاضر ہوا ہوں۔ یہ سنکر اور تیز ہوئے اور فرمایا بڑے آئے زیارت والے۔ ارے یہ کوئی

زیارت کا وقت ہے ایسے وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں آدمی کو چاہیئے کہ ذرا
سویرے آئے۔ دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام تو کرسکے۔ اب بتلاؤ تمہارے لیئے
کھانا کہاں سے لاؤں۔ تمہیں خدا کا خوف نہ آیا۔ تم کو زمین نہ نگل گئی۔ اللہ تعالےٰ کا
لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جو اپنے دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا
رنج نہ پایا بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا۔ کیونکہ خاص
عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور عقیدت کا خاصہ یہی ہے۔ گو میرے پاس عذر
تھا۔ لیکن میں نے اسوقت کچھ عرض کرنا خلاف ادب سمجھا۔ یہ ایک تنبیہ تھی سو میں
اس کا کیا جواب دیتا چُپ کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ تمہارے پاس کچھ پیسے
ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لیکر کھالو اور
صبح چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ اس ارشاد کے بعد خادم سے کہا انھیں
لیجاکر فلاں مکان میں ٹھہرا دو۔ چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہو لیئے اور اس نے لیجاکر ایک جگہ
بتادی۔ ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی محفوظ جگہ نہ تھی سہ دری سی تھی۔
غرض میں مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اُتارنے لگا۔ یہی ارادہ تھا کہ بازار
سے لیکر کچھ کھاپی لینگے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائینگے۔ لیکن تھوڑی ... دیر میں
وہ خادم آیا اور کہا کہ مولنا نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا
ہوگا۔ لیکن میں نے دل میں کہا کہ بھائی سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں۔ میں ساتھ ہولیا
اور جاکر سامنے کھڑا ہو گیا۔ فرمایا "بیٹھ جاؤ" مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ حالانکہ
اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا کچھ لہجہ ہی ایسا
تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی تصنع اور تکلف نہ تھا۔ میں یہ ارشاد سُنکر

تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ فرمایا اجی یہاں آجاؤ۔ تخت پر بیٹھو۔ میں حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کے لئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔ چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا۔ ایک پیالہ میں سالن تھا۔ غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں جب خادم نے کھانا میرے سامنے لا کر رکھا تو مولانا نے دیکھ لیا۔ حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی۔ اور میں بھی کسی قدر فاصلہ پر تھا نگاہ حضرت کی اس عمر میں بھی بہت اچھی تھی کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا، بدتمیز یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمان کے واسطے ارے روٹی الگ طباق میں لاتا۔ سالن علیحدہ برتن میں لاتا۔ یہ کونسا طریقہ ہے کہ پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈا ملا نہیں فرمایا جھوٹ بولتا ہے ارے فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے۔ یہ غالباً کشف سے فرمایا مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔ خادم یہ سنکر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا ورنہ روٹیاں ہاتھ میں لیکر کھانا پڑتی۔ جب میں نے کھانا شروع کر دیا تو فرمایا کیا کھانا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے۔ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے مولوی محمد یعقوب سے پڑھا ہے۔ مولانا کو کشف ہوا۔ پھر فرمایا بہت اچھے آدمی تھے۔ یہ گویا مولانا نے بہت بڑی تعریف کی کیونکہ مولانا مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے اتنا فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے بہت بڑی تعریف ہے اس سے حضرت مولانا کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہو گیا۔ غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو تم کو معلوم ہے کہ صحابہ کی کیا حالت تھی؟ ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن بھر لڑتے تھے

تب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہو گئے۔
عادت یہی تھی کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے۔ غرض
جوش میں کھڑے ہو گئے اور پاس آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور دیر تک
حضراتِ صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے میں کھانا کھاتا رہا۔ ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ
شعر بھی پڑھا۔ پھر اسکے بعد فرمایا کہ بیر کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک
ہو۔ فرمایا اجی تبرک وبرک کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد
تو نہیں ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا حضرت نہیں۔ پھر وہاں سے چلے اور ایک برتا ہوا
برھنا اُٹھا کر لے آئے جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے اور لا کر میرے سامنے
الٹا کر دیا اور کہا کھاؤ۔ پھر بطور مزاح کے فرمایا کہ کبھی دل میں کہتے آپ ہی کھائیے
مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔ جب میں کھانے سے فارغ ہو گیا تو فرمایا۔ اچھا جاؤ
عشاء پڑھ کر سو رہنا۔ اب صبح کو ملاقات ہو گی۔ پھر مولانا اسوقت تشریف لیگئے۔
خبر نہیں کہاں حجرہ میں یا مکان کے اندر۔ ہاں! حضرت نے کانپور سے گنج مراد آباد
تک قصر کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا اور میں نے جواب بھی دیا تھا اور اسپر حضرت نے
کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی لیکن تفصیل یاد نہیں۔ نہ سوال نہ جواب نہ حضرت کی اصلاح
کچھ یاد نہیں۔ پھر میں نے نماز پڑھی اور جائے قیام پر چلا گیا اور سو رہا۔ صبح کی نماز
مولانا کے پیچھے پڑھی۔ مولانا نے اسفار میں نماز پڑھی تھی اور خود امامت فرمائی۔
چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں۔ پھر ہم لوگوں کی طرف منہ کرکے بیٹھ گئے۔ یہانتک کہ
آفتاب اچھا اونچا ہو گیا۔ میرے سامنے مولانا نے نوافل نہیں پڑھے۔ پھر اٹھ کر
ایک صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جو سامنے کھڑے تھے۔ وضع سے کوئی رئیس معلوم

ہوتے تھے مگر ثقہ صورت ڈاڑھی بھی نیچی۔ چوغہ بھی اور پائینچے بھی ٹخنے سے اوپر۔
سردیوں میں اکثر لباس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ رئیس ہے یا معمولی حیثیت کا شخص
بہرحال مولانا نے انکی جانب متوجہ ہو کر فرمایا "تم کب جاؤ گے" انھوں نے کہا
جمعہ کی نماز پڑھکر جاؤں گا۔ فرمایا یہاں جمعہ پڑھکر کیا ہو گا؟ انھوں نے کہا تو میں
جمعہ اور کہاں پڑھوں گا۔ وہ بھی کوئی بے تکلف اور پرانے آنے جانے والے معلوم
ہوتے تھے۔ مولانا نے فرمایا ہمیں کیا خبر کہاں پڑھو گے؟ ہم کوئی ٹھیکہ دار ہیں
تمہارے جمعہ کے۔ لوگوں کو شرم نہیں آتی منہ پہ ڈاڑھی لگا کر پرائے ٹکڑوں پر پڑتے
ہیں۔ وہ بھی بہت ہی بے تکلف تھے۔ انھوں نے کہا میں تو نہیں جاتا۔ یہ سنکر حضرت
اُن کا شانہ پکڑے ہوئے اور زور لگائے ہوئے لے چلے اور فرمایا نکلو یہاں سے۔
(اس مقام پر پہنچکر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مجھے تو حضرت کی
ساری باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ ممکن ہے کوئی بدفہم یا معانداس قسم کے واقعات
سے حضرت مولانا کے اخلاق پر شبہ کرے۔ ہمیں تو بزرگوں کی ساری ہی باتیں محبوب
معلوم ہوتی ہیں جسکو ذوق نہ ہو وہ جو چاہے سمجھے) غرض وہ شخص چلے گئے وہاں سے
تو چلے گئے خبر نہیں قصبے سے بھی چلے گئے یا نہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ اب شاید میرا
نمبر ہو۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں جاتا ہوں فرمایا بہت اچھا۔ میں چلا تو
مولانا بھی ساتھ ساتھ چلے۔ میں سمجھا اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے اسی جانب تشریف
لیجارہے ہیں۔ یہ گمان نہ تھا کہ اپنے آپکو اہل سمجھتا تھا کہ مشایعت کیلئے ساتھ ہیں۔
مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہی غرض تھی۔ کیونکہ راستہ میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا جو مکان
آتا حضرت دریافت فرماتے کیا یہاں ٹھہرے ہو۔ حتیٰ کہ وہ سہ دری آگئی جسمیں میرا

قیام تھا۔ میں وہاں رُک گیا تو مولانا بھی وہاں ٹھہر گئے۔ اور فرمایا ٹٹو منگاؤ اور سامان لاؤ۔ میں نے رخصتی مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا ہمنے تمھارے لئے دعا کی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کچھ پڑھنے کو بتلادیجئے۔ فرمایا قل ہو اللہ شریف اور سبحان اللہ وبحمدہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔ اوروں سے بھی سُنا کہ حضرت مولانا طالبین کو اکثر یہی پڑھنے کو بتایا کرتے تھے کیونکہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس کے بعد میں مع اپنے رفیق کے وہاں سے چلا آیا۔ چونکہ میں مسافر تھا جمعہ میرے ذمہ تھا ہی نہیں اسلئے فوت کا افسوس بھی نہیں ہوا۔ وہاں سے آجانے کے بعد ہی مدرسہ جامع العلوم کی بنا پڑگئی اور مجھ کو کانپور میں باصرار روک لیا گیا۔ ورنہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ اب کانپور چھوڑ رہا ہوں حضرت سے مل آنا چاہیئے۔ ممکن ہے پھر نہ حاضری ہو۔ غرض میرا کانپور میں قیام ہوگیا۔ پہلی مرتبہ کی زیارت کے تو یہ واقعات تھے۔ دوسری مرتبہ مہینہ رمضان کا تھا اور سنہ تو تقریباً بھی یاد نہیں بس اتنا یاد ہے کہ پہلے سفر سے چند سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوا۔ اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے۔ مولانا تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی تھی۔ نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مولانا کا مزاج تیز تو تھا ہی۔ انھوں نے حضرت مولانا سے میرا نام لیکر نہایت بدتمیزی سے کہا کہ آپ سے تو اسکے اخلاق اچھے ہیں۔ غایت تواضع سے فرمایا ہاں بیشک اچھے اخلاق ہیں۔ پھر دوبارہ کئی سال کے بعد پھر حاضر ہوا۔ اس بار چند ہمراہی بھی تھے اور ہدیہ کے طور پر میں کچھ کپڑے بھی لے گیا تھا۔ کانپور میں اس زمانہ میں بہت اچھے کپڑے بنتے تھے

جنھیں بنگالی پیڑے کہتے تھے۔ سانچے میں بنتے تھے بہت خوبصورت اور خوشبودار ہوتے تھے مجھے بہت پسند تھے حضرت کی پسند کی تو خبر نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ جو چیز خود مجھے پسند ہے اسی کو ترجیح دینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے پیڑے ہی ہدیہ کیواسطے لئے۔ نیز چونکہ رمضان شریف کا زمانہ اور مدرسہ کی تعطیل تھی۔ اسلئے حضرت کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی گنجائش تھی۔ اس خیال سے کہ شاید دو چار دن رہنا ہو جائے۔ ایک بوتل شربت انار کی بھی اپنے افطار کے واسطے ہمراہ لے لی تھی کیونکہ گرمی کا زمانہ تھا۔ جب مراد آباد قریب رہ گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں۔ اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے اسلئے شاید ڈانٹ ڈپٹ فرماتے ہوں۔ لہذا اپنے قلب کو پاک وصاف کرکے حاضر خدمت ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وضو کیا۔ استغفار کی کثرت کی۔ ادب کے لحاظ سے سواری چھوڑ کر پا پیادہ چلے۔ اس حالت سے چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ایک بوڑھے شخص رستہ میں ملے۔ معلوم ہوا کہ زیارت کو جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچکر اول وہ پیش ہوئے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ روزہ ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ جی ہاں روزہ ہے۔ اسپر بہت خفا ہوئے۔ فرمایا کہ کس نے کہا تھا کہ سفر میں روزہ رکھو۔ ان بیچاروں کو حکم ہوا کہ بس ابھی چلے جاؤ (اس مقام پر صاحب ملفوظ یعنی حضرت اقدس حکیم الامتہ مدظلہ العالی سے حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ روزہ کی حالت میں ایسی چلتی دوپہر میں واپس فرما دینا تو روزہ کی تکلیف کو اور بھی بڑھا دینا تھا۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ واپس فرما دینا تو تادیب اور اصلاح کیلئے تھا گو اسوقت تو تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن عمر بھر کیلئے سبق ہو گیا ہوگا

ہمارا بھی روزہ تھا۔ ہم نے کہا بھائی خدا خیر کرے ہم سے بھی یہی سوال ہوگا۔ چنانچہ واقعی پیش ہوتے ہی یہ سوال فرمایا کہ روزہ ہے۔ ہم نے سچی بات عرض کر دی کہ حضرت ہے۔ مگر بجائے خفگی کے حضرت نے فرمایا کہ اچھا کیا۔ جوان آدمی ہو روزہ رکھنا ہی مناسب تھا۔ یوں بظاہر مولنٰنا ذرا مغلوب سے تھے ورنہ بڑے عالم تھے بڑے متقی تھے۔ حدودِ شرعیہ سے خوب واقف تھے اور پورے متبع سنت تھے دیکھئے چونکہ وہ صاحب بوڑھے تھے۔ ان کو سفر میں روزے کا تحمل دشوار تھا ان پر اظہار خفگی فرمایا اور ہم لوگوں کے روزے پر اظہار مسرت فرمایا اور یہی محمل ہے حدیث لیس من البر الصیام فی السفر کا۔ غرض ہم بہت خوش ہوئے کہ چلو ایک خطرہ سے تو نجات ملی۔ اُس وقت مولنٰنا ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے یہ نہیں پتہ کہ بیٹھے تھے یا لیٹے تھے۔ غالباً لیٹے تھے نیچے چٹائی بچھی تھی اُس پر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ مولانا نے غالباً پہچانا نہیں۔ ہمنے اپنے ہدایا پیش کئے۔ مولنٰنا کو تمباکو سے اور صابن سے بہت رغبت تھی۔ حقہ نوش فرماتے تھے۔ اور کپڑے گھر ہی میں دُھلواتے تھے۔ میرے ہمراہی تمباکو اور صابون ہدیہ میں لے گئے تھے اور مجھے خبر ہی نہ تھی کہ مولنٰنا کو ان چیزوں سے رغبت ہے اوروں نے تو تمباکو اور صابن پیش کیا اور میں جو ہدیہ میں لے گیا تھا وہ میں نے پیش کردیا۔ یعنی پیڑے۔ اوروں کی چیزیں لیں لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے جو پیڑے پیش کئے تو خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تو اس کا شربت پیا کرتے ہیں۔ اور خادم سے فرمایا کہ انھیں اُٹھا کر رکھو ہم ان کا شربت پیا کرینگے۔ میں خوش ہوا کیونکہ مجھے خیال تھا کہ میرا ہدیہ کیا پسند آئیگا اوروں کا پسند فرمائینگے۔ کیونکہ وہ لوگ حضرت کی رغبت کی چیزیں لائے تھے۔ لیکن خلافِ توقع معاملہ برعکس ہوا۔ اوروں کو بھی تعجب ہوا۔ میں نے

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر از خود فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی دوا بھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے ساتھ کوئی نہیں ہے (کیونکہ میں شربتِ انار کو دوا کے طور پر نہیں لیگیا تھا) اسپر ساتھیوں نے مجھ سے آہستہ کہا کہ شربتِ انار تو ہے میں نے مگر عرض کیا کہ حضرت شربتِ انار البتہ ہے۔ فرمایا وہ تو تمنے افطار کیلئے اپنے ساتھ لیا ہے میں نے کہا لایا تو تھا افطار ہی کی نیت سے مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت قبول فرمالیں۔ فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ میں نے پیش کیا اور حضرت نے وہ بھی قبول فرمالیا ہریوں سے فارغ ہونے کے بعد مختلف باتیں فرماتے رہے۔ بعض بعض یاد بھی ہیں مثلاً فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنت کا مزہ برحق، حوضِ کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں۔ ایک یہ فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کرینگے۔ دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیدیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔ چوتھی بات میں کچھ شک ہے اسی جلسہ میں فرمایا یا بعد کے کسی جلسہ میں۔ بلکہ اس میں بھی شک ہے کہ بلاواسطہ سنا یا بواسطہ بہرحال اگر بواسطہ بھی سُنا ہوگا تو کسی ثقہ راوی ہی سے سُنا ہوگا۔ کیونکہ اس کی صحت کا مجھے اتنا وثوق ہے کہ بلاواسطہ سُننے تک کا احتمال ہے۔ بہرحال چوتھی بات یہ فرمائی کہ جب ہم جنت میں جائینگے (اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنت میں ضرور جائینگے۔ حق تعالیٰ سے ایسی قوی امید تھی کہ کچھ شک ہی نہ تھا) اور حوریں آئینگی تو ہم ان سے صاف صاف کہدینگے کہ بی اگر قرآن سنانا ہو تو سُناؤ ورنہ جاؤ اپنا راستہ لو۔ اس قسم کی شان مولانا کی تھی۔ اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا اسکو بہت ڈانٹا کہ بڑے

بے تمیز ہو منہ اُٹھائے چلے آرہے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ موقع ہے یا نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات کر رہا ہے۔ گویا مولانا نے اپنے نزدیک ہم لوگوں کو خلوت کا وقت دیا تھا۔ اپنے اسرار ظاہر کرنے کے لئے خلوت پسند فرمائی۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو ارشاد ہوا کہ مسجد میں بھی جگہ ٹھہرنے کی ہے اور مکان بھی موجود ہے۔ کہاں ٹھہروگے میں نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپ کا قرب ہو۔ فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ۔ ہم لوگ مسجد میں ٹھہر گئے۔ دوپہر کا وقت تھا کچھ لیٹے بیٹھے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ نماز پڑھی شام کو بعد افطار بہت پر تکلف کھانا آیا۔ کئی طرح کا چار یا پانچ قسم کا تھا جیسے کہ امراء کی عادت ہے یا متوسط لوگوں میں بھی اپنے خاص خاص معزز مہمانوں کے لئے کئی کئی کھانے پکوانے کی عادت ہے۔ بہت ہی عنایت تھی۔ ورنہ مولانا کی وضع بالکل آزادانہ تھی۔ وہاں تکلفات کی بھلا کیا گنجائش۔ اسی طرح سحری میں بھی کئی قسم کا کھانا آیا غرض ایک آدھ دن جب گذرا میں نے واپسی کی اجازت چاہی۔ اور اس درمیان میں مختلف جلسوں میں مختلف باتیں فرماتے رہے۔ جو کہ اب یاد بھی نہیں۔ بہرحال جب میں نے اجازت چاہی فرمایا ابھی کیا جلدی ہے۔ مدرسہ کی تعطیل ہے رمضان شریف کا زمانہ ہے اور ٹھہرو۔ ہم تو یہ چاہتے ہی تھے۔ حضرت کے ارشاد کو غنیمت سمجھا اور واپسی کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ رہنا تو ہو ہی گیا ہے لاؤ حضرت سے حصن حصین ہی پڑھ لیں چنانچہ میں نے عرض کیا۔ حضرت نے بڑی خوشی سے فرمایا بہت اچھا۔ میں نے شروع کی حضرت کہیں کہیں کچھ تحقیق بھی فرماتے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ شوقًا الی لقائک آیا تو فرمایا۔ اچھا بتاؤ شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت ہی ارشاد فرماویں فرمایا "تڑپ" اور درمیان میں مختلف وقتوں میں نعرے بھی لگاتے تھے ذوق وشوق

میں۔ کھانا برابر تکلف کا آتا رہا۔ لطیف اور کئی کئی قسم کا۔ جب حصن حصین ختم ہو گئی۔
اور ہم لوگ رخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت
دیجیے۔ فرمایا ہاں جی اجازت ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اجی آیا کرو اور کبھی کبھی کچھ سُنا جایا کرو۔
لیکن پھر اتفاق حاضری کا نہیں ہوا۔ دو تو یہ حاضری ہوئیں۔ اور ایک بار میں نے
عریضہ بھی لکھا۔ جب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں قیام کی عرض سے مکہ جانیکا
ارادہ کیا تو میں نے عریضہ لکھا کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ دعا
کیجئے کہ جس مقصود کیلئے جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرماوے۔ حضرت نے
میرے عریضہ ہی پر ایک گوشہ میں جواب اپنے قلم سے تحریر فرمایا:۔

"از فضل رحمٰن۔ سلامٌ علیکم۔ دعائے خیر نمودم"

بہت دن تک تو وہ خط میرے پاس تبرکاً رہا۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیدیا۔
لیکن جواب کے الفاظ بجنسہ ابتک ذہن میں محفوظ ہیں۔ اپنے ہی قلم مبارک سے جواب
تحریر فرمایا تھا۔ مولانا کا خط بہت اچھا تھا۔ نام میں الف لام تحریر نہیں فرمایا تھا
میں نے سُنا ہے کہ یہ تاریخی نام ہے (فضل رحمٰن کے عدد ۱۲۰۸ ہوتے ہیں۔ جامع ۱۲)
رحمٰن کو بھی بلا الف کے تحریر فرمایا تھا اور السلام علیکم کو بھی بلا الف کے حرف تنوین کے
ساتھ تحریر فرمایا تھا۔ مولانا کے بعض ملفوظ میں نے اوروں سے بھی سُنے ہیں۔ ایک تو یہ
کہ ایک بار مولانا سے کسی نے پوچھا۔ کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ اور معاملات میں تو صرف
دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا میں شرعاً چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ مولانا نے برجستہ
فرمایا کہ وہ فعل دو شخصوں کے متعلق بھی ہے۔ ہر ایک کے لئے دو دو گواہ ہو گئے۔ ایک تو
یہ سُنا۔ ایک یہ سُنا کہ کسی نے پوچھا کہ مفقود کی عورت کے متعلق کیا حکم شرعی ہے؟

حضرت نے اس مسئلہ میں جو حنفیہ کا مذہب ہے وہ تبلادیا۔ اُس نے کہا کہ اس میں تو حرج بہت ہی۔ فرمایا کہ ہاں جی ہاں بہت حرج ہے اور جہاد میں اس سے بھی زیادہ حرج ہے۔ اسے بھی اسلام سے نکال دو۔ بلکہ جسقدر احکام اسلام کے ہیں سب ہی میں بڑا حرج ہے۔ لہذا اسلام ہی کو خیر باد کہدو۔ بڑا اچھا جواب دیا۔ یوں سنا ہے کہ اول مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کیلئے تشریف لیگئے تھے۔ مگر تھوڑے ہی دن پڑھکر واپس تشریف لے آئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ بھائی اسقدر جلدی کیوں جاتے ہو۔ مولٰنا نے جواب دیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہی تھی۔ اسکے بعد دوبارہ حضرت مولٰنا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کے لئے دہلی تشریف لائے اور ان سے بہت دن تک پڑھتے رہے (اس مقام پر حاضرین میں سے ایک نے یاد دلایا۔ کہ پٹاخوں کا قصہ بھی تو آپکے سامنے ہوا تھا۔ فرمایا جی ہاں دوسری حاضری میں ہوا تھا۔ میں نے قصداً اسکو چھوڑ دیا تھا۔ کہ معاند اور بدفہم اسکو بھی کہیں بُرائی پر محمول نہ کرلیں یا مولانا کے اس فعل سے آتشبازی کا جواز نہ ثابت کرنے لگیں)۔ دوسری حاضری میں ایک روز مغرب کے بعد مکان میں سے پھٹ پھٹ کی آواز آئی مولانا کے پوتے یہ جو اسوقت سجادہ نشین ہیں پٹاخے چھُڑا رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ پوتے صاحب پٹاخے چھُڑا رہے ہیں۔ فرمایا ارے پٹاخا کیا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اتنی عمر ہوگئی اور یہ بھی خبر نہیں کہ پٹاخہ کیا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بے تعلق تھے یہ حضرات دنیا سے۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت پٹاس اور منسل اور بارود کو کاغذ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اوپر سے

جوڑ دیتے ہیں۔ اور اندر تاگا رکھ کر ایک سرا باہر نکال دیتے ہیں پھر اسکو آگ لگا دیتے ہیں۔ پھر تو اس سے بہت زور کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا اچھا ہم نے کبھی نہیں دیکھا ہم بھی دیکھیں گے منگاؤ۔ میاں رحمۃ اللہ صاحب بلوائے گئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ تو ختم ہو چکے۔ یہ سنکر حضرت نے بہت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ پھر ہم کس طرح دیکھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت بازار میں بہت ملتے ہیں۔ فرمایا اچھا تو ہمارے لئے لاؤ۔ اور تکیہ کے نیچے سے خود پیسے نکال کر خادم کے حوالے کئے۔ جب وہ لے آیا تو میاں رحمۃ اللہ بلائے گئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ چھوڑو۔ چنانچہ انھوں نے ایک پٹاخہ چلایا تو پھٹ سے آواز ہوئی۔ مولانا ڈر گئے اور زور سے فرمایا ہائے ری اور یہ فرما کر پیچھے کو ہٹ گئے۔ دو تین پٹاخوں کے بعد فرمایا۔ بس بھائی بس جاؤ اب ہمیں ڈر لگتا ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی نے اس جلسہ میں تو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے متعلق اسی قدر فرمایا تھا۔ لیکن ایک بات مجھ کو وہ بھی یاد آ گئی جو ۱۳۔ رمضان کو اتوار کے دن نماز ظہر کے بعد حضرت مولانا ہی کے متعلق فرمائی تھی کہ حضرت مولانا نے ایکبار حدیث شریف کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا تھا ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ؛ الا حدیث یار کہ تکرار میکنیم

اس شعر کے لطف کو لفظ حدیث نے دو بالا کر دیا۔ اور سنا ہے کہ ایکمرتبہ مولوی محمد شفیع صاحب بجنوری نے حج کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا شرائط حج کی بھی خبر ہے یا ویسے ہی حج کا ارادہ کر لیا۔ حضرت مولانا کا مطلب یہ تھا کہ زاد

وراحلہ ونفقہ اہل وعیال بھی ہے یا نہیں۔ مولوی محمد شفیع صاحب نے عرض کیا حضرت جی ہاں شرائط کی خبر ہے۔ فرمایا کیا خبر ہے۔ انھوں نے جواب میں حضرت خواجہ حافظؒ کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ؛ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

حضرت مولانا نے یہ شعر سنکر ایک پُرجوش نعرہ لگایا لیکن فوراً ہی سنبھل گئے فرمایا کہ سب واہیات ہے جو شریعت نے فیصلہ کیا وہی برحق و درست ہے۔ آخر شیخ بھی متاثر بھی ہوئے اور فوراً ہی اصلاح بھی فرمادی (ولنعم ماقیل) ؎

برکفے جامِ شریعت برکفے سندانِ عشق ؛ ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

(از ملفوظات حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم)

رسالہ از صدق المتین فی جواب رسالہ ہو الحق المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امابعد جس رسالہ اشرف التنبیہ کو احقر نے ارواح ثلثہ کا جزو بنایا ہے اُس پر محمد بشیر صاحب صدیقی میرٹھی نے اپنے رسالہ "ہو الحق المبین" میں غلط فہمی یا عناد کی وجہ سے کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مدظلہ العالی نے (معاذ اللہ) حضرت مولانا گنج مراد آبادی رحؒ کے خلاف اشرف التنبیہ میں کچھ باتیں لکھی ہیں۔ ان اعتراضات کے جوابات ہمارے محترم جناب مولانا حکیم نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم متوطن خانقاہ مانک پور ضلع پرتاپ گڈھ نے نہایت متانت و دیانت سے تحریر فرمائے ہیں جو اخبار العدل

میں احقر کی نظر سے گذرے۔ احقر نے تعمیماً للفائدہ مناسب سمجھا کہ رسالہ ہذا میں حضرت مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات کے بعد ان جوابات کو بھی شائع کر دیا جاوے اور احقر معترض صاحب سے بجز اسکے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ ؎

گفتگو آئینِ درویشی نبود ٭ ورنہ باتو ماجراہا داشتیم

(بندہ ظہور الحسن غفرلہ)

جواب از حضرت حکیم صاحب موصوف

ہرکس از دستِ غیر نالہ کند ٭ سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے پیر و مرشد سے بڑھکر زمانہ حال میں کسی اور کو زیادہ بزرگ نہیں جانتا۔ مولف رسالہ ہو الحق المبین محمد بشیر صدیقی میرٹھی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی کے ایک رسالہ اشرف التنبیہ سے مجذوب وغیرہ الفاظ اور واقعات کو لیکر حضرت گنج مرادآبادی کی شان میں توہین آمیز سمجھکر یہ رسالہ شائع کیا طرز تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مولف صاحب کو مولانا تھانوی سے ایسی سوء عقیدت ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے بزرگوں کو بھی نشانہ ملامت بنایا اور بیجا شور اور بیچینی لوگوں میں . . . . . پیدا کر دی۔ کاش کہ اشرف التنبیہ کی پوری عبارت نقل فرماتے تو اہل فہم کو رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ میں کس بزرگ سے سلسلہ رکھتا ہوں۔ سُنئے یہ ناچیز اور میری والدہ مرحومہ اور عم بزرگوار و دیگر خاص اعزہ حضرت گنج مرادآبادی کے خادم ہیں۔ میرا قیام بزمانہ طالب علمی لکھنؤ میں زیادہ رہا۔ حضرت کی خدمت میں گنج مرادآباد اکثر حاضر ہوا کیا۔ نیز قیام بھی کیا۔ والد

حب مرحوم دہلی میں انسپکٹر تھے ۔ میں مشکوٰۃ شریف اور نصف ترمذی شریف پڑھ چکا
یا کہ والد صاحب علیل ہوئے میں نے حاضری کی اجازت چاہی ۔ جواب آیا کہ ضرورت
یں اور یہ لکھا کہ میری روح تم سے جب ہی خوش ہوگی کہ تم فقہ و حدیث ختم کرلو گے
سرا خط انتقال کا آیا ۔ وطن گیا تو والدہ صاحبہ نے زور دیا کہ تم ملازمت کرو بغیر اسکے
م نہ چلے گا ۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب جناب والد صاحب مرحوم سے بہت خوش تھے
یڈ کانسٹبل کرنے کو تیار تھے ۔ میں عجب کش مکش میں پڑا کہ والدہ صاحبہ کی تعمیل کروں
جناب والد صاحب مرحوم کی وصیت پر عمل کروں ۔ فیصلے کے لئے گنج مراد آباد حاضر ہوا
ناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رح بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی
خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے ۔ ایک روز حضرت مولانا رح نے مولانا کانپوری سے
رمایا کہ تم منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑے ہو ۔ قاضی مبارک کی قبر کو دیکھو اور ایک فقیر
قبر کو دیکھو تو حقیقت معلوم ہو ۔ مولانا کانپوری رح اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ تدریس
دیث شریف شروع کردی ۔ مجھ کو اسکی خبر ہو چکی تھی ۔ لہٰذا میں نے گنج مراد حاضر ہوکر
پنے مرشد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رح سے پہلے یہ عرض کیا کہ سُنا ہے حضور نے حضرت
ولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح سے پڑھا ہے ۔ فرمایا ہاں ۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث
ریف سنکر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو ۔ مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سنکر فرمایا
ہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی ۔ بزمانہ طالب علمی اسوقت تک کھانیکا
نتظام بطور خود تھا ۔ دس روپیہ ماہوار والد صاحب مرحوم دیتے تھے اور اب والدہ
صاحبہ نے انکار کردیا کہ ملازمت نہ کروگے تو خرچ نہ دونگی ۔ میں نے سوچا کہ کانپور کے
درسہ میں کھانا ملتا ہے کسی کے دروازہ پر کھانا لینے کو جانا نہیں پڑتا طبعی امر ہے کہ

جو کام انسان کے کئے نہیں ہوتا وہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کو شرم معلوم ہوتی تھی کہ کیسے کسی کے دروازہ پر برتن لیکر کھانا لینے کو جاؤں گا جو مدارس میں دستور ہے خیال ہوا کہ جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری حضرت گنج مراد آبادیؒ کے معتقد ہیں حضرت گنج مراد آبادیؒ سے ایک خط مولانا کانپوریؒ کے نام لکھوالوں گا تو توجہ سے حدیث ختم کرادینگے۔ لہٰذا حضرت سے عرض کیا کہ یہ میری سرگذشت ہے حضور ایک خط مولانا کانپوری کے نام لکھدیں وہ حدیث ختم کرادیں۔ فرمایا کہ تم گنگوہ جاؤ۔ دوبارہ عرض پر فرمایا کہ ایک میں ہوں اور دوسرے رشید احمد تیسرے ایسا کوئی مل جائے تو ظلمت فلسفہ دور ہو جائے۔ تم گنگوہ ہی جاؤ۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید پر خیال کر کے گنگوہ حاضر ہوا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے میرے کھانے کا انتظام کرنا چاہا میں نے عرض کیا کہ میرے لئے نہ کیجئے اور میں نے تین ماہ کا خرچ خوراک پکانے والے کو اسلئے دیدیا کہ خرچ کم ہے یہ بھی صرف نہ ہو جائے۔ اب تو تین ماہ کھانے سے اطمینان ہو گیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے دریافت کیا کہ کیا خرچ ماہوار تمھارا آتا رہیگا۔ اس کا صاف صاف جواب میرے پاس کیا تھا مجمل عرض کیا۔ حضرت موصوف نے مولانا مسعود احمد صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ ان کا کھانا بٹیا کے یہاں مقرر کردو۔ جہاں سے روزانہ آدمی کھانا لاکر کھلا جاتا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کو جانتے ہو (یہ سنتے ہی مجھے حس ہوا کہ کھانے کا یہ انتظام حضرت گنج مراد آبادی کا طفیل ہے حالانکہ جب بٹیا کے یہاں کھانا مقرر ہوا تو طلبہ وغیرہ پوچھتے تھے کہ کیا تم مولانا محمود حسن صاحبؒ وغیرہ کا خط لائے ہو جو خاص جگہ کھانا مقرر ہوا ہے) میں نے عرض کیا کہ کیا حضور سے ملاقات ہے۔ فرمایا ملاقات ہی سی ہے۔ حضرت استاذی مولانا عبدالحیؒ

صاحب لکھنوی نے حضرت مولانا أستاذی گنگوہی رح سے محض مطالب حدیث کے متعلق استفسار فرمایا تھا۔ اسوقت تک یہ خطوط موجود تھے۔ القاب میں بزرگانہ الفاظ تھے۔ ایسی صورت میں اپنے مرشد جامع شریعت و طریقت اور حضرت لکھنوی کے خلاف میں کس زبان سے حضرت گنگوہی رح کو (معاذاللہ) میں برا کہوں اور کس سیاہ قلب سے برا جانوں۔ مولف صاحب کو ہمارے حضرت گنج مرادآبادی رح کی صحبت کیمیا اثر کا اتفاق نہیں ہوا وہ تو کسی کو برا نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز میں نے غور کیا کہ حضرت گنگوہی رح نہ معلوم کس درجہ کے بزرگ ہیں جو حضرت مرشدی ایسی تعریف فرماتے ہیں خواب میں دیکھا کہ حضرت فخر عالم و آدم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لئے جاتے ہیں اور حضرت گنگوہی ان کے پیچھے قدم بقدم جارہے ہیں (سبحان اللہ) کیا شان تھی۔ جناب مؤلف صاحب (خدا محفوظ رکھے) کاذب پر لعنت آتی ہے اور جھوٹ صرف اسی کا نام نہیں کہ خلاف واقعہ بیان کرے بلکہ بلا تحقیق سنی سنائی باتوں کو بیان کرے وہ بھی جھوٹ ہے کفیٰ با المرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ آمدم برسر مطلب۔ (اب مؤلف صاحب کے اعتراضوں کا صحیح جواب ملاحظہ ہو) (۱- صکے) (اعتراض اول) رسالہ اشرف التنبیہ میں اعلیٰ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غیر منتظم ثابت کرنیکی کوشش کی الخ۔ جواب مولانا تھانوی سلمہٗ ربہ کے کلام میں شائبہ تک بھی نہیں جس کے یہ معنی ہوں کہ غیر منتظم ثابت ہونے کی کوشش کی گئی ہے۔ صحیح صحیح واقعہ ہے جو میرا مشاہدہ ہے۔ اہل فہم ناظرین کیلئے اصل عبارت اشرف التنبیہ نقل کرتا ہوں:-

حکایت[۵] (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیا دار بھی منتظم اور غیر منتظم دنیا میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے

---

۵ رسالہ ہذا میں اس حکایت کا نمبر ۳۷ ہے ۱۲

اور بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے۔ مولنا فضل الرحمٰن رح کے یہاں حساب کی کوئی
یادداشت ہی نہ تھی۔ ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا جو وہ بتلا دیتا تھا وہ
آپ دیدیتے تھے۔ آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے۔ اور ہمارے مولنا گنگوہی نے جو وصیت
نامہ لکھا ہے تو اسمیں یوں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمّے میں قرض نہیں ہوا کرتا ہے حالانکہ
مولانا کے یہاں بھی اوّل اوّل فاقے ہوئے ہیں مگر منتظم بڑے تھے (اشرف التنبیہ
جناب میرٹھی صاحب! ہر بے انتظامی تو نقص نہیں ہے۔ جس عدمِ انتظام
یہاں ذکر ہے یہ تو زیادہ بزرگی کی دلیل ہے کہ اموال ومتاع سے قلب کو کوئی تعلق
نہ تھا اسکی بھی پرواہ نہ تھی کہ بقال کے پاس حق واجب سے زیادہ نہ چلا جائے۔ پس
جب شروع ہی کلام میں تصریح ہے کہ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں منتظم اور غیر منتظم
اور اقسام پر مقسم کا صادق آنا ضروری ہے تو بزرگی کی تو اسمیں تصریح کردی۔ پھر
تنقیص کا احتمال کہاں رہا۔

۲، (صفحہ ۵ اعتراض دوم) مولانا اشرف علی صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن
صاحب رح کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی (مولانا تھانوی
نے) اس مقام پر نیز صـ ۱۹ و صـ ۲۵ میں قطب الاقطاب گنج مرادآبادی کی شان میں
مجذوب کے لفظ سے تنقیص کی۔ یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ مجذوب بے تکی ہانکا کرتے
ہیں۔ جواب۔ ابتک نہوئے مغز سخن سے آگاہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
ان حکایتوں میں مجذوب کا لفظ ضرور ہے اس سے تنقیص سمجھنا اور مجذوب کا بے تکی
ہانکنا یہ آپ (مؤلف) کی سمجھ کا بے تکا پن اور حسد وعناد ہے۔ مولانا تھانوی نے
گنج مرادآبادی کے نام نامی پر جابجا رحمۃ اللہ علیہ اور کسی حکایت میں مولنا فضل الرحمٰن

صاحبؒ کو مجذوب صاحب حال لکھا۔ اور کہیں یہ الفاظ ہیں کہ ان حضرات کے اندر عقل کامل بھی ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہیں عرفاء و عقلاء۔ ان اوصاف کے ساتھ یہ بھی لکھا حالانکہ مجذوب تھے مگر یہ بات کیسی حکمت کی کہی الخ۔ مؤلف صاحب کی فہم سقیم الفاظ کے معنی سمجھنے میں اگر یہی ہے تو عجب نہیں کہ کلام مجید سے "نادانا نوحؑ" کا ترجمہ یہ فرمائیں کہ معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام نادان تھے۔ آپ مولنا تھانوی سے اعتراض دوم کے تحت میں سوال کرتے ہیں کیا مجذوب مطلق کے اندر یہ صفات (متذکرہ مؤلف) آپ دکھا سکتے ہیں۔ جب مولانا نے مجذوب لکھا ہی نہیں تو جواب کیا دیا جائے۔ اہلِ علم و فہم تو مجذوب کو بزرگ ہستی جانتے ہیں۔ انکی شان والا میں بے تکی ہانکنے کا خیال تک سخت بے ادبی جانتے ہیں آج آپ (مؤلف صاحب) کا عقیدہ معلوم ہوا کہ آپ معاذ اللہ مجذوب کو پاگل جانتے ہیں۔ سنئے مجذوب ہونا نقص نہیں ایک شان ہے بزرگی کی۔ بلکہ بعض وجوہ سے اپنے مقابل ہمعصر مسلمان سے افضلیت ہے وہ یہ کہ ان حضرات کو مشاہدہ محبوب میں ہر وقت استغراق رہتا ہے اور ایسی حالت میں جو علوم ان سے ظاہر ہونگے وہ محض الہامات اور موہوب ہونگے قوتِ فکریہ کا نتیجہ نہ ہوگا۔ تو یہ کمال ہے نہ نقص۔ مزید یہ کہ مولانا تھانوی کے کلام میں خود اسکی تصریح ہے کہ ان حضرات میں عقل کامل بھی ہوتی ہے جس میں صاف صاف دلالت ہے کہ مجذوبیت اور عاقلیت میں تنافی نہیں بلکہ مجذوبیت خود سنتہ اللہ میں کمال عقل کو مستلزم ہے۔ اللھم احفظنا من التعامی۔

حضرت گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ فتاوی کے جواب میں اور تعلیم حدیث شریف وغیرہ میں مفتی محقق و محدث مدقق تھے۔ اور استغراقی حالت میں محویت الی المحبوب۔

فتووں کا جواب (اگرچہ سوال اُردو میں ہو) فارسی ہوتا تھا۔ ایک شخص نے لکھا کہ سوم (تیجا) دہم چہارم وغیرہ کرنا کیسا ہے۔ جواب آیا کہ "ایں امور در شرع شریف وارد نہ شدہ"

فضل رحمن

اکثر قرآن مجید تصحیح فرما کر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چوتھا پارہ آپ دیکھ رہے تھے جب قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی پر ایک شخص کی نظر پڑی تو عرض کیا اسکے کیا معنی ہیں۔ فرمایا حضور سے حکم خداوندی ہوا کہ تم کہدو کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری چال چلو۔ انتہیٰ۔ یہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ مولانا تھانوی کی ملاقات میں استغراقی حالت غالب ہوگی اسلئے مجذوب لکھدیا۔ پھر محض مجذوب نہیں لکھا صفات علمی و فضائل و کمال تھے ان کو بھی ذکر فرما دیا۔ اسی مقام پر فرمایا کہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ مؤلف صاحب صفت حکمت حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان سے ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں ارشاد خداوندی ہے وآتاہ اللہ الملک والحکمۃ قرآن مجید میں ہے ومن یوتی الحکمۃ الآیۃ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جو کوئی حکمت دیا گیا پس تحقیق وہ خیر کثیر کر دیا گیا۔ مولانا تھانوی کے لسان وجنان میں حضرت گنج مرادآبادیؒ کی جو عظمت ہو اس کا عشر عشیر بھی آپ کو نصیب نہیں ؎

دعویٰ کیا تھا گل نے کل تیرے رنگ و بو کا ؎ دھوئیں صبا نے ماریں شبنم نے مُنہ پہ تُھوکا

رسالہ ہو الحق المبین کے صفحہ ۹ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ ہمنے اپنے اعتقاد کی بنا پر حضرت شاہ امداد اللہ صاحب کا نام نامی استناداً پیش کیا ہے۔ آپ (مولانا تھانوی) کے نزدیک تو شاید ان کا نام لینا بیکار ہوا اسلئے کہ آپ اور آپکے گروہ گنگوہی صاحب تو

حضرت حاجی صاحب کو جاہل لکھ رہے ہیں (تذکرۃ الرشید حصہ اول) الخ مؤلف صاحب کو اپنی زبان کو فوارۂ لعنت اور دہان کو سنڈاس بنانا مبارک رہے۔ تہذیب مذہبی و تربیت مرشدی مانع نہ ہوتی تو جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا۔ علیہ ما یستحقہ۔ مؤلف کی فہم سقیم کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ تذکرۃ الرشید کا سمجھنا جاہل کا کام نہیں ہے محض جہلاء کو معتقد اور خوش کرنے کے لئے مؤلف صاحب اپنے کو حضرت حاجی صاحبؒ کا معتقد بتاتے ہیں ورنہ محض نفاق ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی شان میں حضرت حاجی صاحبؒ ضیاء القلوب میں تحت عنوان کلماتِ پند و صیت ارشاد فرماتے ہیں:۔ "و نیز ہر کس از یں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ او شاں بجائے من و من بمقام او شاں شدم و صحبتِ او شاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمت ایشاں بابرکت فیضیاب بودہ باشند و طریقِ سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند اللہ تعالیٰ در عمر ایشاں برکت دہاد و از تمامی نعماء عرفانی و کمالات قرب خود مشرف گرداناد و مراتب عالیات رسانا دو از نور ہدایتِ شاں عالم را منور گرداناد و تا قیامت فیض او شاں جاری داراد۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ والامجاد"۔

اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ حضرت گنگوہیؒ کی عظمت حضرت حاجی صاحبؒ کے نزدیک کس قدر ہے جاہل سے جاہل اور احمق سے احمق بھی حضرت کا معتقد ہو کر حضرت گنگوہیؒ کو برا نہیں کہہ سکتا۔

اعتراض سوم ۔ ص۹ پر مولف نے لکھا ہے کہ جہاں حاجی صاحبؒ قبلہ قیام فرماتے تھے معتبر سُنا گیا ہے کہ تھانوی صاحب نے اس جگہ پاخانے بنوائے ہیں۔ عیاذاً باللہ۔

جواب ۔ مؤلف کا اصل مقصد تو اعتراض ہے گو کیسی ہی کذب صریح مشاہدہ کے خلاف ہو اس سے بحث نہیں۔ حضرات ناظرین جا کر مشاہدہ فرمائیں کہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ اصلی صورت پر اب تک موجود ہے بلکہ اسکی چوکھٹ و کواڑ تک مولٰنا تھانوی کو

بدلنا گوارا نہیں ہوا۔ حالانکہ بدلنے کی حاجت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حجروں میں تنگی تھی اس زمانہ کے پائخانہ کو حجرہ بنوا دیا اور پائخانہ دوسری جگہ بنوا دیا۔ اب فرمائیے کہ حجرہ پائخانہ بنوایا ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) یا پائخانہ کا حجرہ۔ جیسا کہ مؤلف حدحب بے تکی ہانکتے ہیں کہ حجرہ کا پائخانہ بنایا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اعتراض چہارم ص۱ اس روایت میں مولوی صاحب گنگوہی کا تقویٰ سند حدیث دینے میں احتیاط کرنا اور حضرت مراد آبادیؒ پر اعتراض جڑا گیا ہے کہ وہ سند حدیث دینے میں غیر محتاط تھے اور فرائض و واجبات پر بھی نکیر نہ فرماتے تھے۔ نیز ان کے بعض مریدین کو ڈاڑھی منڈا کہکر غیر متشرع بنایا اور اسکا الزام حضرت مولانا قدس سرہ لگایا اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے۔ جواب اصل عبارت ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا۔ کہ ایک مولوی صاحب مولانا گنج مراد آبادیؒ کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد۔ حافظہ بہت اچھا تھا مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ بلکہ ڈاڑھی والوں کی مذمت بیان کرتے تھے۔ یہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے۔ مولانا نے فرمایا آپ کو سند حدیث دینا جائز نہیں ہے۔ بس فوراً چلے گئے اور مولانا گنج مراد آبادی جاکر سند لے لی اور حضرت گنگوہیؒ کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تو کیا ہمکو ملی نہیں ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنج مراد آبادیؒ کے یہاں غلبۂ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی ورنہ فرائض واجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایکمرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھدیا تو اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مرید تھے اور اسپر التفات نہ تھا مولانا مجذوب تھے (اشرف التنبیہ)

ناظرین غور کرلیں اس عبارت میں اعتراض اور الزام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی کا مقولہ نقل فرمایا ہے جن کی کمال بزرگی کی تصدیق حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں۔ قلندر رہرچہ گوید دیدہ گوید۔ میں نے بھی بزرگوں کا طرز عمل مختلف دیکھا ہے۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ بعض حضرات یہ خیال فرماکر کہ اگر مرید نہیں کرتے تو

جاہل بیدین کا مرید ہو کر فاسد العقیدہ تک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا نام بتلادیں اسکی برکت سے اصلاح ہو جائے کیا عجب ہے اور بعض حضرات یہ خیال فرما کر کہ جب اسکی گواہی شرعاً مقبول نہیں ہم کیوں رعایت کریں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر بزرگ فرماتے ہیں اس سے مولانا کو انکار کب ہے غلبۂ استغراق میں معذور ہیں۔ حضرت گنج مرادآبادی پر اعتراض کب فرمایا ہے یا الزام کب دیا ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کے مؤلف صاحب معترف ہیں اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانوی کے سخت مخالف حالانکہ یہ سب حضرات مسلکاً و مشرباً و مذہباً کنفس واحدۃ ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ کذب صریح ہے۔

ایک اور الزام۔ مولف صاحب اپنے رسالہ کے صد۱۳ پر لکھتے ہیں۔ مولوی صاحب گنگوہی کی سند حدیث میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اسماء گرامی موجود ہیں اور ان کا شجرۂ طریقت حضرت حاجی سے چلتا ہے اور یہ تینوں حضرات محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے خود کرتے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت صلوٰۃ و سلام کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ جیسا کہ متعدد تحریرات سے ثابت ہے الخ

جواب۔ حضرت حاجی صاحب کی تحریر میں ضرور لکھا دیکھا ہے کہ مجھ کو قیام میں لذت آتی ہے اگر آپ سچے ہیں تو کسی معتبر کتاب یا تحریر میں دکھلائیے کہ یہ تینوں حضرات میلاد شریف خود کرتے تھے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت صلوٰۃ و سلام کھڑے ہو کر پڑھتے تھے محض میلاد کا ثبوت نہ ہو دونوں باتیں ہوں۔ ورنہ مؤلف صاحب جہلاء کے خوش کرنے کے لئے ناحق جھوٹ بول کر مورد لعنت بنتے ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ارشد شاگرد تھے۔ مگر ہمارے حضرت کے یہاں نہ کبھی مولود شریف مروجہ ہوا۔ نہ پیران طریقت کا عرس ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مولود شریف نہیں ہوتا۔ فرمایا روز ہوتا ہے۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھا اور فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مولود نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کیوں پڑھتے۔ ایک مولود خواں نے میرے سامنے عرض کیا کہ مولود شریف کرنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اولیائے کرام کے ذکر میں رحمت

نازل ہوتی ہے۔ آنحضرت کے ذکر کو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ بخاری شریف وغیرہ سے
صحیح صحیح روایتیں پڑھے۔ پھر قیامِ میلاد کو پوچھا۔ فرمایا تم تو جھک مارتے ہو (جھک
مارنے کا لفظ بالکل صحیح ہے۔ باقی الفاظ بھی معنی صحیح ہیں) ایک غیر مقلد نے قیامِ میلاد کو پوچھا
فرمایا آنحضرت کی محبت میں جو وجد کرے مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مولف صاحب حکیم
اُمت کی یہی شان ہے کہ جیسا سائل مریض ہو ویسا جواب عطا ہو۔ معلوم ہوا کہ جو حضور
پُرنور سے نہ ثابت ہو نہ صحابۂ کرام کا فعل ہو نہ ائمہ مجتہدین کا قول کتب معتبرہ فقہ میں منقول ہو
اس پر وجوب و سنت و مستحب کا شرعی حکم کیا دیا جائے۔ بزرگوں کا فعل ہے تشبہ بالصالحین کے
طور پر قیام کر لے یا مستحسن بعض اہل علم و طریقت سمجھے۔ جو صاحبِ حال ہو کر محبۃً قیام کرتے ہیں
اور ان کو لذت حاصل ہوتی ہے جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہمارے حضرت
گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی چونکہ جامع شریعت و طریقت تھے شرعی حکم کچھ نہیں دیا وجدانی
طور پر فرمایا کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مؤلف صاحب نے حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی
کا قول استناداً پیش کیا ہے اور محدث مانتے ہیں لہذا میلاد شریف اور قیام میں ان کا فتوی
بھی نقل کئے دیتا ہوں۔ حضرت استاذی مولانا عبد الحی صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

مسلمانا کہ ذکر مولد در زمانے از ازمنہ ثلثہ نبود پس میگویم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ کہ
کل فعل من افراد نشر العلم فہو مندوبٌ و ذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوب ال
دادہ خواہد شد و نیز ہمیں مسلک فقہائے متبحرین است و اہل فتاوی مستنبطین مثل ابو شامہ
و حافظ ابن حجر و سیوطی و شامی و امثال آں رفتہ اند و حکم بہ مندوب ذکر مولد دادہ اند حاصل مرام
اینکہ ذکر مولد فی نفسہ امر نیست مندوب خواہ بسببِ وجود او در خیر الازمنہ یا بسبب اندراجش زیر
سند شرعی او کسے ندبش را منکر نہ شدہ مگر یک طائفہ قلیلہ کہ ربُ النوع آں طائفہ تاج الدین
فاکہانی مالکی است و اورا طاقتے نیست کہ بمقابلہ علمائے مستنبطین کہ فتوی ندبش کردہ
دادند کندپس قولش دریں باب معتبر نیست۔ آرے اگر بحقیقت ذکر مولد کہ سابقاً گذشت
تحقیقات غیر مشروعہ و تشریعات غیر ماموره منضم شوند حکم ندب آں باقی نخواہد ماند لیکن ایں
امر نیست دیگر در نفس جواز مولد شکے نیست فقط واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات

ـد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (مختصراً از مجموع الفتویٰ) قیام کے متعلق بھی حضرت کا
وٰی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں "اگر کسی درآں وقت بحال وجد صادق بیریا و تصنع استادہ شود
ندرست از آداب صحبت است کہ حاضرین اتباع او سازند و بغیر حال وجد باختیار خود استادہ شدن
رض است و نہ واجب نہ سنت موکدہ و نہ مستحب بمعنی عرفی شرعی زیرا چہ از آنحضرت صلی اللہ
یہ وسلم منقول نشدہ و نہ در قرون ثلثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند بود امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ در احیاء
لوم می فرماید روی انس رضی اللہ عنہ انہ کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ
ی اللہ علیہ وسلم فی بعض الاحوال لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً قیام
رمایند و امام برزنجی رح در رسالہ مولد مینویسد فقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ
ریف ائمۃ ذو روایۃ فطوبیٰ لمن کان تعظیمہ صلے اللہ علیہ وسلم غایۃ مرامہ
مرامہ انتہی (مجموعۃ الفتاویٰ) (نوٹ) اگر فہم سلیم ہوتی تو فتاویٰ رشیدیہ کو غلط نہ سمجھتے۔

تراض پنجم۔ رسالہ اشرف التنبیہ میں مولانا تھانوی نے ایک حکایت نقل کی ہے اس سے یہ نتیجہ
لا کہ حضرت اقدس مولانا گنج مرادآبادی کا کشف دائمی نہ تھا اور ضمناً حضرتؒ کی نظر ظاہر پر بھی اعتراض
۔ بالوں والی ٹوپی اوڑھے ہوئے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ اسے ننگے سر نماز پڑھتا ہے) الخ

اب۔ مؤلف صاحب نے قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ کسی عالم سے
ہوتا یا کم از کم گلستان پڑھی ہوتی اور حکیم سعدیؒ کا وہ قول دیکھا ہوتا جس میں حضرت یعقوب علیہ
سلام کا مقولہ نظم کیا ہے تو اس قدر ظلمت جہل میں نہ پڑتے حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ؛ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ں مؤلف صاحب کیا حضرت سعدیؒ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تنقیص کی ہے خود دوام کشف
ی فرما دی۔ بندۂ خدا عقل کے دشمن نہ بنو۔ مخلوق خدا کو گمراہ نہ کرو۔ حضرت گنج مرادآبادیؒ کی اس میں
قیص ہے اس میں تو کمال محویت و توجہ الی المحبوب کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ تعامی سے بچائے مؤلف
حب نے جتنے اقوال سنداً تحریر فرمائے ہیں ان میں دوام کا ثبوت کب ہے۔

اض ششم۔ (صفحہ ۱۸) اشرف التنبیہ حکایت (نمبر ۱۵) یہ واقعہ سراسر غلط اور محض دروغ و افترا ہے
ت اقدس کے ایک پوتے کی برات بلگرام سے سندیلہ گئی اور بلگرام گنج مرادآباد شریف سے ۱۸ میل ہے

پوتے صاحب مرحوم بلگرام اپنے ننہال میں رہتے تھے مولانا قبلہؒ اپنے ہی مقام پر رہے اور دوسرے دو پوتوں کی شادیاں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہوئیں لہذا اس روایت کا بار ثبوت آپکے (یعنی حضرت تھانوی عم فیوضہ کے ذمہ ہے (ہذا ہو الحق المبین کی عبارت بقدر ضرورت ختم ہوئی)

الجواب۔ اشرف التنبیہ کی عبارت ملاحظہ ہو (حضرت تھانوی نے) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا ایکمرتبہ آپکے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے پوچھا کہ یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ آپکے پوتے کی شادی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا الخ۔ اہل فہم ملاحظہ فرمائیں کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ جو عزیز باہر مقیم ہوتا ہے اسکی شادی کی خبر سنکر وطنی اعزہ شرکت کیلئے جاتے ہیں اگر اسی طریق پر لوگ جمع ہو کر جاتے ہوں تو کیا مستبعد ہے حضرت تھانوی کا اپنا مشاہدہ تو نہیں نقل فرماتے اور اگر کسی نے آپسے غلط واقعہ بیان بھی کیا اور آپنے اسکو سچا مسلمان (حسن ظن کے طریق پر) سمجھکر اسکے قول کو صحیح سمجھکر نقل فرمایا تو افترا کیسے ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص کیا ہوئی المرء یقیس علی نفسہ کا مضمون ہے معترض صاحب چونکہ خود افترا کے عادی ہیں کہ در اصل پاخانہ کا تو حجرہ بنایا اور آپ برعکس بہتان باندھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ پاخانہ بنایا گیا۔

اعتراض ہفتم۔ صفحہ ۱۹ الخ۔ اشرف التنبیہ حکایت نمبر ۵۲۔ اس حکایت میں صرف اتنا سچ ہے کہ لفٹنٹ گورنر بہادر ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ باقی اس واقعہ کے متعلق جتنی باتیں حاکی نے بیان کی ہیں اکثر دروغ اور افترا ہیں۔ الخ

الجواب۔ اصل عبارت اشرف التنبیہ ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مرتبہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپنے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں۔ ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا اچھا ایک کرسی منگالینا۔ اور آپ لوگوں سے یہ کہکر بھول بھی گئے۔ یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھی۔ مولاناؒ نے ایک اُلٹے گھڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ بی تو اسپر بیٹھ جا (انتہی بقدر ضرورت) معترض کا یہ بیہودہ اعتراض بھی مثل سابق اعتراضوں کے ہے جس کا جواب ظاہر ہے معترض صاحب جو واقعہ لکھ رہے ہیں چشم دید تو ہوگا نہیں

ال سمعی ہے جس پر بعینہ یہی الزام عائد ہوتا ہے۔ معترض نے اس اعتراض میں آگے چل کر
رت تھانوی کو ایسے ناپاک الفاظ سے یاد کیا ہے کہ دیکھ کر قلب کانپ اٹھا تکاد
سمٰوٰت یتفطرن من فوقھن سچ ہے ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؛ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا لیکن غلیظ (قلب) میں ڈھیلا پھینک کر اپنے
ں کیوں کروں ؎

سنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد ؛ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

معترض اس اعتراض میں لکھتا ہے کہ ان کی (حضرت گنج مرادآبادی رح کی) تنقیص شان
لئے گرھنت گھڑی بھی تو کیسی انگڑھ (ایک میم صاحب کھڑی تھیں مولانا نے
اُلٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا) لاحول و لا قوۃ
اللہ العلی العظیم حضرت اقدس کا زہد و ورع اس درجہ تک بڑھا ہوا تھا کہ آپ نے
عمر بھر میں کسی غیر محرم عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا (انتہی)

اس معترض کی خداوندی عقل اور جہالت و ضلالت ہے کہ اُردو کی عبارت
تو خود نہیں سمجھتا اور کج فہمی سے سفید جھوٹ بولتا ہے اور بہتان باندھتا ہے۔
انا تھانوی نے کب لکھا ہے کہ حضرت مولانا رح معاذ اللہ غیر محرم کو دیکھتے تھے۔
ہم کلام ہونا شرعاً مذموم ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو عورتیں
ب وسوال کرتی تھیں۔ اگر اہل علم کی صحبت معترض کو نصیب ہوتی تو حضرت خولہ
ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ جو حضور پُرنور کے ساتھ پیش آیا سنا ہوتا (دیکھو
۲۸) حضرت تھانوی نے بقول معترض مولانا رح کی تنقیص شان نہ اشارۃً فرمائی نہ
یہ معترض کا قصور فہم ہے۔ لیس ھذا الا ضلال المبین۔

اِلحاق

احقر ظہور الحسن جامع اوراق ہذا عرض رسا ہے کہ دوران طبع جز رہذا میں حاضری تھانہ بھون کا

اتفاق ہوا وہاں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے نبیرہ صاحب کا (جنکا نام نامی خط ذیل کے ختم پر مذکور ہے) ایک خط جو حضرت حکیم الامۃ جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم کے نام تھا اور اس کا جواب بھی جو حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم کی طرف سے لکھا گیا تھا نظر پڑا۔ چونکہ کاتب یعنی نبیرہ صاحب موصوف بمخوائے الولد سر لابیہ اور مکتوب یعنی ان کے خط کا مضمون بمخوائے ع گفتِ انساں پارۂ انساں بود۔ اپنی شانِ خاص سے حضرت قدس سرہٗ یعنی صاحب تذکرہ کے حکماً مذکر تھے اسلئے اس تذکرہ حکمی کو تذکرہ حسیّہ کے ساتھ ملحق کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ وہو ہذا:۔

خط نبیرہ ممنا۔ محلہ درگاہ (ملاداں) ضلع ہردوئی۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ لائمۃ القضاء الاالا

اے لقائے تو جواب ہر سوال = مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

مجدد العصر حکیم الامۃ مربی اعظم زید مجدہٗ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مدت دراز سے عرض حال کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ہمیشہ یہ خیال مانع رہا کہ مستفید اور مستفیض میں کچھ نسبت تو ہونا چاہیئے۔ کہاں ایک فقیر بینوا اور کہاں ایک عالی مرتبہ بزرگ ذیشان۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بارہا عالم خواب و خیال میں حضور والا کی زیارت ہوئی مگر اسکو وہم و تخیل سمجھتا رہا۔ کل صبح عریضہ لکھنے کا قصد کیا معاً جناب والا کی شبیہ کو اپنے روبرو پایا۔ کلمات تسکین و تشفی زبان عالی سے ادا ہوتے ہوئے سُننے سوز و گداز نے عالم بیخودی پیدا کر دیا اور کچھ خبر نہ رہی۔ یہ آخری صورت اس طرح واقع ہوئی کہ باوجودیکہ تمام عمر مجھ کو زیارت اقدس کا اتفاق چشم ظاہر سے نہیں ہوا لیکن ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں امید ہو کہ شناخت کر سکوں حضور اقدس کی خدمت میں بصد ادب مستدعی ہوں کہ میرے واسطے دعائے خیر فرماویں امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ابواب رحمت کھولدے اسلئے کہ

آں دعائے بیخوداں خود دیگر است	آں دعا زو نیست گفت داور است
آں دعا حق میکند چوں او فناست	آں دعا و آں اجابت از خداست
واسطہ مخلوق نے اندر میاں	بیخبر زاں لا بہ کردن جسم و جاں
بندگانِ حق رحیم و بردبار	خوئے حق دارند در اصلاح کار

مہرباں بے رشوتاں یاری کناں ٭ در مقامِ سخت در روزِ گراں

مجھے یقین قطعی ہے کہ میری مشکل کو بجز ذاتِ گرامی کے اور کوئی شخص سارے ہندوستان میں دفع نہیں کرسکتا اسلئے کہ میرے عقیدہ میں حضور والا ہی زمانہ موجودہ میں قطب الہند ہیں اور صحیح معنی میں حضرت جد محترم مولانا فضل رحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے قائم مقام و جانشین ہیں اگر میرے حق میں دعا فرمائینگے تو یقیناً بابِ رحمت و فضل و کرم کھل جائیگا ۔

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ٭ فانی ست و گفتِ او گفتِ خداست

چوں خدا از خود سوال و گد کند ٭ پس دعائے خویشتن چوں رد کند

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بھی قریب قریب اسی کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے مجدد زماں بزرگان دین بے لوث اور بلاغرض ہمیشہ شکستہ دلوں کی دستگیری کی ہے مجھے اُمید ہے کہ میری مشکلات دینی و دنیوی آسان ہونے کے واسطے حضور والا بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائینگے۔ ورنہ کار صعب است مباد اکہ خطائے بکنم اپنی بے بضاعتی پر متاسف و متحیر ہوں ورنہ خود حاضر خدمت عالی ہوتا۔ جواب عریضہ مع خیریت مزاج عالی سرفرازی کا منتظر ہوں والسلام۔ عریضہ ادنیٰ خاکسار محمد فیاض نبیرہ اعلیٰحضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ محلہ درگاہ (ملاواں) ضلع ہردوئی۔

جواب از حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم۔ مکرمی سلمہٗ السلام علیکم نسبت کے متعلق جو لکھا ہے بڑی نسبت تو اسلام ہے جسکے اعتبار سے سب بھائی ہیں یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کون بڑا بھائی ہے کون چھوٹا بھائی ہے۔ اب اگر وہم بھی ہو تاہم علامت محبت ہے کبھی راعی کی طرف سے کبھی مرعی کی طرف سے کبھی دونوں کی طرف سے۔ دعا کی جو فرمائش کی ہے دل و جان سے دعائے صلاح و فلاح کرتا ہوں اگرچہ اسکا اہل نہیں مگر دعا کیلئے خود اہلیت ہی شرط نہیں عجز و نیاز کافی ہے۔ آگے جو کلمات میری حیثیت سے زیادہ لکھے ہیں ان کو فال نیک میں داخل کیا جاسکتا ہے البتہ حضرت قدس سرہ کیساتھ جو نسبت اپنے حسن ظن سے ظاہر فرمائی ہے اسکی نسبت تو یہی کہوں گا ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فال نیک بنادے تو رحمٰن کا فضل ہے دعا کا مکرر وعدہ کرتا ہوں اور اپنے لئے بھی دعا چاہتا ہوں والسلام

اشرف علی۔ از تھانہ بھون ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

الحمدللہ کہ رسالہ ہذا بخیر و خوبی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کو تمام ہوا۔

(۳۱) حضرت شاہ حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۸۳) فرمایا کہ حاجی محمد عابدؒ ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں میرے اُستاد مولانا فتح محمد صاحب انکی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیونکہ وہ اسوقت مہتمم مدرسہ کے تھے۔ اسوقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ اسوقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اُٹھ چکے تھے اس لئے اُن سے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ پھر میں گیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے میں نے عرض کیا اسکی حاجت نہیں میں ویسے ہی عرض کرلوں گا۔ فرمایا تم اپنے آپ کو ڈپٹی صاحب پر قیاس کرتے ہوگے کہاں وہ دنیادار کہاں تم نائب رسول۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ شخص تھے جو اپنے مجمع میں سب سے اخیر درجہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حکایت (۳۸۴) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہوگیا اور مقابلہ میں بُرا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہوگئے دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالبعلم رہتا تھا خود تشریف لیگئے اور اُن طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولنا معاف کر دیجئے۔ آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ ابتو اُمید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے سچ ہے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ٭ تہی خمخانہا کردند و رفتند

حکایت (۳۸۵) فرمایا کہ میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سُنا ہے کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا۔ یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے۔ وہ شخص حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے ایک تعویذ دیدو۔ میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے۔ حاجی صاحب نے اسکو تعویذ دیا۔ کہ اس کو پگڑی میں رکھ لینا۔ جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا۔ ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا تو اُس نے کہا کہ ٹھہر جائیں۔ دیوبند والے حاجی کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں پھر پوچھنا۔ ڈپٹی صاحب اس پر ہنسے کیونکہ وہ عملیات کے معتقد ہی نہ تھے۔ جب وہ تعویذ لے آیا تو ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھ کیا پوچھے ہے اور دیکھ حاجی صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (پگڑی دکھلادی) ڈپٹی صاحب نے وہ مقدمہ قصداً بگاڑا لیکن جب فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں معذرت کو حاضر ہوئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر ہوتا ہے بعض اوقات جب معمول پر اس کا اثر ہوتا ہے تو دماغ صحیح نہیں رہتا۔ جب دماغ درست نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حکایت (۳۸۶) فرمایا کہ میرے ایک عزیز دیوبند کے رہنے والے کہتے تھے کہ میری پھوپی جب شروع میں دلہن ہونے کے زمانہ میں اپنے میکہ آئی تو انھوں نے اپنا دوپٹہ الگنی پر ڈال دیا۔ اُسے کوئی لے گئی۔ عورتیں بوجہ عقیدت کے اُس زمانہ میں ایسی بفکر تھیں بولیں کہ کچھ ڈر نہیں ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب سے کہلا بھیجو وہیں آجائیگا چنانچہ حاجی صاحب سے کہلا بھیجا۔ انھوں نے ایک تعویذ دیکر فرمایا کہ الگنی ہی پر آجاویگا۔ چنانچہ دوپٹہ وہیں آگیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا سُنا ہے کوئی جن وغیرہ تابع تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۴۲) جناب نواب وزیرالدولہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب وزیرالدولہ پر غدر میں الزام لگایا تھا کہ انھوں نے بھی شاہِ دہلی کے یہاں درخواست بھیجی تھی کہ جو کام میرے لائق ہو مجھے سپرد کیا جاوے میں خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ ابھی صفائی نہ ہوئی تھی کہ آگرہ میں وائسرائے کا دربار ہوا جس میں والیانِ ریاست اور رؤسا مدعو تھے! اور مقصود اس سے والیانِ ریاست اور رؤسا کا امتحان تھا۔ اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا نواب وزیرالدولہ اسی پر جم گئے کہ میں جمعہ چھوڑ کر دربار میں نہ جاؤں گا۔ جب یہ خبر نواب یوسف علی خاں والی رامپور اور سکندر بیگم والیہ بھوپال کو ہوئی تو یہ دونوں آئے اور آکر سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ پھر آپ پر الزام بھی قائم ہے اسلئے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں یہ ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کیلئے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں۔ القصہ انھوں نے کسی طرح ترک جمعہ منظور نہیں کیا اور چٹھی لکھدی کہ آج جمعہ ہے اور مجھے نماز جمعہ میں شریک ہونا ہے اسلئے میں حاضری دربار سے معذور ہوں۔ اس چٹھی کا جواب آیا کہ اگر ہمیں یہ پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کھولتے۔ مگر اب اعلان ہو چکا ہے اسلئے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا۔ آپ نماز جمعہ پڑھیں آپ کے لئے دربار خاص منعقد کیا جاویگا۔ یہ مضمون بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ وزیرالدولہ کی یہ حالت کیوں تھی۔ اس کا سبب محض یہ تھا کہ انہوں نے خاندان شاہ عبدالعزیز کی خاک چاٹی تھی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمد اسمعیل

صاحب کاندھلوی والد جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب سے بھی سُنا ہے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی سے بھی سُنا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیرالدولہ کے شاگرد تھے۔

حاشیہ حکایت (۳۸۷) قولہ۔ اس کا سبب محض یہ تھا الخ۔ اقول۔ ھو کما قال سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ ؎

ہر کہ مرید سیّد گیسو دراز شد ؎ واللہ خلاف نیست کہ عشقباز شد

وقال آخر ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد ؎ فی الحال بصورت طلا شد

حکایت (۳۸۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ نے بیان فرمایا کہ سیّد صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سیّد امیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھے یہ صاحب نواب وزیرالدولہ کے مقرب تھے۔ اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب صاحب نے وعدہ فرما لیا۔ مگر کسی وجہ سے اس کا ایفا نہ ہو سکا۔ اسپر سیّد امیر علی صاحب کو غصّہ آیا اور سرِ دربار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا۔ نوابصاحب کا طرف دیکھئے کہ کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئے۔ اسکے بعد جو سید صاحب کے عزیز و اقارب ریاست میں موجود تھے نواب صاحب اُن کے پاس گئے اور ان سے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا ملال نہیں ہوا۔ انھوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ میرے جوتے مار لیتے تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا۔ مگر اُن سے ذرا اتنا کہدیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اس میں

وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سر دربار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے اسلئے وہ دربار میں اس کا لحاظ رکھیں۔ اور تنہائی میں انھیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے ماریں۔

حاشیہ حکایت (۳۸۸) قولہ۔ اگر وہ میرے جوتے مار لیتے، الی قولہ، مگر ان سے ذرا الخ۔ اقول۔ یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں ایک ایک کا منفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں۔ باقی ان بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا ورنہ بدون اس عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں دشت

حکایت (۳۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب وزیر الدولہ سید صاحب سے بیعت تھے۔ اور ان کو سید صاحب سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لا رہی تھیں۔ تو نواب صاحب نے حکم دیا تھا۔ کہ جب وہ فلاں مقام پر پہنچے کو ہوں تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ تاکہ میں ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے وہاں پہونچ جاؤں (یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس تھا) چنانچہ ایسا ہی کیا گیا او نواب صاحب اس مقام پر پہونچ گئے۔ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لائی ہیں تو نواب صاحب نے ایک طرف سے انکی پالکی کا بانس اپنے کندھے پر رکھا اور ٹونک تک برابر اپنے کندھے پر لائے۔ اس قصہ کو مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی نے بیان کیا ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۸۹) قولہ۔ پالکی کا بانس الخ۔ اقول۔ یہ ہے فنائے کامل اور یہ رؤسا ہیں نمونہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے۔ باقی بی بی صاحبہ کو اس کا گوارا کرنا یا تو نواب صاحب نے ایسا اہتمام فرمایا ہو کہ ان کو اطلاع نہ ہوئی ہو یا ان

ممانعت کو نواب صاحب نے مانا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ کیا کرتیں اگر کوئی مرد ہوتا تو پالکی سے باہر آجاتا مگر وہ پردہ دار کیا کر سکتی تھیں۔ (شت)

حکایت (۳۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب یوسف علی خاں والی رامپور بہت خوش مزاج آدمی تھے۔ مگر نہ عقیدہ اچھا تھا نہ عمل۔ چار ابرو کا صفایا رکھتے تھے۔ جب آگرہ میں دربار ہوا تو اس میں شرکت کے لئے نواب وزیر الدولہ بھی گئے تھے اور نواب یوسف علی خاں بھی۔ چونکہ نواب وزیر الدولہ بہت سیدھے اور نیک تھے اسلئے نواب یوسف علی خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ چلو وزیر الدولہ کو بنائینگے۔ اور یہ امر آپس میں طے کر کے وزیر الدولہ کے پاس پہنچے۔ نہیں معلوم وزیر الدولہ کو کشف ہوا یا فراست سے انھوں نے ان کا خیال معلوم کر لیا۔ غرض انھوں نے ان کو مذاق کا موقعہ نہیں دیا۔ اور خود ہی گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کا ظاہر اچھا بنایا ہے اور بعض کا باطن۔ میرا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور اسقدر اچھا ہے کہ اُسپر کسی کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں۔ مگر میرا قلب نہایت گندہ اور ناپاک اور سخت مکروہ و خبیث ہے۔ اور بھائی یوسف علی خاں کا باطن تو ایسا ہے جیسا میرا ظاہر اور انکا ظاہر ایسا ہے جیسا میرا باطن۔ یہ سنکر یوسف علیخاں مبہوت سے رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ تھوڑی دیر خفت مٹانے کے لئے بیٹھے رہے اور اسکے بعد اٹھکر چلے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی اور مولوی نور محمد صاحب مراد آبادی سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۹۰) قولہ۔ بھائی یوسف علی خاں کا باطن الخ۔ اقول۔ یہ ہے عمل اس ارشاد پر ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں وما یلقاھا الا الذین

صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم ۰ اور نیز اس میں بین دلیل ہے اسکے مصداق ہونے کی ۔

مرا پیر دانائے روشن شہاب ؛ دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش ؛ دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(نشت) (منقول از امیر الروایات)

(۳۳) جناب نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خاں صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جلسہ میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہو جائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جاوے۔ میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خاں صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سنکر ناراض ہوئے۔ مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر عمامہ ڈالدیا اور پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جسقدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے بتلا دو۔ میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے

غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا۔ یہ قصہ بیان کر کے خاں صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اسوقت بھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

حاشیہ حکایت (۳۹۱) قولہ۔ پاؤں پر۔ الی قولہ۔ مجھے تبلادو۔ اقول۔ کیا انتہا ہے اس للّٰہیت کی ایسے بزرگ پر کب گمان ہو سکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہوں۔ قولہ جھوٹ بولا۔ اقول۔ چونکہ اسمیں کسی کا ضرر نہ تھا اسلئے اباحت کا حکم کیا جاویگا (شت)

حکایت (۳۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے تھے کہ میں نواب قطب الدین خاں صاحب کی خدمت میں ہفتہ میں ایکمرتبہ حاضر ہوا کرتا تھا ایکمرتبہ نواب صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب ایک ہفتہ کا فراق تو بہت ہے۔ میں نے ہفتہ میں دومرتبہ جانا شروع کردیا۔ پھر فرمایا کہ حاجی صاحب چاردن کا فراق تو بہت ہے میں نے تیسرے دن جانا شروع کردیا۔ ایک روز فرمانے لگے کہ حاجی صاحب میں شاہ اسحٰق صاحب سے بھی بیعت ہوں اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے بھی۔ مگر میں ہمیشہ اعمال مسنونہ ماثورہ ہی میں مشغول رہا اور تصوف کی طرف مجھے کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ اس وقت وہ حضرات تو ہیں نہیں اور میں بڈھا ہوگیا ہوں اب مجھ سے محنت بھی نہیں ہوسکتی آپ مجھے کوئی ایسا کام تبلادیں جو میں کرلیا کروں۔ میں تو خاموش رہا۔ اتفاق سے اسوقت مولوی محمد یعقوب صاحب کے داماد مرزا امیر بیگ بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے فرمایا کہ آپ کثرت سے استغفار پڑھا کیجئے۔ یہ سنکر نواب صاحب خاموش ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۳۹۲) قولہ۔ آپ مجھے کوئی ایسا کام۔ اقول۔ ایسے اکابر کا حضرت حاجی صاحب کو شیخ سمجھنا تھوڑی بات نہیں۔ قولہ۔ مرزا امیر بیگ الخ۔

اقول میں نے بھی اپنے والد صاحب مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں انکی زیارت کی ہے(اشتہ)

حکایت (۳۶۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین صاحب دف کو بھی ناجائز کہتے تھے۔ ایک مرتبہ میری انکی اس بارہ میں گفتگو ہوئی اور یہ گفتگو ہمارے دروازہ میں ہوئی۔ میرے گھر میں جب معلوم ہوا کہ دف کے جواز و عدم جواز میں گفتگو ہو رہی ہے تو انھوں نے مجھ سے گھر میں بلا کر کہا کہ نواب صاحب کو گھر میں بلا لو میں پردہ ہوئی جاتی ہوں۔ میں اُن سے اس بارہ میں گفتگو کرونگی۔ وہ پردہ ہو گئیں اور میں نے نواب صاحب کو گھر میں بلالیا۔ جب وہ گھر میں آئے تو میرے گھر میں سے نواب صاحب سے کہا کہ نواب صاحب آپکو یاد ہوگا کہ جب میں بچی تھی تو ایکروز آپ مجھے گود میں لئے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ میں ایک ڈھپڑی تھی (جو بچے گھڑے وغیرہ کے گھیرے پر جھلی منڈھ کر بنا لیا کرتے ہیں) اسوقت ابا جان (شاہ اسحٰق صاحب) بیمار تھے اور زمین پر ایک روئی کے گدیلے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپنے مجھے ابا کے پاس لیجا کر بٹھا دیا اور میں وہاں بیٹھ کر ڈھپڑی بجانے لگی سو کبھی تو میں اُسے زمین پر رکھکر بجاتی تھی اور کبھی ہاتھ میں لیکر۔ جب میں زمین پر رکھ کر بجاتی تو ابا اسکو اُٹھا کر میرے ہاتھ میں دیدیتے اور زمین پر رکھ کر نہ بجانے دیتے آیا یہ واقعہ ٹھیک ہے۔ نوابصاحب نے اسکی تصدیق کی۔ تب میرے گھر میں کہا کہ اس سے ثابت ہے کہ آپکے اُستاد ڈھول کو ناجائز کہتے تھے۔ اور دف کو جائز۔ کیونکہ جب میں اسکو زمین پر رکھدیتی تھی تو وہ دونوں طرف سے بند ہو کر ڈھول کی طرح ہو جاتی تھی اور جب میں لیتی تو وہ ایک طرف سے کھُلکر دف ہو جاتی تھی۔ نواب صاحب ان کے اس استدلال کو سنکر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔

حاشیہ حکایت (۳۹۳) قولہ۔ بند ہوکر ڈھول کی طرح۔ اقول۔ سبحان اللہ شاہ صاحب کے فعل کی حقیقت کو کیسا سمجھیں (فائدہ) یہ محقق ہوگیا کہ جواز دف کی شرط یہ ہے کہ تطریب یعنی گت سے نہ بجایا جائے (رشت) (منقول از امیر الروایات)

(۴۳) جناب نواب مصطفٰے خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۹۴) خانصاحب نے فرمایا نواب مصطفٰے خاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اوّل ہیں۔ نواب صاحب کا عہد شباب ایسا ہی تھا جیسا کہ عموماً نوجوانوں اور امراء کا ہوتا ہے۔ طوائف سے اختلاط رکھتے۔ خصوصاً ایک طوائف رجو کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ تعلق اسوجہ سے اور بھی بڑھ گیا تھا کہ نواب لوہارو جو والی ملک تھے رجو پر عاشق ہوئے۔ اور اس سے شب باشی کی درخواست کی رجو نے صاف انکار کردیا۔ انھوں نے صرف ایک قیام نیم شبی کے لئے سوا لاکھ روپیہ دینا منظور کیا۔ مگر رجو نے نہ مانا۔ دوسری طوائفوں اور اس کی دلالہ نے اسے ہرچند سمجھایا اور کہا کہ تیرا نام ہوجائیگا کہ فلاں والیٔ ملک نے تجھے سوا لاکھ روپیہ میں ایک شب کے لئے بلایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑھ چڑھکر طوائفیں اور بھی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ والی ملک سوا لاکھ روپے مجھے ہی کیوں دیتا ہے۔ یہ درحقیقت مجھے نہیں دیتا۔ بلکہ نواب مصطفٰے خاں کی عزت کو دیتا ہے اور اسکی عزت میرے نزدیک سوا لاکھ سے کہیں زیادہ ہے اسپر نواب صاحب کو رجو کا اور بھی عشق بڑھ گیا۔ جب وہ مری ہے تو نواب صاحب کے بازو پر اسکا سر تھا۔ نواب صاحب پر اس کا بے انتہا صدمہ پڑا جس سے وہ دیوانہ وار سر و پا برہنہ گلی کوچوں میں پھرتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خانقاہ

کے سامنے جا نکلے۔ حضرت شاہ صاحب کی نگاہ ان پر پڑ گئی اور نظر پڑتے ہی نواب صاحب کو اچانک کچھ ہوش سا آ گیا۔ گھر واپس آکر غسل کیا کپڑے بدلے اور ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنکر خادم کو حکم دیا کہ مجھے قیدی کی طرح شاہ صاحب کی خدمت میں لے چل چنانچہ اسی حالت سے پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب نے شفقت سے بٹھلایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کا زیور آ ہنی اُتارا۔ اور بیعت فرمایا اور بہت جلد نواب صاحب اپنی قابلیتِ باطنی کے سبب درجاتِ کمال پر پہنچے۔ اور نہایت ذی الادراک بزرگ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا تھا کہ نواب صاحب کے پاس جاکر استفادہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ تم انکی ریاست کو نہ دیکھو بلکہ اُن کے قلب کو دیکھو۔

حاشیہ حکایت (۳۹۴) اختلاط کے لئے متعارف بازی لازم نہیں اوّل کے مشاہدے سے ثانی کی شہادت جائز نہیں۔ گو معصیت زدہ بھی ہے۔ مگر بلادلیل شہادت بھی معصیت ہے۔

حکایت (۳۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب مصطفٰے خانصاحب کی یہ عادت تھی کہ ہمارے اکابر میں سے جب کوئی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فوراً مراقب ہوکر ان کی نسبت کی ٹوہ میں لگ جاتے تھے۔ ایکمرتبہ حضرت نانوتویؒ اُن سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور نواب صاحب حسب عادت مراقب ہوئے۔ سر اٹھایا تو ایک صاحب اموجان سے خطاب فرمایا کہ میں نے بڑے بڑے لوگ دیکھے ہیں لیکن مولانا کی نسبت کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ہے۔

(منقول از روایات الطیب)

(۴۵) جناب مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری رحؒ کی حکایات

حکایت (۳۹۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی فیض الحسن صاحب جو بڑے ظریف اور سب سے بے تکلف تھے بولے ارے اسد علی کے بیٹے (مولانا کے والد ماجد کا نام ہے باوجود خواندہ ہونیکے کھیتی کرتے تھے) تو تو کھیتی کرتا تجھے کس نے مولوی بنا دیا۔ تیرے پاس تو دو بیل ہوتے اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھکر تک تک بربر کرتا ہوتا۔ مولانا نے نہایت متانت سے فوراً ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھکر فرمایا جی ہاں ایک تو ڈھونڈ لیا ہے اور ایک ڈھونڈونگا پھر یہی کام کیا کروں گا۔

حکایت (۳۹۷) فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کیوقت یہ کہا تھا کہ دو شرط کے ساتھ بیعت ہوتا ہوں ایک تو یہ کہ کبھی نذرانہ نہ دوں گا۔ دوسرے یہ کہ کبھی خط نہ بھیجونگا حضرت نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ شرطیں کرو تو وہ بھی منظور ہیں۔ ان کو حاجی صاحبؒ کے ساتھ اسقدر محبت تھی کہ ان کا نام آنے سے روتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تعریف میں ان کے بڑے جلے بھنے دوہرے ہیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ مولوی جلیل احمد صاحب

حکایت (۳۹۸) حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ آج ایک صاحب نے (یہ صاحب وہی مولوی محمد فاروق صاحب ہیں جو دوسری روایات کے راوی ہیں)

---

۵۷ یہ حکایت روایات الطیب میں اور عنوان سے ہے مگر مضمون ایک ہی ہے ۱۲ ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

مولوی فیض الحسن صاحب کی ایک حکایت بیان کی۔ کہ بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ جس زمانہ میں مولانا لاہور تشریف رکھتے تھے وہاں ایک دوکاندار سے آپ نے کچھ خربوزے خریدے۔ خیر مکان پر لاکر جب ان کو کھانا شروع کیا تو سب پھیکے نکلے۔ مولانا ان کو لیکر دوکاندار کے پاس واپس تشریف لائے۔ اور دوکاندار سے کہا کہ یہ تو سب پھیکے ہیں۔ اُسنے کہا کہ پھر میں کیا کروں۔ فرمایا کہ بھائی واپس کرلے۔ کہا کہ میرے تو کام کے رہے نہیں۔ (کیونکہ کاٹ لئے تھے) مولانا نے فرمایا کہ پھر ہمارے بھی کام کے نہیں۔ کہنے لگا کہ صاحب میں کچھ نہیں جانتا میں نہیں واپس کروں گا۔ خیر مولنا خاموش ہو گئے۔ اور وہیں دوکان کے پاس بیٹھ گئے۔ اب جو خریدار آتا اور خربوزے اس دوکان سے خریدنا چاہتا تو فرماتے۔ بھائی پہلے نمونہ دیکھ لو۔ اُس دوکاندار نے جو یہ منظر دیکھا تو فوراً خربوزوں کی واپسی پر تیار ہو گیا۔ اور مولانا دام لیکر واپس تشریف لے آئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

(۳۶) جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کی حکایات

حکایت (۳۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکانِ نظیر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور مولوی فضل حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام ہو گیا۔

حاشیہ حکایت (۳۹۹) قولہ۔ الزام ہو گیا۔ اقول۔ مولوی فضل حق صاحب کی یہ سلامت فطرت ہے کہ اس الزام کے اخفا کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ آجکل تو کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جاتے ہیں جس میں مغلوبیت کا پتہ نہ لگے۔ (شت)

حکایت (۴۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرشید صاحب غازیپوری رامپور میں مولوی فضل حق صاحب سے پڑھتے تھے۔ یہ ایکمرتبہ کہیں جارہے تھے اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے۔ اُن دوست نے اُن سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا اسمٰعیل صاحب کے) معتقد ہو آج تمھیں تمھارے اُستاد سے اُن پر تبرّے سُنوائینگے۔ انھوں نے کہا چلو۔ جب یہ دونوں وہاں جاکر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہکر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمھیں مولوی اسمٰعیل پر تبرّے سُنواؤں گا۔ مولوی فضل حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہکر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمٰعیل پر تبرّا کروں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ جو مجھ سے ہو چکا ہے وہ بھی بہکائے سکھائے سے ہوا تھا۔ اور اب تو وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہکر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا۔ اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔

حاشیہ حکایت (۴۰۰) قولہ۔ اس میں بھی مولوی صاحب کا وہی کمال ثابت ہوتا ہے جو اوپر کی حکایتوں میں ہے (شت)

(۳۷) جناب مولٰنا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۴۰۱) فرمایا کہ غالباً حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جلال آباد میں دو شخص مسجد میں نماز کو آتے تھے اور یہ شرط کرکے آتے تھے کہ پہلے کون نماز ختم کرے۔ ایک شخص نے ان کے نماز پڑھنے کی یہ حالت دیکھکر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قرأۃ و تشہد درود شریف و تسبیحات تو گھر پڑھ آتے ہونگے باقی رکوع

وسجدے یہاں آکر کر لیتے ہونگے۔

حکایت (۴۰۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ گرمیوں کے زمانہ میں کہ اسوقت سخت دھوپ بھی مولانا فتح محمد صاحب جامع مسجد سے باہر تشریف لیجا رہے تھے۔ ایک صاحب نے جوتہ لینا چاہا۔ آپ نے تواضع سے عذر کیا اُسنے اصرار کیا مولانا نے انکار کیا اور جوتہ مضبوط تھام لیا۔ اور یہ سب قصہ گرم فرش پر ہو رہا ہے۔ جب وہ اسطرح کامیاب نہ ہوا اُسنے ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور سے جھٹکا دیا۔ اور آپکے ہاتھ سے جوتہ چھین لیا۔ اور مسجد کے دروازہ پر لا رکھا گویا بڑی خدمت کی حضرت تو خاموش ہو گئے مگر مجھ کو بڑا غصہ آیا اور اسکو لتاڑا۔

حکایت (۴۰۳) فرمایا کہ ایک نائب تحصیلدار جن کا دورہ تھانہ بھون جلال آباد تھا وہ حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ کے پاس ملنے آئے۔ مولانا اسوقت موجود نہ تھے۔ سفر میں تھے۔ وہ ایک پرچہ پر ایک طالب علم کو یہ شعر لکھکر پیش کرنے کیلئے دے گئے ؎

چو غریب مستمندی بہ درت رسیدہ باشد = چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد

مولانا سفر سے جب واپس آئے تو اُس طالب علم نے وہ پرچہ پیش کیا (ظالم نے موقع بھی تو نہ دیکھا) بس مولانا دیکھتے ہی سیدھے جلال آباد پہنچے۔ وہاں دیکھا تو وہ صاحب اپنے ہم عمروں میں ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔ مولانا دیر تک باہر کھڑے رہے پھر کسی کے ذریعہ اطلاع کرائی۔ سنتے ہی سب سہم گئے۔ اور حضرت کو اندر لے گئے۔ فرمایا تمہارا پیام دیکھکر ملنے آگیا۔ وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔ پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر حضرت نے اجازت چاہی۔ لوگوں نے اصرار کیا۔ فرمایا کہ سفر سے سیدھا یہیں چلا آیا ہوں۔ گھر جانے کی ضرورت ہی۔ حضرت مولانا بہت متواضع بے نفس تھے۔ پرچہ

دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ بیچارے کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ بڑی مسرت رہیگی۔ حالانکہ وہ محض ایک شاعری تھی۔

حکایت (۴۰۴) فرمایا ایک مرتبہ مولانا فتح محمد صاحب ہماری مسجد میں تشریف لارہے تھے مسجد کے سامنے بارش کا پانی بہت بھرا ہوا تھا۔ آپ پانی کے کنارے کھڑے سوچ رہے تھے کہ کیسے اُتروں۔ قاری عبد اللطیف صاحب پانی پتی جو اسوقت یہاں مدرس تھے وہاں موجود تھے انھوں نے جھٹ گود میں بھر کر پار لا کھڑا کیا۔ مولانا بہت ہی منحنی آدمی تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ

حکایت (۴۰۵) احقر نے حضرت حکیم الامت مدفیوضہم سے سُنا ہے کہ مولانا بہت علم دوست تھے جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں جگہ فلاں عالم فلاں علم میں بہت ماہر ہے تو پا پیادہ سفر کر کے وہاں تشریف لیجاتے۔ چنانچہ مولانا کو معلوم ہوا کہ جھنجانہ میں فلاں عالم مثنوی شریف بہت اچھی پڑھاتے ہیں۔ اس زمانہ میں آپ تھانہ بھون میں مدرس تھے۔ اسلئے جمعرات کے روز پا پیادہ جھنجانہ تشریف لیجاتے اور جمعہ کے روز سبق پڑھکر ہفتہ کو واپس آجاتے۔ اسی طرح اکثر حصہ پڑھا۔ جب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا تو مدرسہ سے چند روز کی رخصت لیکر اسکو بھی ختم کر دیا۔

(۳۸) مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی صاحب تصانیف کثیرہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حکایت (۴۰۶) فرمایا کہ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی کی بابت لوگ کہتے ہیں کہ انکی تصنیف کا اوسط اتنے روزانہ کا پڑتا ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بیچاروں کا

دماغ اسی میں ضعیف ہو گیا۔ صرع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر چند منع کیا مگر نہیں مانے علمی خدمت کے مقابلہ میں بیچاروں نے جان تک کی پرواہ نہ کی۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

(۳۹) جناب مولٰنا مولوی مُلا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجوزہ نصاب نظامیؒ کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۰۷) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا حضرت ملا نظام الدین لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرید ہوئے تو ان کے پیر محض اُمی (اَن پڑھ) تھے۔ ایکبار پیر صاحب گھوڑے پر سوار ہوئے اور مولانا کے ہاتھ میں حقہ دیا۔ اور تمام بازار میں پھرایا مگر مولانا صاحب نے باینہمہ کمال اس خدمت سے مطلق انکار نہ فرمایا۔

اس کے بعد ایک اور بزرگ کا تذکرہ فرمایا (غالباً شیخ جلال تھانیسری تھے) اُن کے مُرید ایک خاں صاحب تھے۔ حضرت شیخ کی گھوڑی کہیں باہر سے لائی گئی اتفاقاً گھوڑی نے لات ماردی۔ اسپر خانصاحب کو غصہ آگیا کہنے لگے "تعلیم وارشاد تو اوروں کے لئے ہے اور گھوڑوں کی لات ہمارے واسطے" شیخ کے کسی مُرید نے یہ قصہ حضرت سے جا کہا۔ جب خانصاحب گھوڑی لیکر حاضر ہوئے تو شیخ نے غصہ ظاہر فرمایا اور خانقاہ سے نکالدینے کا حکم دیدیا۔ بموجب حکم حضرت شیخ کے خانصاحب نکال باہر کئے گئے۔ ادہر خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیتاب ہو گئے اور جب اندر جانے کی کوئی صورت نہ پائی تو فرط عقیدت ومحبت سے خانقاہ کی بدرو میں گھس پڑے

اتفاق سے بارش ہوئی تو خانقاہ کا پانی رُک گیا۔ لوگوں نے بانس سے نالی صاف کرنی شروع کی وہ بانس خانصاحب کے سر میں جا کر لگا اور پانی کے ساتھ خون بہنے لگا تب تو لوگوں کو تعجب ہوا اور فکر بھی کہ کیا بات ہے تالی کو جو دیکھا تو اسمیں خانصاحب کو سر گھسائے پڑا پایا۔ اسکی خبر حضرت کو دی گئی یہ سنکر حضرت شیخ کو رحم آگیا اور بکمال شفقت شرف حضوری بخشا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۴) شیخ العالم حضرت مولٰنا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت (۴۰۸) آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں۔ جب نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نوابصاحب کی تعزیت کیلئے چھتاری آئیں اور انھوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا۔ اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھدیا کہ نہ آئیے۔ اسپر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنے والوں سے بیماری کا عذر کر دیا۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۴۰۹) حضرت والد ماجد اور عم محترم نے فرمایا کہ حضرت مولٰنا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ جب حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوئی مجھ سے خود حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ تیس برس کی محنت سے جو بات قائم ہوئی تھی وہ آج نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ مولانا کی تو وفات ہوگئی ہمارے صدمہ سے وہ تو واپس نہیں آسکتے مگر

مجھے رونا اپنا ہے کہ تیس برس کی مشقت سے قلب میں جو ایک کیفیت قائم ہوئی تھی وہ جارہی ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۴۱۰) فرمایا کہ ہمارے حضرات میں شانِ تربیت اعلیٰ درجہ کی تھی ایک وقت حاجی محمد عابد اور اہل مدرسہ سے اختلاف ہوگیا۔ میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے شرم آئی کہ میں دیوبند آؤں اور حضرت حاجی صاحب سے نہ ملوں۔ اگر حاجی صاحب راستہ میں مل گئے تو بھی دعا سلام تو ضرور ہوگا اسوقت خواہ مخواہ ندامت ہوگی۔ یہ سوچ سمجھکر میں حاجی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ اور بھی جتنے بزرگ خلاف تھے سب سے ملا۔ اسپر میرے اوپر مدرسہ کے متعلقین کا سنسر قائم ہوگیا۔ جہاں میں جاتا ہوں میرے پیچھے پیچھے دیکھتے پھرتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ گئے ہیں۔ میں نے احتیاطاً اسی زمانہ میں ایک جلسہ میں جس میں حضرت مولانا دیوبندیؒ اور مولانا حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ شریک تھے حضرت مولانا دیوبندیؒ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب میرے بزرگ ہیں جب میں یہاں آتا ہوں تو اُن سے ملنے کا تقاضا میری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو اُن سے مل لیا کروں۔ حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا کہ ضرور ملو۔ اپنے مجمع میں سے اگر کوئی ملتا رہتا ہے تو مخالفت کم ہوتی ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد ایک دن بھی حضرت حاجی محمد عابد سے ملنے کو جی نہیں چاہا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف ہے تو میں اس کا معتقد نہیں۔ کیونکہ ہمارے حضرات کا ایسا مذاق نہیں ہے بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ الانسان حریص علی ما منع جس چیز سے آدمی کو روکا جاتا ہے تو اس کا شوق بڑھتا ہے اور جب اجازت دیدی جاتی ہے تو شوق کم ہوجاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلیم کو رونے کی اجازت دیدی تو پھر اس نے بھی توبہ کرلی۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ تربیت بہت مشکل ہے۔ بڑے مبصر کا کام ہے۔ ایک شیخ دو شخصوں کی تربیت کرتا ہے ایک کی اور طرح اور ایک کی اور طرح جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہیں ایک کا اور علاج کرتا ہے اور دوسرے کا دوسری قسم کا اور راز خلوت میں بتانے کا بھی یہی ہے کہ دوسرے کو حرص نہو نہ یہ کہ تعلیمات جدا جدا ہوں یہی نماز روزہ اور ذکر ہیں۔

حکایت (۴۱۱) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مدرسہ کے مہتمم نے عرض کیا کہ حضرت ضرورت ہوتی ہے مدارس میں چندہ کی اور چندہ مانگنے میں ذلت ہے تو کیا صورت کی جاوے۔ فرمایا غریبوں سے مانگو کچھ ذلت نہیں (وہ جو کچھ بھی دینگے نہایت خلوص اور تواضع سے دینگے اور اسمیں برکت بھی ہوگی۔ جامع) اور مالدار اول تو بیچارے تنگ ہوتے ہیں پانسو کی آمدنی ہے اور ہزار سو کا خرچ ہے یہ تو رحم کے قابل ہیں (اور اگر کچھ دے بھی دیا تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دینگے اس میں بیشک ذلت ہے۔ جامع)

حکایت (۴۱۲) فرمایا کہ حافظ احمد صاحبؒ سے مسٹن نے کہا تھا کہ ہمارے قلب میں بھی مولانا دیوبندی کی ویسی ہی عظمت ہے جیسے آپکے قلب میں ہے اور وہ جو اس تحریک میں شریک ہوگئے ہیں کسی دوسرے کا اثر ہے۔

حکایت (۴۱۳) فرمایا کہ مولوی محمود صاحب رامپوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا۔ اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھاپی کر میرے پاس آگیا

کہ میں بھی یہاں ہی سوؤنگا۔ اسکو ایک چارپائی دیدی گئی۔ جب سب سوگئے رات
میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے۔ میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا
کہ اگر کوئی مشقت کا کام کرینگے تو میں امداد دیدوں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا
اظہار کرکے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے
اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کئے۔ وہ خراٹے لیکر خوب
سوتا رہا۔ مولوی محمود صاحب اٹھے اور یہ کہا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبادوں
مولانا نے فرمایا کہ تم جاکر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس خدمت کو انجام دوں
مجبوراً میں چپ رہ گیا۔ اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ہمارے حضرت
فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی۔

حکایت (۴۱۴) فرمایا کہ دیوبند کے بڑے جلسہ کے زمانہ میں ایک شخص
مدرسہ میں گھوڑا دیا تھا۔ مولانا نے اسکو ایک مقام پر بھیجدیا تھا کہ اسکو فروخت
کردیں۔ اس مقام سے ایک شخص گھوڑے کے متعلق ایک خط لایا تھا اس زمانہ میں
جلسہ کا اہتمام ہو رہا تھا۔ مہتمم صاحب نے خط کا جواب دیکر اسکو رخصت کردیا مولا
دیوبندی رح نے مہتمم صاحب سے پوچھا کہ اس گھوڑا لانے والے کو کھانا بھی کھلایا تھا
مہتمم صاحب نے کہا کہ حضرت کھانا تو ہجوم اشغال میں نہیں کھلایا پیسے دیدئے تھے
کہ کچھ لیکر کھالیگا۔ فرمایا کافی نہیں۔ غریب آدمی پیسے نہیں خرچ کرتا گھر کو بان
لیجاتا ہے۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ شخص کس راستہ سے گیا ہے۔ پتہ لگا کہ فلا
سڑک کو گیا ہے۔ مولانا ادھر ہی تشریف لیگئے اور اسکو واپس کرکے کھانا کھلاکر
رخصت کیا۔

حکایت (۴۱۵) فرمایا کہ مولانا دیوبندیؒ اچھے خوشحال گھرانے کے تھے جوانی میں نہایت پُرتکلف کپڑا پہنتے تھے مگر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ حال ہو گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں جب دیوبند جایا کرتا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتداء میں نے کبھی کی ہو۔ جب ارادہ کرتا کہ ذرا سانس لیکر حاضر ہونگا بس جھٹ مولانا تشریف لے آتے۔

حکایت (۴۱۶) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بعض بدعتیوں کی حس اور عقل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں جبکہ اچھی طرح پیشاب کے بعد ڈھیلا لینا بھی نہ جانتا تھا کسی کے ہمراہ پیران کلیر کے میلہ میں گیا۔ اتفاق سے جو غسل کا وقت تھا اسوقت میں خاص مزار شریف کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سقہ آیا اس نے ایکدم مشک چھوڑ دی اور اسکی مشک چھٹنے کے ساتھ ہی آدمیوں کا ریلا اندر آگیا۔ میں چونکہ بچہ تھا ہجوم کی وجہ سے اس پانی میں گر گیا اور تمام کپڑے شرابور ہو گئے۔ جب میں باہر نکلا تو لوگوں نے میرے تمام کپڑے اُتار کر مجھے ننگا کر دیا اور اس کا پانی نچوڑ کر تبرک سمجھ کر پی گئے اور پائجامہ کا پانی بھی پی گئے جو یقیناً ناپاک تھا۔

حکایت (۴۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ مراد آباد کے جلسہ میں تشریف لیگئے۔ لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرما دیا کہ مجھے عادت نہیں ہے۔ مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہوئے۔ اور حدیث فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا۔ کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے۔

وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جسکو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے۔ تو اسکو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت مولانا نے اُن بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے یا تینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشد علی کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں؟ وہ دم بخود رہ گئے۔

حکایت (۴۱۸) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے جلسہ دستار بندی میں مدرسہ جامع العلوم کانپور بلوایا آپ تشریف لیگئے میں نے وعظ کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا کہ میرے بیان سے لوگ خوش نہونگے اور اس سے میرا تو کچھ نہیں جائیگا تمہاری ہی اہانت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے تو ہمارا فخر ہو گا کہ ان کے اُستاد ایسے ہیں۔ فرمایا ہاں اس طرح فخر ہو گا کہ لوگ کہیں گے یہ (حضرت مرشدی مدظلہم) استاد سے بھی بڑھ گئے۔ غرضکہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا۔ مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھلی ہوئی تھی مضامین عالیہ ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولوی لطف اللہ صاحب علیگڈھی تشریف لے آئے۔ اُن کے دیکھتے ہی مولانا یکدم بیٹھ گئے۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت عرض کیا کہ وعظ کیوں بند کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اسوقت مجکو خیال ہوا کہ اب وقت ہی مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے تو اس طرح سے وعظ

یں خلوص نہ رہا۔ اس لئے قطع کر دیا۔

(۱۴) حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مرشدی مولائی سیدی وسندی جناب مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی کی حکایات

حکایت (۴۱۹) فرمایا کہ چندہ کے متعلق میری مولانا..... صاحب سے
ہت گفتگو ہوئی۔ میں کہتا تھا کہ خطاب خاص میں وجاہت کا دخل ہوتا ہے دینے
الے کے قلب پر مانگنے والے کی وجاہت کا اثر پڑتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم
لیا اور ہماری وجاہت کیا اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا آپ کی
ظر میں بیشک اپنی وجاہت نہیں ہے لیکن لوگوں سے پوچھئے کہ انکے قلوب
یں آپ کی کتنی وجاہت ہے۔ مولانا نے فرمایا نہیں جی۔ بہت دیر گفتگو رہی لیکن
نھوں نے میری رائے نہ مانی اپنی رائے پر قائم رہے۔

حکایت (۴۲۰) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی جسوقت نابینا ہو گئے
یں کبھی ویسے ہی چپکے سے جلکے نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہدیا کہ اشرف علی
یا ہے اور جب چلنے لگا تو کہدیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے
کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے تشبہ بالتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے
ی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور
ضرت فرمانے لگیں۔

حکایت (۴۲۱) فرمایا کہ ایکبار سہارنپور میں بڑے جلسہ میں جانا ہوا جلسہ سے اگلے روز شیخپورہ والوں نے حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کردیا چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کردی۔ مولانا نے دعوت منظور فرمائی اور شیخپورہ چلے گئے۔ شب کو وہاں رہے۔ صبح کے وقت چھاجوں پانی پڑرہا تھا۔ مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کرلیا تھا سو حبسے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اترے میں بھی ہمراہ تھا۔ راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کوئی انتظام نہیں ہوا مجھ کو واپسی کی اُمید نہ تھی۔ مولانا نے فرمایا اچھا بھائی پھر سہی۔ اس نے کل صبح کا وقت معین کیا۔ (تبسم سے فرمایا ظالم نے شام کو بھی تو نہ کہا) ہمارے حضرت نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی۔ مولانا چونکہ بزرگ تھے اُن کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی۔ یہ فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصہ میں بھرا ہوا تھا کوٹھی کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کرکے مولانا سے رخصت ہوگیا۔ اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقعہ نہ ملا اسلئے نیچے بُلایا اور اچھی طرح اُسکے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بُلا کر ایسے ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں۔ تجھے تو یہ چاہیئے تھا کہ اگر مولانا شیخپورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا۔ اس نے آئندہ کیلئے توبہ کی (جامع کہتا ہے یہ شانِ انتظام ہر جوہ ہمارے حضرت میں باحسن الوجوہ ہے)۔

حکایت (۴۲۲) فرمایا کہ ایک غیر مقلد بہت ڈرتے ڈرتے بغرض بیعت میرے پاس آئے (کیونکہ اُن کے رفقائے سفر نے اُن کو ڈرا دیا تھا کہ تم جب وہاں جاؤ گے نکالدئے جاؤ گے) انھوں نے مجھ سے بیعت کو کہا۔ میں نے اس شرط کو منظور کر کے بیعت کر لیا اور یہ سمجھا دیا کہ کسی سے بھی خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد لڑنا جھگڑنا بحث نہ مباحثہ کرنا۔ اور اپنی بیوی کو بھی مُرید کرایا۔ میں نے اس سے بھی یہی شرط کر لی۔ دو چار بار آنے کے بعد مقلد تھے۔ یہ اتباع حق کی برکت ہے۔ اکثر مناظروں سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ باطن میں بہت مضر ہے۔

حکایت (۴۲۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات حالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں ایک وکیل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد بھی بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی انھوں نے اسی حالت میں مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

تو منوّر از جمال کیستی ٭ تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہ یہ جواب دیا ؎

من منوّر از جمال حاجیم ٭ من مکمل از کمال حاجیم

حکایت (۴۲۴) ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت مولنا ... رامپوری فرماتے تھے کہ بھائی اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ طالب مطلوب بنکر آتے ہیں ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی صورت سے اللہ کا نام آجائے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ اللہ کا باغ ہے اس میں ہر قسم کے درخت ہونے چاہئیں اندر کے درخت تو ایسے ہی ہونے چاہئیں جیسے حضرت رامپوری تھے اور باہر کے ایسے

ہونے چاہئیں جیسے میں کیونکہ باغ میں جب تک باہر کے درخت خاردار نہیں ہوتے
جبتک اندر کے درختوں کی حفاظت نہیں ہوتی۔ میں وقایہ ہوں بزرگوں کا جو یہاں سے
جائیگا پھر ان حضرات کو نہ ستائیگا۔ واقعی کہیں تو اس شعر کا مصداق ہونا چاہئے ؎

بانگ می آید کہ ای طالب بیا ٭ جودِ محتاجِ گدایاں چوں گدا

اور کہیں اس شعر کا مصداق ہونا چاہئے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ٭ دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ایک واقعہ یاد آیا کہ میرے پاس ایک شخص مرید ہونے آیا میں نے اس سے
پوچھا کہ تیرے پاس موروثی زمین تو نہیں۔ اس نے کہا بہت (وہ اسکو کچھ اچھا
سمجھتا تھا) میں نے کہا کہ پہلے اس سے استعفاء دے آؤ پھر مرید کرینگے وہ یہاں
سے سیدھا رائپور پہنچا اور مرید ہوکر یہاں آیا اور کہا کہ میں تو مرید ہو بھی ... گیا۔
مولانا نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا تو نے مولانا سے پوچھا تھا
کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا کیا ان کو علم غیب تھا۔ پھر میں نے کہا کہ دیکھو میں
اور مولانا رائپوری دو نہیں ہم سب ایک ہیں میں انکی طرف سے کہتا ہوں کہ تم
اس زمین سے استعفاء دیدو اور اگر کچھ عذر ہے تو یہاں سے ابھی اٹھ جاؤ اور
آئندہ جب تک توبہ نہ کرلو یہاں منہ نہ دکھاؤ۔

حکایت (۴۲۵) فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو
بالکل نظر نہیں آتے اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے لیا کرتا تھا۔
مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے
ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندی رح کے مردانہ مکان میں دروازہ کے

سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارہ پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دبلے قد بھی اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے انھوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تمکو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مُہریں تھیں جو نہایت صاف تھیں اور مہریں میں صاف لکھا ہوا تھا (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آپکو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضرور نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے۔ لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس نے مجھے ایک پرچہ دیا اس میں بھی یہی عبارت تھی کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اس میں بھی مُہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہونگی۔ (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جسکو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللھم زد فزد۔

حکایت (۴۲۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریف تھی کہ جب کوئی ان کے پاس آکر بیٹھتا تو معارف و حقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت ...... نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے بچپن ہی سے اہیوں کے پاس پہنچادیا۔ دین کی محبت تو مولانا فتح محمد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی ان کی صورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔ اور اہل دین سے محبت حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے یہاں پہنچکر ہوئی۔

حکایت (۴۲۷) فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کے والد اچھے بزرگ تھے اور ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ اور جو تاریخ کسی بزرگ کی وفات کی ہوتی اس روز دو قرآن شریف ختم فرماتے۔ ایک ان بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کیلئے اور ایک اپنے معمول کا۔ مگر مولود کے بڑے معتقد تھے اور اس میں مولوی صاحب سے کش مکش رہتی۔ میں نے اس باب میں ان کو ایک مکتوب مجذوب القلوب لکھا جس سے آپس میں اتفاق ہو گیا تھا۔ وہ مکتوب چھپ بھی گیا ہے مگر مجھے یقین نہ تھا کہ اس مکتوب کو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پسند فرمائینگے کیونکہ اس میں کسقدر توسع ہے۔ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو قصائیوں کے یہاں مولانا کی دعوت تھی۔ میں بھی شریک تھا۔ ایک شخص نے وہاں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی صادق الیقین اور ان کے والد کے معاملات کی کیا حالت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب ان میں اتفاق ہے اور یہ سب ان (حضرت مرشدی مدظلہم) کی برکت ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولود کی ممانعت یہ مولانا کی شان انتظامی تھی۔ اور تعلیمی شان یہ ہے کہ جائز ہے بشرط عدم منکرات اور ناجائز ہے بشرط منکرات چونکہ لوگ حدود کے اندر نہیں رہتے اسلئے منتظمین مطلقاً منع کرتے ہیں۔

حکایت (۴۲۸) فرمایا کہ ایکمرتبہ مجھ پر طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بیحد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس سے اطمینان ہو جائے۔ فرمایا ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

حکایت (۴۲۹) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ کی حاجت نہیں ہوئی اسی کی برکت سے بہت کچھ حل ہوگئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب باندوی

حکایت (۴۳۰) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دُعا کے واسطے حاضر ہوئے تو اُس نے کہا کہ ...... تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ اور آپ بد دعا فرما رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا۔ مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مُردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا تھانہ بھون مزار ہے) اور ایک مولانا اشرف علی صاحب اِن دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔

حکایت (۴۳۱) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولٰنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدی سندی شیخی و مرشدی حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی کی نسبت یہ فرمایا کہ بھائی ہمنے تو حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کچا پھل کھایا ہے (کیونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب سے اول خلیفہ ہیں) اور انھوں نے پکا پھل کھایا ہے (کیونکہ بڑھاپے میں کمال رُوحانی بڑھتا ہے جامع) محشی کہتا ہے کہ یہ تواضع ہے اسکو تفاضل پر محمول نہ کیا جاوے۔ حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا

تفاضل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں۔

حکایت (۴۳۲) احقر جامع نے اُستاذی مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب مدظلہ سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کی شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں ایسا کرتے ہیں۔ اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سُننا نہیں چاہتا۔ وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سامنہ لیکر چلے گئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۴۳) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۳۳) حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے۔ اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی و اخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا

بچہ ہو جب اس کی بدوضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بے تامل مدرسے سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سُنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپنے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انھوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا احترام وادب ملحوظ نہ رکھا تھا فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دے دیا اور جب تک خود اُستاد نے حضرت سے سفارش نہ کی اسوقت تک واپس کردہ کتابیں انکو دوبارہ نہ دی گئیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی۔ اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی۔ جس کے لینے سے اُس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب نخرے بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ۔ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اسکو اپنے حصہ میں لگالوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت یہ خبر سُنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپنے واقعہ پوچھا اور جب انھوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرفداری کی جائے۔ تو اسوقت آپنے فرمایا کہ منشی جی سنو! مدرسہ نہیں پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور ہیں دونوں

انھیں کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اگر یہ نہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ
تمھاری حاجت۔ مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی یہ مسکین سہی محتاج سہی
مگر مجھے اور تمھیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمھیں
ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ خنّے بہک گئے ہیں
ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی
ہیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول
کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ ابتو اپنی خوراک اسے
حوالہ کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالبعلم کے ساتھ کچھ بھی ترش
ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی
ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دونگا۔ مگر دوسرے کو
نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انھیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اسلئے
اسوقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

حکایت (۴۳۴) اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا
اور ان کے ساتھ وہ شفقت و لطف کا برتاؤ فرمایا کرتے جو اُن کے لئے شایان تھا
باوجودیکہ تمام مدرسین آپکے شاگرد اور معتقد خادم تھے۔ مگر جب کوئی آتا تو آپ اسے
پاس بٹھا لیتے اور ان کی بُری بھلی سب توجہ سے سُنتے تھے۔ مُسکراتے اور کوئی شکایت
لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلّی دیا کرتے تھے۔ طالب علم اور اُستاد کے
مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی اُستاد کی ہوتی تو اسوقت بڑی ضیق پیش آتی
بڑی حُسنِ تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے۔ مولوی ظفر احمد صاحب کے مزاج

میں غصہ تھا۔ ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پران کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے مُنہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی اُن کی درسگاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھ اور سُن لیا تھا۔ اُسوقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرأت بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلباء کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے۔ اسلئے ایسا کردیا گویا سُنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا۔ مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اسکے لئے موضوع نہیں ہوئی۔ پھر کتاب بھی مدرسہ کی جوکہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے۔ اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا۔ بھائی آجکل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے۔ قلوب میں تکبّر بھرا ہوا ہے۔ بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں۔ اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو۔ اور اگر کوئی زیادہ بکبک لگاوے اسکو مہتمم سے اطلاع کرکے درس سے اُٹھا دو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

حکایت (۴۳۵) امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا حضرت سخت لیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلباء کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی۔ کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو۔ جس کے لئے سوالات بیرونی علماء سے منگائے جاویں۔ چنانچہ ادب

وبلاغت اور صرف ونحو کا امتحان حضرت کے سپرد ہوا۔ اور حضرت نے علوم عربیت
کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسہ میں بھیجدئے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی
بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے تو حضرت کی
زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جب بھائی کے
ساتھ دیوبند جانے لگے تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور
حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب وبلاغت میں ہمارے ممتحن تھے۔ شاید کچھ
نتیجہ امتحان کا بھی پتہ چل جائے۔ بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کرلو
باقی نتیجہ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دینگے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے۔ چونکہ
مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان و
کشش پیدا ہو گئی تھی اس لئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔ مولوی
ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارکہ میں شفقت تو قدرت نے
ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اسکی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی
جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کا تبسّم کے ساتھ خندہ پیشانی سے شفقت و
عنایت فرمانا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض
کرتا۔ خود ہی یہ فرمایا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے
تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اردو کی عربی اور عربی
کی اردو سب سے اچھی بنائی اس لئے ہمنے نمبر بھی تم کو اچھے دئے اور یہ فرما کر حجرہ
میں تشریف لے گئے۔ اور جوابات کے پرچوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔
اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈالدیا کہ دیکھو تمہارے

نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اسقدر نہیں ہیں۔ سب تم سے کم ہیں۔ اسوقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال لیکر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے اور چوٹھے پر جائے تیار تھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔

حکایت (۴۳۶) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی۔ اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور جبکہ وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فراغ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپکا درس سے فارغ رہتا تھا جو فتاویٰ لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا۔ ۱۳۲۸ھ سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف لائے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت دورنظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ ۱۳۳۵ھ میں جب آپنے ابو داؤد کی شرح بذل المجہود کی تالیف شروع فرمائی تو دو گھنٹہ صبح کے تالیف کے لئے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کے لئے اور باقی گھنٹوں میں درس۔ مگر ۱۳۳۹ھ میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا۔ اور شام کو ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابوداؤد شریف ہوئی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف۔ اخیر کے دو سال ۱۳۴۳-۱۳۴۴ھ میں صرف موطا امام محمد طلباء کے اصرار پر تبرکاً پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں

خرچ ہوتا تھا۔ اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاوی ہیں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی جوابات خطوط ابتداء میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے۔ اور خط ایسا حسین تھا گویا تصویر کھینچدی۔ چنانچہ ۱۳۲۹ھ تک کے آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں۔ جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں انکو دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرتؒ نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی مگر کیا مجال کہ حُسن میں ذرہ برابر فرق آیا ہو۔ پھر جب رعشہ بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبداللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب وغیرہم آپ کے کاتب رہے۔

حکایت (۳۷۴) انتظام مدرسہ کے متعلق حضرت میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ ہر شعبہ کی نگرانی بغیر وقت صرف کئے فرماتے تھے کہ کسی کام میں بھی مشغول ہوں خیال چاروں طرف رہتا تھا اور کسی شعبہ سے بھی غفلت نہ ہوتی تھی۔ مدرسین کی تعلیم طلباء کی حاضری، مطالعہ، تکرار، کتب بینی، پابندی نماز، وتلاوتِ قرآن، اور نیک چلنی، وضعداری کا جدا دھیان تھا۔ اور دفتر کے تمامی رجسٹروں کی وقت پر خانہ پُری اور حساب کتاب کی صحت وصفائی کا جدا خیال تھا۔ کتبخانہ کی محافظت اور صفائی وترتیب پر علیحدہ نظر تھی۔ اور مطبخ کی اجناس کے محفوظ اور روزن ہیں ہر وقت صحیح رہنے پر علیحدہ نگاہ تھی۔ ہر شعبہ کے ملازمین کا صحیح وقت پر آنا حضرت کی ادنیٰ توجہ اور ہیبتِ خداداد کی بدولت اتنا قابو میں آیا ہوا تھا کہ چند منٹ کی غیر حاضری کے چھپا لینے پر بھی کوئی قادر نہ تھا۔ علمی مشغلہ آپ کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اہل نظر اسپر

نخب کیا کرتے تھے۔ چہ جائیکہ اسپر فتاویٰ کا اشتغال کہ وہ مستقل مدہے اور پھر خطوط
کے جوابات جس میں علمی اشکالات طلب مشورہ احتیاج تربیت ذکر و اوراد کے استفسار
اظہار واقعات خانگی معاملات وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتے تھے۔ جدا مشغلہ تھا
دماغ کے کامل سکون اور طبیعت کے پورے حضور کو چاہتا تھا۔ اسپر ہر شعبہ کی
گرانی اور طرہ برآں ہر جزو کی اصلاح اور ترقی کا فکر و تدبر ایسے امور تھے کہ دیکھنے
والا حیران ہو جاتا تھا۔ بس ایک مشین تھی جو بھاپ کے ذریعہ چل رہی اور اپنے ساتھ
جڑے ہوئے ہر آلہ کو اس کام میں لگائے ہوئے تھی جس کے لئے وہ وضع کی گئی ہو
انجن صرف ایک ہے مگر اس میں سے نکلنے والی برقی قوت چکیاں بھی چلارہی ہے
آٹا پیسیں۔ پریس بھی چلارہی ہے کہ کاغذ چھاپیں۔ پنکھے بھی چلارہی ہو کہ
پسینہ سوکھے۔ اور قمقمے بھی روشن کررہی ہے کہ دنیا جگمگا اٹھے اور رات کی تاریکی
نصف النہار کا سورج نکل آوے۔ اسی طرح حضرت کا ایک دم تھا کہ درس بھی
تا تھا، تالیف بھی کرتا تھا، معاشرتِ اہل وعیال میں بھی نمونہ سنت بنا ہوا تھا۔
کے ہر شعبہ کی نگرانی اور اس کی ترقی میں فکر وسعی بھی رکھتا تھا۔ مہمانوں کی مدارات
تمامی کنبہ و برادری سے شیریں تعلقات نباہتا تھا۔ مخلصین کی دلدہی اور
مصروں کی مخلصانہ محبت میں دُور دُور کے سفر اور متواتر و مسلسل ومختلف اسفار
حسب موقع دن اور ہفتے اور مہینے خرچ کرتا تھا۔ طالبین میں ہر شخص کی طاقت
بلیت کے موافق ان کو زبانی اور بذریعہ مراسلت اصلاح حال کی تعلیم بھی دیتا
توجہ و تصرف ہمت سے ان کی تربیت بھی فرماتا تھا اور بایں ہمہ اپنے مولا کے
تھ قلبی و جسدی تعلقات کے تمامی وہ حقوق ادا کرتا تھا جو زہاد و عباد کسی پہاڑ

کی تلہٹی میں بیٹھ کر ادا کیا کرتے ہیں۔ اس دماغی اور بدنی مشاغل میں مشغول ہو کر کوئی برسوں کا حاضر باش بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نماز کی تکبیر تحریمہ حضرتؒ سے چھوٹ گئی یا فلاں شب تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی۔ حضرت کے مشاغل روزمرہ کا عُشر بھی کسی کے سر رکھدیا جائے تو بڑا بہادر و باہمت کہلائے گا۔ اگر چند ہفتے بھی یکساں حال پر تیقظ و چستی میں گذار دے چہ جائیکہ عمر کا بڑا حصہ اور وہ بھی اخیر جس میں ساری جسمانی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں۔ اس چستی و پابندی میں گذرا کہ جو دن آیا وہ ایک جدید اشغال کا اضافہ ساتھ لایا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھاتا رہا۔ اور اصلاح و تربیت روحانی کے سلسلہ میں بھی روزانہ ترقی ہو کر کماً و کیفیاً مزید اشغال کی ضرورت بڑھتی رہی۔ باوجودیکہ آپ مدینہ کی زمین میں دفن ہونے کی ہوس پر ہندوستان چھوڑ چکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی پچیس[۲۵] دن میں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ مدرسے سے رخصت لے چکے اور اسکو اپنے معتمد خدام کے حوالہ کر کے تمامی ذمہ داریاں سر سے اُتار چکے تھے مگر میں مجسّم حیرت بنگیا۔ جب آپ کا رجسٹری شدہ والا نامہ میرے نام آیا جسمیں مدرسہ کے متعلق بیس سے زیادہ وہ جزئی واقعات لکھے جن کی تحقیق اور اصلاح کی ضرورت تھی۔ اور پھر خود ہر معاملہ کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں واقعہ اگر صحیح ہو تو یہ کرنا چاہئے۔ اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہئے۔ اور اسکے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں نگرانی کا سبق پڑھایا۔ مافات کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھلایا۔ اور اُن علاماتِ مخفیہ پر آگاہ کیا جو اسوقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاوڑہ بنتی نظر آتی ہیں غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بیخبر اور قلوب مغفل و دماغ معطل تھے

آپ نے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ اُن سے نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو بآسانی انجام دیسکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

(۳۳) حضرت مولٰنا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس اللہ سرہٗ کی حکایت

حکایت (۴۳۸) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا میں اُن کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (جامع کہتا ہے اللہ اکبر کیا ٹھکانا اس تواضع اور انکساری کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نیک لوگوں کا تو ایسا حال ہے ؛ اور تیرا یہ خبیث ابتر حال ہے
میرا ثانی کوئی دنیا میں نہیں ؛ عالم و زاہد و ولی پاک دیں

(منقول از اشرف التنبیہ)

(۳۴) حضرت امیر شاہ خانصاحب راوی سالہ امیر الروایات رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۴۳۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں۔ لیکن شاذ و نادر کبھی کوئی خواب نظر آجاتا ہے اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں۔ میں نے لڑکپن میں غالباً بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ

مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے
کہ سیّد صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک چارپائی پر
سرہانے بیٹھے ہیں۔ میں ان کی پائینتیوں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور اُن سے ایسی
بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں جیسے بہت دنوں کی ملاقات ہو۔ چنانچہ
میں نے اُن سے پوچھا کہ حضرت آپ کا علم کتنا بڑا ہے۔ مولانا نے مسکرا کر فرمایا
کہ بقدر ضرورت۔ اسکے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر
ہوا وہ مسجد میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو مسجد سے بہت نیچا تھا
جیسا آدھا تہ خانہ اور اس حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ مولانا اس سے
کمر لگائے بیٹھے تھے اور ان کے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔
جب میں جا کر بیٹھا تو مولانا نے ایک دیگچی نکالی جس میں شربت تھا جس کا قوام
کسی قدر گاڑھا تھا اور رنگت سنہری اور نہایت براق تھی۔ مولانا نے اس میں
سے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو دینے شروع کئے اور تقسیم اپنے دائیں ہاتھ سے
شروع کی۔ میں مولانا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پھوپھا میرے برابر
میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میرا نمبر آیا مولانا نے اس پیالہ کو اوروں سے زیادہ
بھرا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ وہ پیالہ مجھے دینے ہی کو تھے کہ میرے
پھوپھا نے مجھے کسی کام کو بھیجدیا اور وہ پیالہ مجھے نہ مل سکا۔ مجھے اس کا بڑا
قلق ہوا۔ اور میں چاہتا تھا کہ نہ جاؤں مگر اول تو پھوپھا صاحب کے حکم کی تعمیل
ضروری تھی دوسرے یہ بھی خیال ہوا کہ پھوپھا یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے
اسلئے چار و ناچار مجھے اسکی تعمیل کرنی پڑی۔ میں اس کام کو کر کے واپس آیا

اور جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ مولانا نے فرمایا ارے تو رہ گیا کہاں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد دیگچی منگائی اور شربت کو دیکھا اس میں شربت موجود تھا۔ مگر اتنا نہ تھا جتنا اوروں کو دیا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے وہ پیالہ منگایا جس میں آپ نے پیا تھا۔ اس پیالہ میں مولانا کا بچا ہوا شربت موجود تھا۔ مولانا نے دیگچی کا شربت اس پیالہ میں ڈالا اور دیگچی کو اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر بالکل صاف کو دیا۔ اس سے وہ پیالہ اتنا تو نہ بھرا جتنا پہلی مرتبہ میرے لئے بھرا تھا۔ مگر اوروں کی برابر ہو گیا اور وہ پیالہ میں نے پی لیا۔ اُس روز سے میری یہ حالت ہو گئی کہ میں مولٰنا کی کتابوں کو اتنا تو نہیں جتنا وہ خود سمجھتے تھے مگر اپنی حیثیت کے موافق خوب سمجھنے لگا۔

حاشیہ حکایت (۴۳۹) قولہ اُس روز سے میری یہ حالت ہو گئی الخ۔ اقول۔ خواب اس حالت میں دخیل نہیں بلکہ مبشر ہے اس حالت کے حصول کی مستقبل میں اور وہ حصول کبھی وہبی ہوتا ہے اور کبھی مکتسب کسی عمل سے بہرحال خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے اگر کوئی چیز مؤثر ہے وہ عمل ہے اور خواب محض مبشر (شت)

نظیف الزیادات فی لطیف العنایات

اس کی حقیقت ایک مکتوب ہے امیر شاہ خانصاحب مرحوم کا اس احقر کے نام جس کے بعض اجزا از قبیل مضامین امیر الروایات ہیں "نظیف الزیادات" کے لقب کا مبنٰی یہی مناسبت ہے اور بعض اجزا مشعر ہیں مرحوم کی عنایت خاص کے اس احقر پر "فی لطیف العنایات" کی قید کا مبنٰی یہی رعایت ہے بس ایسے شخص کی

عنایت کو جسکو اکابر کے ساتھ ایسے خاص تعلقات ہوں فال صلاحیت حال و مآل
اور موجب تقویت آمال سمجھتا ہوں۔ جن فوائد پر یہ ضمیمہ مشتمل ہے ان میں ہر فائدہ پر
مستقلاً و منفرداً متنبہ کرنے کے لئے ان اجزاء پر اصل متن کے سلسلہ عداد سے نمبر
بھی ڈالدئے گئے۔ کیونکہ دلالت علی العنایات بھی ایک قسم کی حکایت ہی ہے خصوص جبکہ
وہ بعض واقعات کی حاکی بھی ہو۔ اس طرز سے یہ ایک درجہ میں تتمہ متن کا بھی ہو گیا۔
اور پورے مکتوب کے ختم کے بعد ہر نمبر کے حوالہ سے مواقع ضروریہ پر کچھ تعلیقات بھی مختصر
مختصر لکھدئے گئے۔ اب اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں۔

(جزو اول نمبر ۱۶۵) حضرت مخدوم مکرم و معظم و محترم جناب مولانا دام اللہ
وجودکم۔ امیر شاہ عفی عنہ عارض مدعا ہے کہ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے اثنائے سفر میں
ضرور حاضر خدمت ہوں مگر میرے دیوبند پہنچنے تک جناب سفر سے واپس تشریف
نہ لائے تھے۔ اس کے بعد میں رائپور چلا گیا۔ محمد اشفاق کی بیوی اور بیٹے کا انتقال
ہو گیا تھا اسلئے وہاں دیر ہو گئی۔ اس کے بعد رمضان آگیا انھوں نے رمضان میں آنے
نہ دیا۔ چنانچہ نصف رمضان وہاں رہنا پڑا اس کے بعد آٹھ روز بہٹ قیام کرنا پڑا
وہاں سے دیوبند واپس آیا۔ گو یہاں آکر مجھے معلوم ہو گیا کہ جناب والا تشریف
لے آئے ہیں۔ لیکن اول تو حافظ احمد نے نہ چھوڑا۔ دوسرے میں بہت ضعیف
ہو گیا ہوں۔ نظر بھی بہت کمزور ہو گئی اسلئے تنہا سفر کے قابل نہیں رہا ہوں اور
ہمراہی کوئی ملا نہیں اسلئے حاضری سے قاصر رہا۔ پھر ادھر چودہری صاحب کا
تقاضا تھا کہ جلدی آؤ۔ اس نے معذوری میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ علیگڈھ آکر
منشی شرافت اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سفر سے واپس تشریف لائے

ہوئے کچھ دیر ہاتھرس کے اسٹیشن پر ٹھہرے تھے۔ اور مجھے اور حبیب احمد کو بلانے کے لئے جناب نے مینڈھو آدمی بھیجے تھے۔ مگر ہم میں سے کوئی نہ ملا۔ یہ سُنکر نہایت صدمہ ہوا۔ مگر ساتھ ہی انھوں نے یہ خوشخبری بھی سُنائی کہ جناب عنقریب علیگڈھ تشریف لانے والے ہیں۔ اس سے قدرے تسکین ہوئی اور میں نے ان سے کہدیا کہ جب مولانا تشریف لانے کو ہوں تو اُن کی تشریف آوری سے ایک روز قبل مجھ کو بلا لیا جاوے۔ چنانچہ انھوں نے اس کو منظور فرما لیا ہے۔ حضور سے بھی معروض ہے کہ جب جناب علیگڈھ تشریف لاویں تو مجھے اطلاعی والانامہ سے مشرف فرما دیں۔ (جزو دوم نمبر ۱۶۶)

آخر میں کچھ تھوڑی سی اپنی بکواس لکھوانا چاہتا ہوں جس کا نام اعتقاد دلی ہے۔ اُس اعتقاد دلی میں بجز اپنے حضرات کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے اور کسی کا معتقد نہیں ہوں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امیر شاہ اور مولوی عبدالکریم پنجابی یہ دو شخص کسی کے معتقد نہیں۔ اگر کوئی کہتا کہ حضرت اور آپ کے تو آپ کبھی فرماتے کہ ہاں مولوی محمد قاسم کے سُنتے سُنلئے میرا معتقد ہے۔ اور کبھی فرماتے کہ ہاں میرا تو سچا معتقد ہے۔ پھر مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگا۔ حضرت کے اکثر خدام میرے پیچھے پڑ گئے۔ چنانچہ جب میں جاتا کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ میں مجھ سے گفتگو چھیڑ دیتے۔ مگر حاجی صاحب کی مجلس میں میں کسی کو جواب نہ دیتا تھا اور یہ کہدیتا تھا کہ اگر تم کو گفتگو کا شوق ہے تو حاجی صاحب کی مجلس سے الگ مجھ سے گفتگو کر لو۔ پھر دیکھو کس کے ہاتھ پالا رہتا ہے۔ ایک روز حاجی صاحب نے ان لوگوں کو

خفا ہو کر منع فرمایا کہ اس سے گفتگو نہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ یہ اپنے خیالات میں پختہ ہے اور کسی کا معتقد نہیں ہے مولانا گنگوہی وغیرہ سے سنکر میرا بھی معتقد ہے۔ گو میں پہلے بھی ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا مگر صحبت کا اتفاق نہوا تھا اس مرتبہ جو صحبت کا اتفاق ہوا تو میں ان کا دل سے معتقد ہو گیا۔ ایک مضمون میرے خیال میں حدیث کا آیا ہے جسکو میں نے بجز شاہ عبدالرحیم صاحب کے کسی سے نہیں بیان کیا اور اب جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ؟ اللّٰھم أدر الحق مع علی حیثما دار۔ پس آپنے حضرت علی کو حق کا تابع نہیں قرار دیا۔ بلکہ حق کو حضرت علی کا تابع بنایا ہے اسی طرح میرے نزدیک حضرت حاجی صاحب علی وقت تھے اور حق ان کا تابع۔ اور اس لئے مجھے کبھی ان کے کسی فعل پر اعتراض نہیں ہوا۔ نماز اُن کی ایسی ہی تھی کہ میں نے کسی کی نہ دیکھی۔ صفائی اُن کے یہاں ایسے ہی تھی تصنع کا وہاں نام نہ تھا یہ بات تو ختم ہوئی (جزو سوم نمبر ۱۶۷)

اب ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اگرچہ حبیب احمد مجھے منع کرتا ہے کہ تو مت لکھوا مگر میں لکھواؤں گا اور اسی سے لکھواؤں گا (مولوی حبیب احمد صاحب نے خود اپنے لئے یہ صیغے تجویز اس لئے کئے کہ خط ان کے قلم سے لکھوایا گیا)

پہلے میں صوفیوں کو دہ دردہ کہا کرتا تھا اور مولویوں کا فی الجملہ معتقد تھا۔ لیکن مقام چھتاری میں تجربہ ہوا کہ مولوی بھی دہ دردہ بنکہ کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ چھتاری میں ایک عالم مدرس تھے۔ کسی بات پر نواب صاحب نے انکو موقوف کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ نواب صاحب

کے انتقال کے بعد تعزیت کے واسطے پانی پت سے قاری عبدالرحمٰن صاحب اور دہلی سے مولوی عبدالرب وغیرہ امروہہ سے مولوی احمد حسن صاحب مرادآباد سے مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ اور دیوبند سے حافظ احمد وغیرہ اور دوسرے مقامات سے اور اور حضرات جن سے ملاقات تھی تشریف لائے۔ مگر یہ مولوی صاحب نہیں آئے۔ میں نے ان کے ایک دوست سے اُن کے نہ آنے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ مولوی صاحب کے ذمہ عبدالصمد خاں صاحب کے ڈھائی سو روپئے قرض تھے۔ اور عبدالصمد خاں نے ان کا تقاضا کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک بھنگی بھی تقاضے کیلئے بھیجا تھا۔ اس وجہ سے نہیں آئے۔ جب مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا تو میں نے اسی روز عشاء کی نماز کے بعد نواب عبدالصمد خاں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ انھوں نے کہا کہو میں نے کہا کہ مجھے ڈھائی سو روپیہ کی ضرورت ہے۔ آپ بطور ہدیہ کے مجھے یہ رقم عطا فرماویں۔ وہ یہ سنکر متحیر ہوئے۔ اور کہا کہ نہ تو سوال کی آپکی عادت ہے اور نہ بظاہر آپ کو کوئی ضرورت ہے آخر یہ بات کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں میں آپ سے مانگتا ہوں آپ مجھے دیدیجئے۔ انھوں نے کہا بہت اچھا میں نے کہا تو ابھی اپنے تحویلدار کو بُلا کر اس سے کہدیجئے۔ انھوں نے اسی وقت بُلا کر کہدیا کہ تحویل میں سے اڑھائی سو روپئے خاں صاحب کو دیدینا۔ میں نے کہا کہ یہ روپئے آپنے مجھے دیدیئے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں دیدیئے۔ اسی طرح میں نے اُن سے تین مرتبہ اقرار لیا۔ اُسکے بعد میں نے اُن سے کہا کہ آپکے ڈھائی سو روپئے جو فلاں مولوی صاحب کے ذمہ ہیں ان کو آپ معاف کر دیجئے اور یہ روپئے جو آپنے مجھے دیئے ہیں ان کو آپ رہنے دیجئے اور اِن کو اُن کے بجائے سمجھ لیجئے۔ یہ سُنکر

انھوں نے کچھ دیر سکوت کیا۔ اسکے بعد کہا کہ اچھا ہیں نے معاف کئے۔ یہ واقعہ میں نے ان مولوی صاحب کے دوست سے بیان کر دیا۔ انھوں نے ان مولوی صاحب سے ذکر کیا۔ تب وہ مولوی صاحب تعزیت کیلئے آئے۔ تقریباً ڈیڑھ مہینے کے بعد وہ مولوی صاحب علیگڈھ تشریف لائے اور مجھ سے اور حافظ عطاء اللہ سے کہا کہ مجھے پچاس روپئے کی ضرورت ہے تم نواب یوسف علی خاں صاحب سے مجھے قرض دلا دو۔ حافظ عطاء اللہ نے تو انکار کر دیا مگر میں نے اقرار کر لیا۔ حافظ عطاء اللہ نے مجھ سے کہا بھی کہ تم مولویوں کے درمیان میں نہ پڑا کرو۔ حافظ عطاء اللہ کے انتقال کو اٹھارہ برس ہوئے اور سولہ سال نواب یوسف علی خاں کے انتقال کو ہوئے اور حافظ عطاء اللہ کے انتقال سے ایک برس پہلے کا یہ قصہ ہے لیکن مولوی صاحب نے ابتک اس قرض کے ادا کا نام تک نہیں لیا۔ گو میں نے نواب صاحب کے انتقال کے وقت اُن سے یہ قرض بھی معاف کرا دیا تھا۔ مگر اس کا تذکرہ میں نے مولوی صاحب سے ابتک نہیں کیا۔ یہ قصہ بھی ختم ہوا۔ ایک اور قصہ سُناتا ہوں۔ نواب یوسف علی خاں صاحب اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے بہت خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کوئی ایسا مصرف بتلاؤ جس میں خرچ کرنے سے ان کو ثواب بھی ہو اور ان کی رُوح بھی مجھ سے خوش ہو۔ میں نے کہا کہ آپ اپنے والدین کے عزیزوں اور دوستوں پر صرف کیا کریں۔ انھوں نے دریافت کیا کہ میرے والد کے دوستوں کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہوگا۔ آپ مجھے بتلائیے۔ میں نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب سے آپکے والد کی بہت دوستی تھی۔ یہ سُنکر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپنے بہت ٹھیک فرمایا۔ اُسکے بعد انھوں نے پچاس روپیہ ان کے پاس

بھجوا دیئے۔ تین مہینے کے بعد ان کا بیٹا آیا۔ نواب صاحب نے پچیس روپیہ اُسے دیدیئے۔ اُس کے تین مہینے کے بعد مولوی صاحب خود تشریف لے آئے۔ مولوی صاحب کا اور اُن کے بیٹے کا سائلانہ نواب صاحب کے در پر آنا مجھے ناگوار ہوا اور اس لئے میں نے اُن سے کسی قدر بیرخی برتی۔ مگر نواب صاحب نے ان کو اپنے پاس بُلا کر پچیس روپیہ دیئے۔ اور کہا کہ بعض وجوہ سے اسوقت میرا ہاتھ تنگ ہے اور میں زیادہ خدمت کرنے سے معذور ہوں۔ انشا اللہ ایک ماہ کے اندر ہی پچیس روپیہ آپ کی خدمت میں اور بھیجوں گا۔ اور اگر مجھے یاد نہ رہے تو امیر شاہ خان یاد دلا دینگے۔ اس کے بعد وہ مولوی صاحب چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد نہ تو نواب صاحب کو خیال رہا اور نہ مجھے اور اس لئے رقم موعود ان تک نہ پہونچ سکی۔ اسپر اُن مولوی صاحب نے مجھے خط لکھا اور اسمیں لکھا کہ جب میں میلٹھ آیا تھا تو آپ مجھ سے بیرخی سے پیش آئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو میرا آنا ناگوار ہوا تھا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رقم کا نواب صاحب نے وعدہ کیا تھا وہ آپ وصول کر کے خود کھا گئے۔ سو اگر یہی واقعہ ہے تو آپ مجھے صاف لکھدیجئے میں معاف کردوں گا۔ اگر یہ واقعہ نہیں ہے تو آپ نواب صاحب سے رقم موعود بھجوا دیجئے۔ میں نے نواب صاحب سے اس خط کا کچھ تذکرہ نہیں کیا اور پچیس روپیہ ان کو بھجوا دیئے۔ چھ سات مہینے کے بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا اور ان کے لڑکے کا بھی۔ یہ قصہ بھی ختم ہوا۔

اس قسم کے واقعات سے مجھے جو صوفیوں کی بہ نسبت مولویوں کے ساتھ کسی قدر حُسن ظن تھا۔ اسمیں خلل آگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب مولوی بھی دہ در دہ ہوگئے

ان واقعات سے طبع والا کو بھی تکدر ہوا ہوگا۔ اس لئے اب میں اسکی تلافی کیلئے ایک قصہ مولوی محمد یعقوب صاحب کا لکھوآیا ہوں۔

جزو چہارم نمبر ۱۶۸۔ مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب چھتاری تشریف لاویں اور وہ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ کسی طرح مولانا کو یہاں لاؤ۔ ایکمرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب کی بیحد خواہش ہے کہ آپ ایکمرتبہ چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہمنے سُنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اسکو سو روپیہ دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بُلاتے ہیں اس لئے شاید دو سو دیدیں۔ سو دو سو روپئے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جاکر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگاویں گے۔

جزو پنجم نمبر ۱۶۹۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی ملاقات کے بیحد متمنی تھے مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ۔ مگر جب مولانا کو اُن کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی اور طرف کو چلدیتے تھے .... ہاں نواب صاحب سے دو باتیں کہدینا۔ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوادیں۔ اور دوسری ایک عجیب بات تھی، اگر وہ ایسا کرینگے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کو سُنکر تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔

جزو ششم نمبر ۱۷۱ - ایک بات جو اسوقت نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ چودھری صاحب کے گھر میں بائیں چھاتی میں کوئی سمی مادہ آگیا ہے اور یہ حالت بہت عرصے سے ہے ہر چند علاج کیا جاتا ہے مگر مرض روبترقی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرض دوا کی حد سے نکل کر دعا کی حد میں آگیا ہے۔ جناب اپنے خاص اوقات میں ان کی شفا کے لئے دعا فرماویں۔ حق بر آرد آرزوئے متقین والسلام۔ مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو سلام۔ آخر میں عرض ہے کہ جب جناب علیگڈھ تشریف لاویں۔ اگر ممکن ہو تو مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو اپنے ہمراہ لیتے آویں تاکہ میں ان سے بھی مِل لوں۔

جزو ہفتم نمبر ۱۷۱ - آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں جب نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نواب صاحب کی تعزیت کے لئے چھتاری آئیں اور انھوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔ اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ آئیے۔ اس پر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنے والوں سے بیماری کا عذر کر دیا۔

(منقول از امیر الروایات)

حل مواقعہ ضروریہ مکتوب بالا

تعلیق جزو اوّل - احباب و اخوان فی الدین کی ملاقات کیلئے سفر جبکہ کسی ضروری جزو دین میں خلل نہ ہو لم داب اخوت و محبت سے ہے۔

تعلیق جزو دوم - قولہ حق ان کا تابع تھا - اقول - یہ معنی نہیں کہ حق بدلجاتا تھا معنی یہ ہیں کہ واقعہ کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اس کا حکم شرعی وہی ہوتا تھا جو آپ کی رائے ہوتی تھی -

تعلیق جزو سوم - گو اس میں دو قصے ہیں مگر چونکہ ایک ہی باب کے ہیں اس لئے ان کو ایک ہی جزو قرار دیا گیا - اگر اچھے قصے ہوتے تو جدا جدا کرنے میں فرحت مکرر ہوتی - اب رنج مکرر دینے سے کیا فائدہ -

تعلیق جزو چہارم - قولہ - دھبہ نہ لگادینگے - اقول احقر کو معلوم ہے کہ حضرت کو اکثر تنگی رہتی تھی - پھر یہ زہد کمال عظیم ہے -

تعلیق جزو پنجم - قولہ - پالکی کا پایا - اقول - ان حضرات کا التفات و اعراض سب اللہ ہی کے واسطے ہے -

تعلیق جزو ششم - قولہ - دوا کی حد میں - اقول - یعنی دعائے محض کی حد میں پس اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ دوا کی حالت میں دعا کی نفی لازم آتی ہے -

تعلیق جزو ہفتم - قولہ - میں نے لکھدیا کہ نہ آئیے - اقول - یہ ہے تقدیم مصلحت دینیہ کی دنیویہ پر - قولہ - گولیاں کھالیں - اقول - کیسی لطیف تدبیر فرمائی کہ مقصود بھی حاصل کسی کا کسر قلب بھی نہیں دعوی زہد بھی نہیں ع

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

وھھنا تم جمیع ما یتعلق بامیر الروایات والحمد للہ مفیض الهدایات فقط "

---

(۵۴) جناب دیوان محمد یٰسین صاحب دیوبندی مرحوم کی حکایات

حکایت (۴۰۴) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین مرحوم جو حضرت نانوتوی کے خدام میں سے تھے، ان کا ذکر جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سنکر کوئی بغیر روئے ہوئے وہاں سے گذر جائے۔ نہایت دردناک آواز میں ذکر کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد و صادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا، اور وہ بھی روتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں مصروف تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے اور توجہ کا رُخ میرے ہی قلب کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور میں نے بحالتِ ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے۔ مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں۔ بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اُتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور خلفائے اربعہ ہر چہار کونوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اُترتے اُترتے بالکل میرے قریب آکر مسجد میں ٹھہر گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بُلا لو وہ تشریف لیگئے اور مولانا کو لیکر آگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لائیے۔ عرض کیا حضرت حاضر ہے اور یہ کہکر حساب تبلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور مسرت کی اسوقت کوئی انتہا نہ تھی

بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے۔ حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

حاشیہ حکایت (۴۴۰) یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تصرف کی ایک فرد ہے۔ شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ کو دکھلانا تھا۔ تاکہ متردین اسے سنکر مطمئن ہو جاویں۔ باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ نکالدیتے ہیں (شت)

(۴۶) رامپور کے مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ ریاست رامپور میں نواب یوسف علی خاں کے زمانہ میں روشن باغ میں ایک مجذوب رہتے تھے اور نواب صاحب کی طرف سے دو سپاہی ان کی خدمت کیلئے رہا کرتے تھے۔ ان کا نام بٹیر شاہ تھا۔ یہ مجذوب بالکل ننگے رہتے تھے۔ مگر باتوں میں مجذوب نہ تھے۔ چنانچہ جب باتیں کرتے ان کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی ان کے پاس آتا اس سے کوئی نہ کوئی فرمایش ضرور کرتے۔ نیز ان کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی ایک انار یا ایک امرود یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ وغیرہ پیش کرتا تو نہ لیتے اور فرماتے ایک نہ لونگا دو لاؤ۔ میرے پھوپھا انکی خدمت میں جایا کرتے تھے اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ میرے پھوپھا نے شاہ آباد دروازہ ایک مکان لے رکھا تھا اور ہمارے مکان کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جو نہایت صحیح العقیدہ اور بزرگ آدمی تھے ان کا نام مولوی اسمٰعیل صاحب تھا اور ان کے

ایک بھائی تھے جن کا نام حافظ اسحٰق تھا۔ میں ان حافظ اسحٰق صاحب سے کوئی کتاب بھی پڑھتا تھا اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان وجوہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب سے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ ان مولوی اسمٰعیل صاحب نے میرے پھوپھا سے بٹیر شاہ کے انتقال کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ گو میری عادت مجاذیب سے اختلاط کی نہ تھی مگر میں خلاف عادت بٹیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور گو ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر آنے والے سے کچھ نہ کچھ فرمائش کیا کرتے تھے۔ مگر انھوں نے بھی اپنی عادت کے خلاف کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور سب سے کچھ نہ کچھ فرمائش کرتے ہیں مگر مجھ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔ کیا حضور مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ میں سب سے زیادہ تجھ سے خوش ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ مجھ سے فرمائش کیوں نہیں کرتے۔ انھوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے جتنے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں سب اغراض لیکر آتے ہیں۔ کوئی بیوی کے لئے آتا ہے۔ کوئی معشوق کے لئے۔ کوئی نوکری کے لئے۔ کوئی کسی اور غرض سے۔ اس لئے ہم بھی اُن کے ساتھ اپنی غرض لگا دیتے ہیں اور تو کسی غرض سے نہیں آتا بلکہ محض خدا کے لئے آتا ہے اسلئے تیرے ساتھ غرض لگانے کو جی نہیں چاہتا میں نے پوچھا کہ آپ جب کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ایک نہیں لیتے بلکہ دو لیتے ہیں اس میں کیا راز ہے۔ آپنے فرمایا وخلقناکم ازواجا اور ایک آیت اور ایسے ہی پڑھی۔ جب خدا نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں ہم بھی جوڑا لیتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کچھ فرمائش کریں۔ آپنے فرمایا اچھا مرغ پلاؤ لاؤ۔ میں اپنے گھر آیا میرے بھائی حافظ اسحاق اصیل مرغ پالتے تھیں

میں نے اُن سے کہا کہ میں میاں بشیر شاہ کے لئے مُرغ کا پُلاؤ لیجاؤں گا۔ تو کوئی عُمدہ پٹھا جس میں سیر بھر گوشت ہو مجھے دیدو۔ انھوں نے ایک نہایت عمدہ پٹھا دیدیا۔ اس کے بعد میں بازار گیا اور سیر بھر نہایت عمدہ چاول لایا اور بہت اچھی بریانی پکاکر ایک بڑی قاب میں ان کے لئے سب کا سب لیگیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ باغ کے ایک تالاب میں نہارہے تھے مجھے دیکھ کر نکل آئے۔ میں نے پُلاؤ پیش کیا۔ انھوں نے بیٹھ کر سب کھا لیا۔ اور کھا کر اس رکابی کو تالاب پر لیگئے اور وہاں اُسے خوب دھویا اور دیر تک پانی کو ہلاتے اور رکابی کو دھوتے رہے۔ اسکے بعد وہاں سے آئے اور آکر رکابی کو آسمان کی طرف بہت اونچے پھینک دیا اور فرمایا رزقکم فی السماء میں سمجھا کہ اب رکابی گر کر پاش پاش ہو جاوے گی مگر وہ سیدھی ان ہی کی طرف آئی اور انھوں نے اس کو ایک انگوٹھے اور دو انگلیوں پر روک لیا۔ اسکے بعد اسکو پھر پھینکا اور وہی رزقکم فی السماء فرمایا اور پھر انگلیوں پر روک لیا غرض وہ بہت دیر تک یہی کھیلتے رہے۔ بہت دیر کے بعد مجھے انھوں نے رکابی دی۔ میں تو رکابی لیکر چلا آیا اور وہ پھر پانی میں گھس گئے۔ میں حسب معمول انکی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ میں نے پھر کہا کہ کچھ فرمائش کیجئے۔ انھوں نے فرمایا اچھا ابکی سفریاں (امرود) لاؤ۔ میں ڈیڑھ دو سیر نہایت عمدہ سفریاں لیگیا اتفاق سے اُس روز بھی اکیلے تھے۔ میں نے وہ سفریاں پیش کیں۔ آپنے ان کو لیکر سامنے رکھکر کھانا شروع کیا۔ ایک سفری جو کسی قدر گدری تھی جب وہ سرک کر انکی طرف کو آتی تو اس کو نہ کھاتے اور ہٹا دیتے اور کہتے کہ میرے پاس نہ آئیگی مولوی کے پاس جاویگی۔ غرض وہ تمام سفریاں کھالیں اور اس سفری کو آخر تک

نہ کھایا اور یہی کہتے رہے مولوی کے پاس جاویگی۔ مولوی کے پاس جاویگی۔ میرے پاس نہیں آئے گی۔ جب تمام سفریاں ختم ہو چکیں تو انھوں نے وہ سفری مجھے دی اور کہا یہ تو کھا لینا۔ میں نے جو اسے اٹھایا۔ تو نہایت تیز گرم تھی۔ میں نے اٹھاکر رومال میں رکھ لی اور گھر لے آیا۔ گھر میں آکر میں ایک عجیب خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ کبھی تو جی چاہتا کہ کھالوں۔ اور کبھی یہ خیال کرتا تھا کہ اگر تو نے کھالیا تو پھر تو بھی ان کی طرح دیوانہ ہو جائیگا۔ اور جو کچھ علم دین کے متعلق نفع کسی کو تجھ سے پہنچ جاتا ہے وہ بھی منقطع ہو جاویگا اور جورو بچے بھی چھوٹ جاوینگے۔ غرض بہت دیر تک اسی الجھن میں رہا کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ آخر میں نے اسے کھونٹی پر لٹکا دیا مگر وہ اُلجھن اب بھی نہ گئی۔ جب میں سونے کے لئے لیٹا تو اسوقت بھی وہ اُلجھن نہ گئی۔ کبھی کھانے کا خیال ہوتا تھا اور رومال کو کھونٹی پر سے اُتارتا تھا۔ اور کبھی پھر خیال ہوتا کہ اس کا نہ کھانا ہی مناسب ہے اور یہ خیال کر کے پھر کھونٹی پر لٹکا دیتا تھا۔ جب بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا تو بیوی نے کہا کہ آج تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ نہ خود سوتے ہو نہ سونے دیتے ہو۔ اور یہ اس رومال میں کیا چیز ہے کہ کبھی اُتارتے ہو اور کبھی پھر رکھدیتے ہو۔ بیوی کو تو میں نے ٹال دیا مگر مجھے کسی طرح یکسوئی نہ ہوئی اور میں صبح تک اسی الجھن میں رہا۔ اور رات بھر نہیں سویا۔ جب صبح ہوئی تو میرے ایک دوست چنداں میاں میرے پاس آئے۔ یہ بہت نیک اور ذاکر و شاغل تھے۔ میں نے اُن سے اس سفری کا تذکرہ کیا اور اپنی پوری کیفیت بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ میاں تردد کیوں کرتے ہو کھا بھی لو لیکن یہ دیکھ لو کہ وہ ابتک گرم ہے یا ٹھنڈی ہو گئی۔ اگر گرم ہے تو اثر ہے اگر ٹھنڈی ہو گئی تو اثر

جاتا رہا۔ میں گھر میں سے سفری لایا دیکھا تو ابتک گرم تھی مگر اسقدر تیزی نہ تھی۔ میں نے کہا چندا میاں گرم تو ہے۔ انھوں نے کہا دیکھوں۔ میں نے ان کو دی وہ لیتے ہی منھ میں رکھ گئے اور کھاتے ہی انگرکھا پاجامہ اُتار دیا اور ننگے ہو کر چلدئیے۔ میں نے جب چندا میاں کی یہ حالت دیکھی تو میں پھر بٹیر شاہ کے پاس گیا اور ان سے سفری کا قصہ بیان کیا۔ اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیے جس سے میری یہ حالت بھی قائم رہے۔ اسپر انھوں نے فرمایا کہ میں اتنا نہیں ہوں۔ یہ قصہ بیان کر کے خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے چندا میاں کو دیکھا ہے۔ یہ قوم سے پٹھان تھے اور گھر سے بہت خوش حال تھے۔ ان کے باپ بھائی ریاست کے معزز عہدوں پر تھے اور اپنے گھر میں سب میں خوبصورت تھے۔ اُن کے پاؤں میں زنجیر پڑی رہتی تھی اور یہ ایک تخت پر بیٹھے رہتے تھے اس تخت پر ایک مصلّٰی پڑا رہتا تھا۔ یہ کبھی ذکر کرتے تھے اور کبھی نماز پڑھتے تھے۔ اور کبھی ویسے ہی بیٹھے رہتے اور جب نماز پڑھتے تو نہ اوقات کا لحاظ ہوتا نہ رکعات کا لحاظ بلکہ جب چاہا نماز شروع کر دی۔ اور جب تک جی چاہا پڑھتے رہے۔ سُنا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو مارتے بھی تھے۔ نیز ان کی یہ حالت تھی کہ جب کسی کو دیکھتے تو ہنسکر ہاتھ سے منہ چھپا لیتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۴) قولہ۔ مگر باتوں میں مجذوب نہ تھے۔ اقول۔ اسپر تعجب نہ کیا جاوے۔ جذب میں یا جنون میں عقل نہ ہونا تو لازم ہے۔ لیکن بعض اوقات حواس صحیح ہوتے ہیں اور وہ کسی امر کا ادراک کرتے ہیں کسی کا نہیں کرتے اور ایسا شخص مکلف نہیں ہوتا اسلئے کہ مدار تکلیف کا عقل ہے نہ کہ حواس چنانچہ بہائم باوجود سلامت حواس کے اسی لئے مکلف نہیں کہ ان کو عقل نہیں خواہ مطلقاً خواہ خاص درجہ کی

جو بناء ہو تکلیف کی جو کہ صبی و معتوہ میں بھی مفقود ہے علی اختلاف قول المحققین۔
قولہ۔ میں اتنا نہیں ہوں۔ اقول۔ علت اسکی نقص ہے مجاذیب کا۔ اسی لئے اہلِ تحقیق ان کی طرف توجہ کو منع کرتے ہیں۔ کہ اول تو ان سے دین کا ذوق کم ہوتا ہے اور کچھ ہوتا ہے تو ناقص۔ چنانچہ اس قصہ میں کیفیت تو حاصل ہوگئی اور اعمال بُاد ہوگئے۔ جسپر گو مواخذہ نہ ہو۔ مگر حرمان ثواب سے تو ہُوا۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۴۷) ایک اور مجذوب صاحب کی حکایت

حکایت (۴۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ رامپور میں ایک اور مجذوب رہتے تھے جو اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے۔ یہ جس مکان میں رہتے تھے اسمیں ایک نہایت عمدہ چارپائی پڑی تھی جس پر ایک نہایت عمدہ بستر لگا رہتا تھا اور یہ مجذوب نہایت شان و شوکت کے ساتھ اس چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے اور چارپائی کے سرہانے ایک چوکی لگی ہوئی تھی جسپر ایک جائے نماز پڑی ہوئی تھی اور چارپائی کے سامنے بوریئے بچھے رہتے تھے اور مکان میں ہر چیز نہایت قرینے سے رکھی رہتی تھی۔ مکان بھی نہایت عمدہ تھا اور اسمیں صفائی کا بھی پورا اہتمام تھا۔ حتی کہ مکان میں تنکا تک نہ ہوتا۔ یہ مجذوب لباس بھی نہایت عمدہ اور امیرانہ پہنتے تھے۔ اور نہایت خوش بیان تھے تقریر اسقدر تیز تھی کہ کیا مجال زبان میں لکنت آئے یا کہیں ٹھٹکیں مگر وہ تقریر نہایت غیر مربوط اور بے معنی ہوتی تھی۔ اثنائے تقریر میں کبھی کبھی فوں فوں شوں شوں بھی کرنے لگتے تھے اُن کے پاس ایک خادم رہتا تھا اور ہر وقت مکان بند رہتا تھا۔ جب کوئی آتا

تو دروازہ پر تین مرتبہ دستک دیتا۔ اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس ہو جاتا۔ اور اگر ان مجذوب کو بلانا مقصود ہوتا تو خادم آکر دروازہ کھولتا اور وہ شخص دروازہ میں داخل ہوتا۔ خادم دروازہ پر اس سے جوتے اُتروا دیتا اور جوتے ایک طرف کو موقع سے رکھدیتا۔ یہ شخص اُن کی خدمت میں جاکر سلام کرتا اور عرض و معروض کرتا۔ ان مجذوب کا قاعدہ تھا کہ وہ اکثر دائیں بائیں اور اوپر منہ کرکے شوں شوں فوں فوں کرتے تھے۔ انکی نسبت یہ بھی مشہور تھا کہ ایکمرتبہ انھوں نے خودکشی کرنے کیلئے اپنے پیٹ میں چھرا بھونک لیا جس سے آنتیں باہر آگئیں۔ انکی بہن رونے لگیں بہن کو روتے دیکھ کر انھوں نے آنتیں اندر کرلیں اور زخم اچھا ہو گیا۔ میں اپنے پھوپھا کے ہمراہ ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میرے پھوپھا اور میں اُن کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ان کو جوش ہوا اور انھوں نے حسب عادت فوں فوں اور شوں شوں شروع کی اور کہا کہ فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا۔ اور فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں اور فلاں مرتبہ فلاں۔ اور انھوں نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو سینہ سے ناف تک ایک لکیر معلوم ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے کبھی اپنا پیٹ چاک کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے۔ دیکھو کوئی مانع نہ ہو اور یہ کہکر انھوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک استراہ کا چھرا نکالا اور گردن پر رکھ کر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا۔ وہ

بہت دیر تک فوں فوں شوں شوں کرتے رہے۔ جب جوش فرو ہوا تو انھوں نے میرے پھوپا سے کہا کہ اب مجھے چھڑا دیدو۔ اب مجھ پر وہ کیفیت طاری نہیں ہے۔ میرے پھوپھا نے چھڑا دیدیا۔ اس کے بعد انھوں نے میرے پھوپھا سے فرمایا کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا اور مجھ سے بھی کہا کہ میاں لڑکے دیکھو تم بھی کہیں نہ کہدینا۔ اس روز سے مجھ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ میں پھر ان کے یہاں نہیں گیا۔ یہ قصہ نواب یوسف علی خاں کے زمانہ کا ہے۔ اس کے بعد ہم تو رامپور سے چلے آئے۔ ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خاں مسند ریاست پر متمکن ہوئے تو ان کے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ ان مجذوب نے اپنے خادم سے کہا کہ رب العلمین کو رب العلمین سے ملنے کا آج پھر شوق غالب ہوا ہے اور وہ اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو الگ کر دینا۔ یہ کہکر سجدہ میں گئے اور سجدہ میں جا کر انھوں نے اپنی گردن کاٹ لی۔ سر تو تن سے جدا ہو گیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ خود انھی نے جدا کر دیا تھا یا حسب وصیت خادم نے جدا کیا۔ اور ان کا حلقوم زمین پر آٹکا اور وہ اسی طرح سجدہ کی ہیئت پر قائم رہے اور سوائے خون کے نہ پاخانہ نکلا نہ پیشاب نہ اور کسی قسم کی رطوبت۔ اور خادم پاس بیٹھا ہوا برابر مورچھل جھلتا رہا۔ لوگ آتے تھے اور دستک دیکر چلے جاتے تھے۔ بھنگن بھی دو وقت کمانے آتی تھی مگر دستک اور آواز دیکر چلی جاتی تھی۔ اسیطرح تین دن گذر گئے۔ آخر کار بھنگن نے ان کے پڑوس میں اس کا تذکرہ کیا کہ میاں تو کہیں جاتے نہ تھے خدا جانے کہاں چلے گئے میں تین دن سے دو وقت کمانے جاتی ہوں مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ پڑوس کی عورتوں کو کچھ شبہ ہوا اور انھوں نے اپنے اپنے کوٹھوں سے یا کسی اور طریق سے

ان کے مکان میں جھانکا دیکھا تو وہ شہید ہیں اور خادم بیٹھا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے مردوں سے ذکر کیا۔ مردوں نے کوتوالی میں اطلاع کی۔ پولیس آئی دروازہ کھولا گیا۔ دیکھا واقعہ صحیح تھا۔ اب ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ مگر نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا۔ مفتی سعد اللہ صاحب اور ان کی جماعت کہتی تھی کہ انھوں نے خودکشی کی ہے اسلئے انکی نماز نہ پڑھنی چاہیئے اور مولوی ارشاد حسین صاحب اور رامپور کے قاضی جو بدایوں کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مغلوب اور غیر مکلف تھے ان کی نماز پڑھنی چاہیئے۔ چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب اور قاضی صاحب کے فتوے پر عمل کیا گیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ ان کی نماز ہوئی اور انکو دفن کیا گیا۔ ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب وہ خادم اپنے کو رب العالمین کہنے لگا مگر علماء کی رائے سے نواب صاحب نے اسکو رامپور سے نکالدیا اور اسکے بعد اسکا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

حاشیہ حکایت (۴۲۴) ایسے مغلوب ناقص ہوتے ہیں اور اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں گو استہلاک ظاہری نہ ہو۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۴۸) ایک پنجابی مجذوب صاحب کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۳۴) ایک روز ارشاد فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجیو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے۔ اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے

وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہیدؒ کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "او تمھارا حاجی بڑا بزرگ ہے"۔ حضرت حاجی صاحب شہیدؒ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہوگیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ "تمھارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے ان کو لوٹا پکڑا دیا" حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہوکر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آگئی انھوں نے حضرت سے عرض کیا آپنے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اسوقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۴۹) حافظ عبد القادر صاحب مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۴) ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی رہتا تھا دار البقا میں ایک مجذوب حافظ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے ایک دن وہ راستہ میں جارہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا دفعۃً مڑکر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے اسکے بعد چند قدم اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہٹوہ، ہٹوہ، ہٹوہ اور سینہ کیطرف ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا "یہ میرے گولی لگی یہ میرے گولی لگی"۔ یہ چند الفاظ فرماکر بھاگ گئے۔ اس وقت سے مہینے سوا مہینے بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت

گولی سے شہید ہوئے سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا ایک دن مولوی محمد قاسم صاحب
بخاری شریف لئے جاتے تھے کہ یہی مجذوب حافظ صاحب راستہ میں مل گئے اور بخاری
شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین لیکر چلدئے مولوی صاحب ڈرتے ہوئے
پیچھے پیچھے ہو لئے کہ کہیں بخاری شریف ڈال نہ دیں۔ راہ میں ایک بھڑبونجہ کی دوکان
تھی اس کی بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کردی اور
زبان سے لگے مِن مِن مِن مِن کرنے۔ تھوڑی دیر تک ورقوں کو الٹ پلٹ کرتے
رہے۔ اسکے بعد کتاب مولوی صاحب کو دیدی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

(۵۰) میر محبوب علی صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور
کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے انھیں میں میر محبوب علے صاحب بھی تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے
ذریعے سے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرو ہوا تو انگریزوں کی طرف سے انکو
گیارہ گاؤں مسلم انعام میں دیئے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ
لیکر خود مولوی صاحب کیخدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپکی وفاداری کے
صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانۂ معافی ہے۔ مولوی صاحب
یہ سنکر نہایت برہم ہوئے اور یہ پروانہ لیکر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا
کہ میں نے کیا تمھارے لئے کیا تھا میرے نزدیک مسئلہ یوں ہی تھا اسلئے میں لوگوں
کو منع کرتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۴۴۵) قولہ۔ کیا تمھارے لئے کیا تھا۔ اقول۔ مگر اسکے قبل

توکم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوئی ہوگی جس کا غلط ہونا ثابت ہوا اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے جیسا اس زمانہ میں بھی اس کے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا زور ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماوے۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۵۱) مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۶) فرمایا کہ مولوی احمد حسن کانپوری جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچے ہیں منشی محمد جان مرحوم کہتے تھے کہ میں نے ایک روز مولوی صاحب کو دیکھا کہ حضرت کی جوتی جو کہ مجلس کے باہر رکھی تھی سر پر رکھ کر زار زار رو رہے ہیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۵۲) مومن خانصاحب مرحوم "مشہور شاعر" کی حکایت

حکایت (۴۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی سراج احمد صاحب خورجوی فرماتے تھے کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیلا کرتے تھے اور مومن خاں کھیل میں غالب رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا غالب نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ آپ اسقدر تیز طبع اور ذہین ہیں پھر کیا بات ہے کہ مومن خاں سے مات کھا جاتے ہیں مولوی فضل حق صاحب نے فرمایا کہ مومن خاں بھیڑیا ہے اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے وہ عشق عاشقی کے قصوں میں پھنس گیا۔ اگر علمی مشغلہ میں پڑتا تو اسوقت اس کے ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی۔ فی الحقیقت نہایت ذہین آدمی ہے۔

حاشیہ حکایت (۴۳۷) کیسے منصف مزاج حضرات تھے۔ آج مشائخ میں وہ تواضع و صدق نہیں جو اسوقت کے دنیا دار کہلانے والوں میں تھا۔ (شت)

(منقول از امیرالروایات)

(۳۵۳) مولوی احمد حسن صاحب مرحوم مرادآبادی کی حکایت

حکایت (۴۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی نور محمد صاحب مرادآبادی فرماتے تھے کہ جب مولوی احمد حسن صاحب کا انتقال ہونے لگا تو اسوقت میں بھی موجود تھا اور کمر وغیرہ دبا رہا تھا انھوں نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں تمام بدعات سے جن میں میں مصروف تھا توبہ کرتا ہوں اور عقاید میرے پہلے بھی بُرے نہ تھے ہاں افعال نفس کی شرارت سے ضرور خراب تھے سو میں اب ان سے بھی توبہ کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۴۳۸) قولہ۔ عقاید میرے پہلے بھی بُرے نہ تھے۔ اقول۔ یہی ہے وہ مضمون جس کا حوالہ حکایت (۱۲۰) کے حاشیہ میں دیا گیا ہے۔ (شت) (منقول از امیرالروایات)

(۳۵۴) مولوی عبدالحق صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۳۹) فرمایا کہ مولوی عبدالحق صاحب کانپوری نسباً سیّد تھے۔ رسوم کو بُرا سمجھتے تھے نفیس کھانے پینے نفیس پہننے کے شائق تھے ایک دفعہ اپنے باورچیخانہ میں گئے تو وہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی۔ عورتوں نے کہا یہاں مت آنا یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی ہے فرمایا کہ آہا بی بی ہیں کون ہماری دادی ہی تو ہیں وہ ہوتیں تو ہم کو ہی کھلاتیں۔ اور یہ کہکر آپ سب کا صفایا کر گئے اور عورتیں چیختی رہ گئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۵۵) ایک متشدّد واعظ صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۵۰) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک واعظ دہلی کی نسبت فرماتے تھے کہ متشدد بہت تھے۔ اسقدر تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لیگئے تو حضرت نے راستہ میں ایک طبیب رئیس کی دعوت قبول کرلی تو اسپر واعظ مذکور کا اعتراض تھا کہ فاسقوں کی دعوت قبول کرلی حالانکہ سب سے زیادہ حضرت مولانا کے معتقد تھے۔

حکایت (۴۵۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں دیوبند گیا تھا چونکہ بہلی کے ذریعہ سفر کیا تھا اس وجہ سے گرد وغبار سے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ اسی حالت میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوا وہاں مولانا مسعود احمد صاحب بھی تھے اور ان کے پاس وہ واعظ صاحب بھی موجود تھے ان کو میں نے بالکل نہیں پہچانا۔ تو انھوں نے عربی جملہ میں ؟ انی کنت مشتاقاً الیک پھر میں نے مولانا مسعود احمد صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ یہ فلاں صاحب ہیں میں نے اردو میں جواب دیا۔ اتفاق سے وہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملے۔ جو لباس ذرا اچھا پہنتے تھے ان صاحب نے موازنہ شروع کیا کہ ان کا (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مدظلہم العالی) کا لباس طالب علمانہ ہے اور وہ یعنی مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ جاکٹ پہنتے تھے۔

حکایت (۴۵۲) فرمایا کہ ایک خوش عقیدہ مگر سخت واعظ دہلوی نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ یہ بدعتیوں کی

عیادت کے لئے جاتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی کی جو نظام الدین کے قریب ایک مسجد میں رہتے تھے عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے وہ کوئی بدعتی نہ تھے۔ البتہ بعض مجاورین ان کے پاس آ بیٹھتے تھے۔ ان مجاوروں کی مولوی صاحب کی صحبت سے کچھ اصلاح بھی ہو گئی تھی۔ صرف اختلاط کی وجہ سے ان واعظ صاحب نے ان کو بدعتی کہدیا۔ ہمارے مولانا دیوبندیؒ بہت رحم دل تھے۔ اسوجہ سے بعض لوگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ سنت پر زیادہ عامل ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنیکی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا بئس اخو العشیرۃ جب وہ آیا تو آپ نے اس سے کلام کرنا شروع کیا۔ اسپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا رسول اللہ آپنے تو فرمایا تھا بئس اخو العشیرۃ تو آپنے فرمایا وہ شخص ہے جس کی بدمزاجی کے سبب لوگ اسکو چھوڑ دیں میں نے ایسا ہونا نہیں چاہا۔

(۵۶) مولوی تجمل حسین صاحب مرحوم بہاری کی حکایت

حکایت (۴۵۱) فرمایا کہ مولوی تجمل حسین صاحب بہار کے ایک شخص تھے مثنوی اچھی پڑھتے تھے۔ کانپور میں میری بھی اُن سے ملاقات ہوئی ہے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا قوال ہوں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید تھے حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ چونکہ صبح کے وقت شافعی مصلّے پر ذرا لطف ہوتا ہی اکثر لوگ

صبح کی نماز اسی مصلے پر پڑھتے ہیں۔ وقت بھی اچھا قرأۃ بھی طویل۔ اسوقت ایک قسم کا لطف ہوتا ہے اور جس وقت شافعیہ قنوت پڑھتے ہیں حنفیہ چپ کھڑے رہتے ہیں۔ اسوقت ان پر ایک حالت طاری ہوئی۔ شافعیہ تو قنوت پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے پندنامہ کی مناجات پڑھنا شروع کی ؎

پادشاہا جرم ما را در گذار ۔ ما گنہگاریم تو آمرزگار

نہایت ذوق وشوق اور درد کے ساتھ اس کو پڑھتے رہے۔ نماز کے بعد لوگوں میں اس کا چرچا ہوا عربیوں میں تو اس کا چرچا کم ہوا لیکن ہندیوں میں اسکا چرچا زیادہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب سے بھی اس کی شکایت ہوئی۔ مگر حضرت چونکہ عارف تھے۔ صاحب حال پر ملامت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ حضرات عارفین کو لغزش کا منشاء معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے حضرت سنتے رہے اور ہنستے رہے کیونکہ نماز تو فاسد ہوئی نہ تھی۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دُعا اگر غیر عربی میں ہو تو حرام ہے مگر مفسد صلوٰۃ نہیں۔ اور حرمت اسلئے نہ تھی کہ مغلوب الحال تھے معذور تھے۔ اس لئے حضرت تبسم فرماتے رہے باقی زبان سے اس تفصیل کا اسلئے اظہار نہ فرمایا کہ فتنہ ہوگا۔ اس موقعہ پر حضرت کی جامعیت پر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

(۵۷) مولوی محمد صاحب مرحوم وکیل الہ آباد کی حکایت

حکایت (۴۵۲) فرمایا کہ مولوی محمد صاحب وکیل الہ آباد کا قصہ میرے ایک دوست جو ایک مقدمہ کی پیروی میں الہ آباد گئے تھے اور مولوی صاحب کو وکیل مقرر

کیا تھا بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ ان کے یہاں مہمان تھا میں نے ایک روز دیکھا کہ اُن کے چھوٹے چھوٹے بچے ہنستے کھیلتے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آہا جی ہمارے یہاں آج شیخ جی آئے اور اس روز کھانے میں بہت دیر ہو گئی۔ انھوں نے سمجھا کہ شیخ جی کوئی بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں اُن کے لئے اچھے اچھے کھانے پک رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کھانا آنے میں دیر ہوئی۔ جب بہت دیر ہو گئی اور کھانے کا وقت گذر گیا تو میں نے کسی سے پوچھا کہ بھائی یہ شیخ جی کون ہیں اور وہ ابتک دکھلائی بھی نہیں دیئے لوگوں نے کہا کہ آج ان کے یہاں فاقہ ہے بچّے اسی کو شیخ جی کے لقب سے یاد کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد میں بھی اثر ہوتا ہے گو وہ خود بزرگ نہ ہوں۔ یہ وکیل صاحب بزرگ زادے تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(۵۸) مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ وہ مدرسے کے ڈھائی سو روپیہ لیکر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی۔ اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈہائی سو روپیہ لیکر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انھوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اسلئے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی آپ روپیہ لے لیجئے

اور مولانا کا فتویٰ دکھلا دیا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھکر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں۔ اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے جاؤ لے جاؤ اس فتوے کو میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا۔

حاشیہ حکایت (۴۵۳) قولہ۔ کیا یہ مسائل میرے ہی لئے الخ اقول۔ کیا انتہا ہے تقویٰ کا (شت) (منقول از امیر الروایات)

(۵۹) ایک نورباف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

اضافہ از ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۵۴) ایک دن ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جُلاہے۔ ایک روز عصر کی نماز میں ان کو دیر ہو گئی۔ دوڑے ہوئے کنویں پر وضو کے لئے پانی لینے گئے۔ کنویں کے اندر لوٹا یا ڈول جو ڈالا تو پانی کی جگہ چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ اس بزرگ نے پھینکدیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز کو دیر ہوتی ہے۔ دوبارہ کنویں میں ڈالا تو سونے سے بھرا ہوا نکلا۔ پھر اسکو زمین پر دے ٹپکا۔ اور عرض کیا مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں تاخیر ہوئی جاتی ہے۔ اسوقت الہام ہوا کہ میں نے یہ معاملہ اسلئے کیا کہ لوگ تجھ کو حقیر نہ جانیں۔

(منقول از تذکرۃ الرشید)

(۶۰) جناب مولانا مولوی میاں اصغر حسین صاحب محدّث ومدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حکایت (۴۵۵) فرمایا کہ جس وقت دیوبند کے مدرسہ میں شورش ہوئی ہے تو اس زمانہ میں مولوی اصغر حسین صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ موٹر میں سوار آرہے ہیں۔ اور انھوں نے میرے پاس آکر موٹر ٹھہرایا۔ اور وہ بزرگ مشابہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم ... صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اُن سے (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند سے) کہدینا گھبرائیں نہیں سب خیریت رہے گی۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

تمت بالخیر

یہ کتاب اور ہر قسم کی دینی و مذہبی کتابیں یکجا ملنے کا پتہ (سید محمد الیاس غفرلہٗ مظاہری)

ناظم کتب خانہ اشاعت العلوم متصل مدرسہ مظاہر علوم

محلہ مفتی سہارنپور (یوپی)

مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی